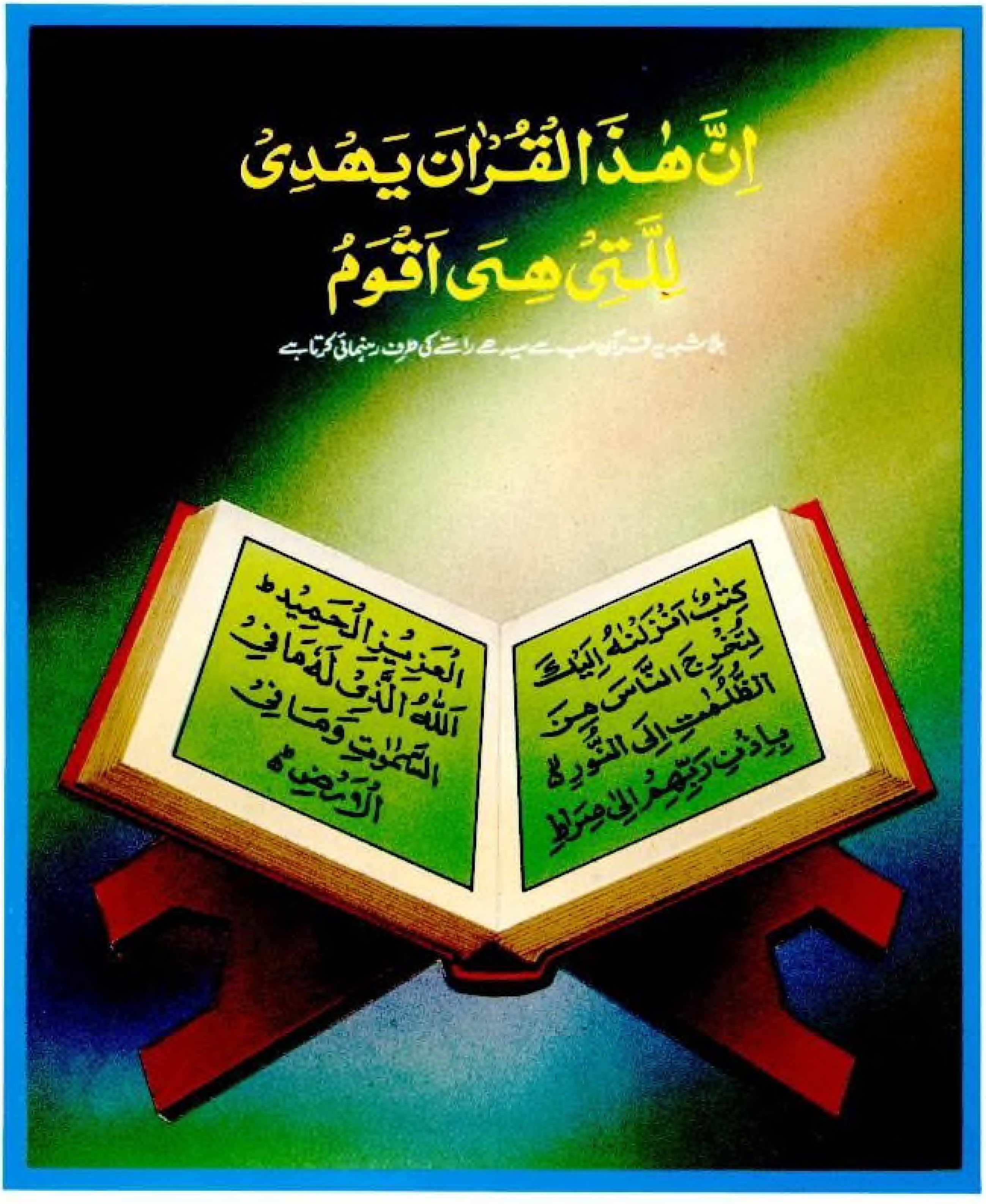
احسن البیان

فی تفسیر القرآن



سید فضل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○ (دھر - ۲۹)

بلاشبہ یہ (قرآن ایک) نصیحت ہے، سو جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرلے۔

احسن البیان

فی تفسیر القران

حصہ چہارم

تفسیر سورۃ انفال، توبہ، یونس، ہود، یوسف، رعد

سید فضل الرحمن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے - ۴ / ۱۷، ناظم آباد نمبر ۴،

کراچی نمبر ۱۸ - فون: ۶۶۸۴۲۹۰

نام کتاب	:	احسن البیان فی تفسیر القرآن
حصہ چہارم	:	تفسیر سورۂ انفال تا سورۂ رعد
تعداد	:	۱۱۰۰
اشاعت اول	:	ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ / اپریل ۱۹۹۸ء
کمپوزنگ	:	بقا کمپوزنگ سروسز، اردو بازار، کراچی
ناشر	:	زوار اکیڈمی پبلی کیشنز۔ کراچی
قیمت	:	۱۵۰ روپے

ملنے کے پتے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔ ۴ / ۱۷، ناظم آباد نمبر ۴،

کراچی نمبر ۱۸۔ فون: ۶۶۸۴۲۹۰

ادارۂ مجددیہ

۲ / ۵۔ ایچ، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی نمبر ۱۸

مکتبہ برہان

اردو بازار، کراچی

فہرستِ عنوانات

سورۂ یونس ٢١٧

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الانفال

وجہ تسمیہ: اس سورت میں اموالِ غنیمت کا خاص طور پر بیان ہے، اس لئے اس کو سورہ انفال کا نام دیا گیا ہے۔ یہ سورۃ چونکہ معرکہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی اس لئے اس کو سورہ بدر بھی کہتے ہیں۔ (معارف القرآن ۱۷۴/ ۴)

تعارف: یہ سورۃ معرکہ بدر کے موقع پر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، جیسا کہ حسنؒ، عکرمہؒ، جابر بن زیدؒ، عطاءؒ وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے۔ ابوالشیخؒ و ابن مردویہؒ و نحاسؒ نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ سورت مدنیہ ہے۔ یہی راجح بلکہ اصح ہے۔ (حقانی ۴۵۳/ ۲، مواہب الرحمن ۱۷۹/ ۹)

اس میں دس رکوع، پچھتر آیتیں، ۱۲۵۳ کلمات اور ۵۵۲۲ حروف ہیں۔

سورہ اعراف میں مشرکین اور اہلِ کتاب کے جہل و عناد اور کفر و فساد اور اس کے متعلقہ مباحث کا بیان تھا۔ اس سورۃ کے زیادہ تر مضامین معرکہ بدر میں انہیں لوگوں کے انجامِ بد، ناکامی اور شکست اور مسلمانوں کی فتح و کامرانی کے بارے میں ہیں۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: پہلے مالِ غنیمت کا حکم بیان کیا گیا ہے پھر کامل اور حقیقی مؤمنوں کے اوصاف کا بیان ہے۔ اس کے بعد واقعہ بدر، مشرکین پر غلبہ کی بشارت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور اس کی قبولیت کا ذکر ہے۔

رکوع ۲: مسلمانوں پر انعاماتِ خداوندی مثلاً ان پر اونگھ طاری ہونے سے ان کی تکان دور ہونا، بارش کے ذریعہ نرم ریتیلی زمین کو سخت اور چلنے کے قابل کر دینا اور فرشتوں کے ذریعہ دشمن کو مسلمانوں کی تعداد کئی گنا بڑھا کر دکھانا، پھر مسلمانوں

کو کفار کے ساتھ مقابلے سے فرار کی ممانعت اور مسلمانوں کی غیبی مدد کا ذکر ہے۔ آخر میں مشرکین کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب ہے۔

رکوع ۳: اطاعتِ رسول کی تاکید اور منکرین کو جانوروں سے بدتر قرار دینا، پھر مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا خوف دلانا اور انعاماتِ خداوندی کی یاد دہانی مذکور ہے۔ آخر میں خیانت کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۴: تقوے کی برکات، مشرکوں کے مکر اور تدبیریں اور ان کے متکبرانہ دعوے کا بیان ہے۔ پھر نضر کی دعا کا جواب، مسجد الحرام کی تولیت کا حق اور بدر کے موقع پر عداوتِ اسلام میں مال خرچ کرنے کا ذکر ہے۔

رکوع ۵: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کو خسارے کی تلافی کی پیش کش، بصورتِ دیگر ان سے جہاد و قتال کا حکم اور مالِ غنیمت کے احکام کا بیان ہے۔ پھر واقعہ بدر کے سلسلہ میں محاذِ جنگ کے کچھ حالات مذکور ہیں۔

رکوع ۶: آدابِ جہاد و قتال اور شیطان کا مشرکین کو اطمینان دلانا مذکور ہے۔

رکوع ۷: منافقوں کی احمقانہ سوچ، کافروں کی ذلت و رسوائی کی موت کا حال اور مشرکوں کا سابقہ امتوں جیسے طور و طریق اختیار کرنا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں یہود کی خباثت کا بیان اور عہد شکنوں سے معاہدہ ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

رکوع ۸: جہاد کے لئے بھرپور تیاری کا حکم اور ضرورت و مصلحت کے تحت صلح کی اجازت کا بیان۔ پھر اس انعامِ الٰہی کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے باہمی الفت و محبت کی شکل میں مسلمانوں پر فرمایا۔

رکوع ۹: مؤمنوں کو جہاد کی ترغیب اور جنگی قیدیوں کے احکام کا بیان ہے۔

رکوع ۱۰: فدیہ کا نعم البدل اور مہاجرین و انصار کے مراتب و فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

مالِ غنیمت کا حکم

۱۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ

مُؤْمِنِيْنَ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپؐ سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ مالِ غنیمت تو اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے ۔ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو اور اگر تم مؤمن ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو ۔

اَنْفَال: یہ نفل کی جمع ہے، جس کے معنی فضل و انعام کے ہیں ۔ نفلی نماز، روزہ اور صدقہ کو بھی نفل اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اصل فرائض سے زائد ہیں اور کسی کے ذمہ لازم اور واجب نہیں، بلکہ ان کو کرنے والے اپنی خوشی سے کرتے ہیں قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ "انفال" کبھی کبھی مطلقاً اموالِ غنیمت کے لئے بولا جاتا ہے، جو جہاد کے وقت کافروں سے حاصل ہوتا ہے ۔ لیکن اکثر یہ لفظ اس انعام کے لئے استعمال ہوتا ہے جو امیرِ جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کار گزاری کے صلہ میں غنیمت کے حصے کے علاوہ بطور انعام عطا کرے ۔ یہاں انفال سے مُراد وہ مال غنیمت ہے جو کفار سے جنگ میں حاصل ہوتا ہے ۔ (حقانی ۲ / ۴۵۳)

اس امتِ مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص انعام ہے کہ اس نے مسلمانوں کے لئے اس مال کو حلال کر دیا جو کافروں سے جہاد و قتال کے ذریعہ حاصل ہو ۔ ورنہ سابقہ امتوں میں سے کسی کے لئے بھی مالِ غنیمت حلال نہ تھا، بلکہ تمام اموالِ غنیمت کو ایک جگہ جمع کر دیا جاتا تھا پھر آسمان سے ایک آگ آکر اس کو جلا کر خاک کر دیتی تھی ۔ یہ اس جہاد کے عند اللہ مقبول ہونے کی علامت بھی تھی ۔ اگر آسمان سے آکر آگ مالِ غنیمت کو نہ جلاتی تو اس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ جہاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں، اس لئے مالِ غنیمت کو منحوس و مردود سمجھ کر کوئی استعمال نہ کرتا تھا ۔

شانِ نزول: اس آیت کے شانِ نزول میں متعدد روایتیں ہیں ۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں میرا بھائی عمیرؓ شہید ہو گیا تو میں نے اس کے بدلے میں سعید بن عاص کو قتل کر کے اس کی تلوار لے لی ۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج اللہ نے مشرکوں کی طرف

سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا، پس آپ یہ تلوار مجھے عطا فرما دیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تلوار نہ تیری ہے نہ میری۔ اس کو مالِ غنیمت میں رکھ دے۔ پس میں نے اس کو مالِ غنیمت میں رکھ دیا۔ اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ میرے بھائی کو کس نے قتل کیا اور اس کا سامان لیا۔

ابھی میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سورہ انفال نازل ہوئی۔ اس کے نزول کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے سعد! تو نے مجھ سے وہ تلوار مانگی تھی، مگر اس وقت وہ میری نہ تھی۔ اب وہ میری ہو گئی، لہٰذا اب تم جاکر وہ تلوار لے لو۔ (روح المعانی ۱۶۱ / ۹، مظہری ۷ / ۴)

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے انفال کے بارے میں حضرت عبادہؓ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ مجاہدینِ بدر بھی تھے اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب انفال کے لئے ہم میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ہم آپس میں تیز و تلخ باتیں کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بات ہمارے ہاتھ سے لے لی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ پھر آپ نے یہ مالِ غنیمت مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ (ابن کثیر ۲۸۳ / ۲، روح المعانی ۱۶۲ / ۹)

حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی۔ اب ایک جماعت نے تو دشمن کا تعاقب کیا اور بھاگتوں کو قتل کیا اور قید کیا اور ایک جماعت مالِ غنیمت جمع کر رہی تھی اور ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے میں لئے ہوئے آپ کی حفاظت کر رہی تھی کہ دشمن آپ کو گزند نہ پہنچائے۔ جب رات ہوئی اور سب لوگ جمع ہو گئے تو جن لوگوں نے مالِ غنیمت کو سمیٹ کر محفوظ کیا تھا وہ کہنے لگے کہ اس کے حقدار صرف ہم ہیں۔ جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے وہ کہنے لگے کہ ہم نے دشمن کو شکست دی اور بھگایا اس لئے صرف ہم اس کے حقدار ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کی حفاظت کی تھی وہ کہنے لگے ہمیں اس بات کا سخت اندیشہ تھا کہ کہیں دشمن کی طرف سے آپ کو گزند نہ پہنچے اس لئے ہم تو ایک بہت ہی اہم کام میں مصروف تھے۔ اس پر یہ آیت اتری۔
(ابن کثیر ۲۸۳ / ۲)

تشریح: یہ آیت جنگِ بدر میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس میں انفال کا حکم بتایا گیا ہے کہ مالِ غنیمت کی ملکیت تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس میں تصرف کرنے کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس مال کو مجاہدین میں تقسیم فرمائیں گے۔ پس اے مومنو! تم باہمی اختلاف اور پھوٹ پیدا کرنے سے

اجتناب کرو اور مالِ غنیمت کے بارے میں آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ چونکہ تم متقی اور پرہیزگار اور کامل مومن ہو، اس لئے کمالِ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر پوری طرح عمل کرو اور ان کی نافرمانی سے بچو اور آپس میں محبت و اخوت اور صلح و سلامتی قائم رکھو۔ اسی میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ناگاہ آپ مسکرائے یہاں تک کہ آپؐ کے دونوں دندان مبارک کھل گئے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس بات پر مسکرائے؟ آپؐ نے فرمایا کہ میری امت میں سے دو آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے اس بھائی سے مجھے اس کا عوض دلوا دے جو اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کو اس ظلم کا عوض دے دے جو تو نے اس پر کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اب میری نیکیوں میں سے میرے پاس کچھ باقی نہیں رہا۔ مدعی نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! پھر اس کو چاہئے کہ یہ میرے گناہوں میں سے کچھ گناہ اٹھالے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اتنا فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر فرمایا کہ بلاشبہ یہ بڑا بھاری دن ہو گا۔ اس دن لوگ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ کوئی ان کے گناہ اٹھالے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مدعی سے ارشاد فرمایا کہ تو اپنی آنکھ اٹھا کر جنت کی طرف دیکھ۔ اس نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو عرض کرنے لگا کہ اے میرے پروردگار! میں تو چاندی کے شہر اور سونے کے مکانات، موتیوں اور جواہرات سے جڑاؤ دیکھتا ہوں۔ یہ کس نبی، کس صدیق اور کس شہید کے لئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اس کی قیمت ادا کر دے یہ اسی کے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ اے میرے رب! بھلا اس کے دام کون دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو بھی دے سکتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میرے پاس کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کا ظلم معاف کر دے۔ وہ کہنے لگا کہ اے میرے رب! میں نے معاف کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۝ (ابن کثیر ۲۸۵/۲، مواہب الرحمٰن ۱۸۳/۹)

حقیقی مومنوں کے اوصاف

۲-۴- اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○

بیشک مومن تو وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں - اور جب اس کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اس سے ان کا ایمان اور زیادہ (تر و تازہ) ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں - جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور وہ ہمارے دئے ہوئے مال میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، یہی وہ سچے مومن ہیں جن کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے -

وَجِلَتْ: وہ (دل) ڈر گئے - وہ لرز گئے - اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اور ہیبت و عزت سے ان کے دل ڈر گئے - وہ خوفزدہ ہو گئے - وَجَلٌ سے صفت مشبہ -

تشریح: ان آیتوں میں حقیقی مومنوں کے پانچ اوصاف بیان کئے گئے ہیں:

۱- خوفِ خدا: جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے یعنی اس کی وعید بیان کی جائے تو اس کے جلال و عظمتِ شان اور عزت و ہیبت کے تصور سے ان کے دل دہل جاتے ہیں - وہ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے باز رہتے ہیں -

حضرت ام درداؓ کہتی ہیں کہ خوف خدا سے دل دھڑکنے لگتے ہیں اور بدن میں ایک سوزش سی ہو جاتی ہے - اسی وجہ سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں - جب یہ کیفیت طاری ہو جائے تو بندے کو چاہئے کہ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصد کی دعاء کرے کیونکہ اس وقت دعاء قبول ہوتی ہے - (ابن کثیر ۲/۲۸۵)

۲- ایمان میں ترقی: جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کی تصدیق کرتے ہیں، جن سے ان کے ایمان میں مزید پختگی اور قلبی اطمینان میں اضافہ ہوتا ہے اور

اعمالِ صالحہ کی طرف ان کی رغبت بڑھ جاتی ہے۔

۳۔ اللہ پر توکل: حقیقی مومن اپنے تمام اعمال و احوال میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد و بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کے سوا کسی سے امید رکھتے ہیں اور نہ خوف۔ جو کچھ مانگنا ہوتا ہے اسی سے مانگتے ہیں، ہر معاملے میں اسی کی طرف جھکتے ہیں، کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ وہی قادر مطلق ہے، وہ جو چاہے گا وہی ہوگا۔ اس کے حکم کے بعد کسی کا حکم نہیں، وہی سریع الحساب ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ توکل یہ نہیں کہ اپنی ضروریات کے مادی اسباب و تدابیر کو ترک کرکے بیٹھ جائے۔ توکل تو یہ ہے کہ مادی اسباب کو اصل کامیابی کے لئے کافی نہ سمجھے بلکہ اپنی قدرت و ہمت کے مطابق مادی اسباب و تدابیر فراہم کرنے کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے اور یہ سمجھے کہ اسباب بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب کے ثمرات بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ بس وہی ہوگا جو وہ چاہے گا۔

۴۔ اقامتِ صلوٰۃ: حقیقی مومنوں کی چوتھی صفت یہ بتائی کہ وہ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ وہ نماز کو پورے آداب و شرائط اور اس کے حقوق کے ساتھ بجالاتے ہیں۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے نماز کے آداب و شرائط بتائے ہیں وہ ان کو اسی طرح بجالاتے ہیں۔

۵۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس خرچ کرنے میں تمام فرائض و واجبات، صدقات، نفلی صدقات و خیرات حتیٰ کہ عزیز و اقارب، مہمانوں اور دوستوں وغیرہ کی مالی خدمت بھی شامل ہے۔
(ابن کثیر ۲/۲۸۶)

پھر فرمایا کہ جن مومنوں میں یہ پانچ صفات پائی جائیں وہی سچے اور حقیقی مومن ہیں۔ ان لوگوں کا ظاہر و باطن اور قول و فعل سب یکساں ہیں۔ ایسے سچے مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمادے گا اور ان پر اپنا فضل فرمائے گا اور ان کو ایسی عمدہ روزی عطا فرمائے گا جو محنت و مشقت اور زوال و حساب کے خوف سے خالی ہوگی

طبرانی نے حارث بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اے حارث! تم نے صبح کیسی کی؟ حارثؓ نے عرض کیا کہ ایک

حقیقی مومن کی حیثیت سے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ خوب سمجھ لو ہر شئے کی ایک حقیقت ہوتی ہے، سو تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ پس حارث نے عرض کیا کہ میں نے دنیا سے کنارہ کشی کرلی، راتوں کو جاگتا ہوں، دن کو (روزے کے سبب) پیاسا رہتا ہوں اور گویا کہ میں اہلِ جنت کو باہم ملاقاتیں کرتا دیکھتا ہوں اور گویا کہ میں اہلِ دوزخ کو مصیبت میں مبتلا دیکھتا ہوں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے حارث تو نے ایمان کی حقیقت پالی سو تم اس پر قائم رہنے کی کوشش کرو ۔ یہ بات آپ نے تین بار فرمائی ۔ (روح المعانی ۱۶۷/ ۹)

اہلِ جنت کے درجات مختلف ہوں گے ۔ بعض درجات بہت بلند ہوں گے اور بعض کم بلند اور بعض اس سے بھی کم ۔ جو اونچے درجات والے ہوں گے وہ نیچے درجات والوں پر اپنی فضیلت دیکھیں گے اور جو نیچے درجات والے ہوں گے وہ اپنے اوپر کسی کی فضیلت کا گمان نہیں کریں گے کیوں کہ حسد و تمنا اور آرزو جیسے خصائل، دنیاوی جسم و قویٰ کی خاصیت ہیں ۔ دنیا میں یہ خصلتیں انسان کے اندر اس لئے رکھی گئی ہیں تاکہ ان کے ذریعہ اچھے اور برے میں تمیز ہو سکے ۔ آخرت میں ان چیزوں کا وجود ہی نہ ہو گا ۔ اس لئے کسی کو بلند درجات میں دیکھ کر کم تر درجے والے کے دل میں حسد و احساس محرومی پیدا نہ ہو گا بلکہ ہر شخص اپنی نعمت اور اپنے حال میں ایسا مگن ہو گا کہ کسی دوسرے کی طرف اس کی توجہ ہی نہ ہو گی ۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ علیین والوں کو ان سے نیچے والے ایسے دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے افق پر جگمگاتے ہوئے تارے کو دیکھتے ہو ۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیا انبیاء علیہم السلام کے درجے ہیں؟ کیا ان کے سوا ان کو کوئی اور نہیں پائے گا؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اور لوگ بھی پائیں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی ۔ (مواہب الرحمن ۱۸۹/ ۹)

بعض مومنوں کا جنگ سے کترانا

۵، ۶۔ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح آپؐ کے پروردگار نے آپؐ کو آپ کے گھر سے حق کے لئے نکالا اور اہل ایمان کی ایک جماعت اس سے ناخوش تھی، حق بات کے ظاہر ہو جانے کے بعد بھی اس کے بارے میں وہ آپؐ سے ایسے جھگڑ رہے تھے گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے تھے اور وہ اس کو دیکھ بھی رہے تھے۔

كٰرِهُوْنَ: کراہت کرنے والے۔ نفرت کرنے والے۔ یہاں صحابہ کرام کا وہ گروہ مراد ہے جس کو معرکہ بدر کے موقع پر جہاد کے لئے نکلنا ناپسند تھا۔ كَرْهٌ و كَرَاهَةٌ سے اسم فاعل

يُسَاقُوْنَ: وہ ہانکے جاتے ہیں۔ وہ کھینچے جاتے ہیں۔ سَوْقٌ سے مضارع مجہول۔

شانِ نزول: حضرت ابو ایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ ہم مدینے میں تھے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ابو سفیان قافلہ لے کر آرہا ہے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے۔ کیا ہم اس قافلے کو روکنے کے لئے نکل پڑیں۔ ممکن ہے کہ تم لوگوں کو کچھ مال و دولت مل جائے۔ ہم نے عرض کیا کہ ضرور چلنا چاہیے۔ چنانچہ ہم نکلے اور ایک یا دو روز چلتے رہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ کافروں کو اس بات کی خبر ہو گئی ہے کہ تم ان کے قافلے کو روکنے کے ارادے سے نکل چکے ہو۔ لہٰذا کافروں سے جنگ کے بارے میں اب تمہاری کیا رائے ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ واللہ ہم میں دشمن کے اتنے بڑے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں، ہم تو صرف قافلے کو روکنے کے خیال سے نکلے ہیں۔ آپؐ نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ ہم لوگوں نے پھر یہی جواب دیا۔ اب مقداد بن عمروؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم اس موقع پر وہ بات نہیں کہیں گے جو حضرت موسیٰ کی امت نے ان سے کہی تھی کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا رب جا کر دشمن سے لڑ لو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ہم گروہ انصار نے تمنا کی اور کہا کہ اگر ہم بھی وہی کہتے جو (حضرت) مقداد نے کہا تو یہ بات، ہمیں قافلے کا مال مل جانے سے زیادہ پسند ہوتی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ابن کثیر ۲/۲۸۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے لئے مشورہ کیا اور پھر قریش کے لشکر سے جنگ کا حکم دیا تو مسلمانوں کو یہ جنگ ناپسند ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر ۲/۲۸۷)

تشریح: ان آیتوں میں واقعۂ بدر کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مومنوں کو مال غنیمت کی تقسیم بھی ایسی ہی ناگوار ہے جیسا کہ اس جنگ کے لئے بحکم الٰہی آپؐ کا گھر سے نکلنا ناگوار تھا۔ انہوں نے اپنی قلتِ تعداد و اسلحہ اور دشمن کی کثرتِ تعداد و اسلحہ کے خوف سے یہ کہا تھا کہ آپؐ تو ہمیں قافلے سے نمٹنے کے لئے لے کر نکلے تھے ہمیں تو گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں جنگ کرنا پڑے گی اور نہ ہم جنگ کے لئے تیار ہو کر گھر سے نکلے تھے۔ جس طرح وہاں ان کی خوشی کا لحاظ نہیں کیا گیا تھا اور ان کو ارادہ اور تیاری کے بغیر دشمن سے بھڑا دیا تھا اور ان کو دشمن پر فتحیاب کر دیا تھا، اسی طرح یہاں بھی لحاظ نہیں اس لئے کہ ان کی عقلیں اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں، حکمتوں اور عمدہ نتائج کو نہیں پہنچ سکتیں۔ بندے تو آسانی اور موجودہ فائدہ کو دیکھتے ہیں۔ اس جنگ کے لئے گھر سے نکلنے میں بظاہر تکلیف و مشقت اور دشمن کی کثیر تعداد اور اپنی قلت کے سبب مارے جانے کا خوف تھا۔ مگر اس قتال نے مشرکینِ مکہ کی کمر توڑ ڈالی۔

مسلمانوں کو معرکہ بدر میں فتح و نصرت مسلمانوں کی قوت و تعداد کے سبب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے حاصل ہوئی۔ پھر جو مال ان کو غنیمت کے طور پر ملا وہ بھی اللہ کا ہے۔ اس لئے اللہ کے پیغمبر اس مال کو اس کے حکم مطابق مسلمانوں میں تقسیم کریں گے۔ (حقانی ۲/۴۵۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳/۲۰۷)

واقعۂ بدر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے میں خبر ملی تھی کہ ابو سفیان شام سے مالِ تجارت لے کر مکہ واپس جارہا ہے۔ اس تجارت میں مکہ کے تمام قریشی شریک تھے۔ ابن عقبہ کے بیان کے مطابق مکہ کا کوئی قریشی مرد یا عورت باقی نہ تھا جس کا اس میں حصہ نہ ہو۔ اگر کسی کے پاس صرف ایک مثقال (ساڑھے چار ماشے) سونا بھی تھا تو اس نے بھی اس میں اپنا حصہ ڈال دیا تھا۔ ابن عقبہ کہتے ہیں کہ اس قافلے کا کل سرمایہ پچاس ہزار دینار تھا۔ دینار سونے کا ایک سکہ ہے جو ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ آج کل کے اعتبار سے اس کی قیمت اندازاً ۱۲ کروڑ روپے بنتی ہے۔

آپؐ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا اور اس قافلہ کا حال بیان کیا کہ اس میں مال بہت اور

آدمی کم ہیں ۔ لہذا تم اس کی طرف نکلو، شاید اللہ تعالیٰ تمہیں یہ اموال عطا کر دے ۔ یہ رمضان کا زمانہ تھا ۔ پہلے سے کسی جنگ کی تیاری نہ تھی، اس لئے بعض لوگوں نے تو چستی اور ہمت کا اظہار کیا اور بعض نے کچھ پس و پیش کی ۔ چنانچہ آپؐ نے بھی سب لوگوں کے لئے اس جہاد کی شرکت ضروری قرار نہیں دی بلکہ یہ حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس سواریاں موجود ہوں وہی ساتھ چلیں سواریاں باہر سے منگوانے کا وقت نہیں ۔ اس طرح ساتھ جانے کا ارادہ رکھنے والوں میں سے بھی تھوڑے ہی آدمی تیار ہو سکے ۔ یوں بھی لوگوں کو اطمینان تھا کہ یہ محض ایک تجارتی قافلہ ہے ۔ اس کے لئے کسی بڑے لشکر کی ضرورت نہیں ۔ بیرِ سقیا سے روانگی کے وقت آپ نے لشکر کو شمار کرایا تو ۳۱۳ کی تعداد تھی اور لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے ۔ لوگ باری باری انہیں پر سوار ہوتے تھے ۔

ادھر ابو سفیان جب حجاز کے قریب پہنچا تو اس نے مختلف سمتوں میں جاسوس روانہ کئے اور راستہ میں جو قافلہ بھی ملتا اس سے مسلمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ۔ اس کو خوف تھا کہ کہیں مسلمان اس کے قافلے کو لوٹنے کے لئے اس پر حملہ نہ کر دیں ۔ پھر اس کو ایک قافلے کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم اس کے قافلے کو روکنے کے لئے صحابہ کی ایک جماعت کے ہمراہ مدینے سے روانہ ہو گئے ہیں ۔ اس نے اسی وقت ضمضم بن غفاری کو اجرت دے کر مکہ کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہ جاکر قریش کو خبر کر دے کہ ان کے قافلے کو صحابہ کرام سے خطرہ لاحق ہے ۔ جب اہلِ مکہ کو خبر ملی تو ابو جہل ایک بڑا لشکر لے کر قافلے کو بچانے کے لئے روانہ ہو گیا مگر ابو سفیان راستہ بدل کر مسلمانوں کی زد سے بچ نکلا اور ابو جہل لڑائی کے ارادے سے مقامِ بدر پر آپہنچا ۔ اس لشکر میں ایک ہزار جوان، دو سو گھوڑے اور چھ سو زرہیں تھیں ۔ ان لوگوں کے کھانے کے لئے دس اونٹ ذبح ہوتے تھے ۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو سفیان کے تجارتی قافلے کو روکنے کی غرض سے اسی انداز کی تیاری کر کے مدینے سے نکلے تھے ۔ بدر کے قریب پہنچ کر آپؐ نے دو آدمیوں کو ابو سفیان کے قافلے کی خبر لانے کے لئے آگے بھیجا ۔ مخبروں نے آپ کو یہ خبر پہنچائی کہ ابو سفیان کا قافلہ آپ کے تعاقب کی خبر پاکر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ گزر گیا ۔ اس کی حفاظت اور مسلمانوں سے جنگ کے لئے مکہ مکرمہ سے ایک ہزار جوانوں کا لشکر آرہا ہے ۔ اس خبر نے حالات کا رخ پلٹ دیا اور آپ نے صحابہ کرام سے قریشی لشکر سے جنگ کے بارے میں مشورہ فرمایا ۔

حضرت ابوب انصاریؓ اور بعض دوسرے حضرات نے عرض کیا کہ ہم میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں اور نہ ہم اس قصد سے نکلے تھے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر تعمیل حکم کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر تعمیل حکم اور جہاد کے لئے تیار ہونے کا اظہار کیا۔ پھر حضرت مقدادؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ حکم ملا ہے آپ اس کو جاری کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جاکر دشمن سے لڑ لو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہم آپ کے دائیں، بائیں اور آگے پیچھے ہو کر دشمن سے لڑیں گے۔

حضرت مقدادؓ کی گفتگو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور ان کو دعائیں دیں، مگر ابھی تک انصار کی طرف سے موافقت میں کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کا جو معاہدہ کیا تھا وہ مدینے کے اندر رہ کر مدد کرنے کا تھا۔ مدینے سے باہر امداد کرنے کے وہ پابند نہ تھے۔ اس لئے آپ نے پھر مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگو! مجھے مشورہ دو کہ اس جہاد پر اقدام کریں یا نہ کریں۔ اس خطاب کا روئے سخن انصار کی طرف تھا۔ حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ سمجھ گئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ہم سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت سعد نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ حق ہے۔ ہم نے آپ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ جو کچھ آپ حکم دیں گے، ہم اس کو بجالائیں گے۔ آپ کو شاید یہ اندیشہ ہو کہ انصار اپنی بستیوں میں ہی آپ کی مدد کریں گے (باہر نکل کر نہیں کریں گے) تو میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں کہ آپ جہاں چاہیں سفر کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ جس سے تعلق جوڑنا چاہیں جوڑیں اور جس سے ختم کرنا چاہیں کریں، ہمارے مالوں میں سے جتنا چاہیں لے لیں اور جتنا چاہیں ہمیں دے دیں اور جو مال آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے وہ ہمیں اس مال سے زیادہ محبوب نہ ہو گا جو آپ ہم سے لیں گے۔ خدا کی قسم اگر آپ ہمیں لے کر برک الغماد جانا چاہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور اگر آپ ہمیں سمندر میں لے جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ اس میں بھی گھس جائیں گے اور ہم میں سے کوئی شخص پیچھے نہیں رہے گا۔ اگر کل دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ہمیں ناگوار نہ ہو گا۔ ہم لڑائی میں تجربہ کار ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری (جنگی) کارگزاری سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے گا ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ایک کام کے لئے نکلے ہوں اور اللہ تعالیٰ دوسری بات پیدا کر دے ۔ پس اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چلئے ۔ ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے رہیں گے ۔

حضرت سعد کی تقریر سن کر آپ کا چہرہ انور چمکنے لگا اور فرمایا کہ اللہ کے نام پر چلو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں (ایک ابو سفیان کا گروہ یعنی قافلہ اور دوسرا ابو جہل کا گروہ) میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے ۔ خدا کی قسم میں اس وقت بھی گویا ان لوگوں کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں (کہ ان میں سے کون کس جگہ مارا جائے گا) ۔

(ابن کثیر ۲۸۶ ۔ ۲۸۸ / ۲، روح المعانی ۱۷۰ ۔ ۱۷۱ / ۹، مظہری ۱۶ ۔ ۱۷ / ۴)

بدر پہنچ کر قریش نے تو ٹیلے اور بطن وادی کے پیچھے اونچی جگہ پر قبضہ کر لیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے حصہ میں نشیبی اور ریتیلا میدان آیا جہاں چلنا بھی دشوار تھا ۔ رات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش ہو گئی جو مشرکوں کی طرف تو نہایت شدید اور موسلا دھار تھی جس سے ان کے لئے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا ۔ مسلمانوں کی طرف کم بارش ہوئی جس سے وہ نہا بھی لئے ، خود بھی پانی پیا ، اپنے اونٹوں کو بھی پلایا ، اپنے مشکیزے بھی بھر لئے اور اس سے ان کی طرف والی زمین بھی سخت اور ہموار ہو گئی ۔

صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی صف بندی شروع کی اور تیر کی مانند صفوں کو سیدھا کیا ۔ جب صفیں درست ہو گئیں تو آپ نے حضرت مصعب کو ایک جگہ جھنڈا نصب کرنے کا حکم دیا ۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد لوگوں کو جنگ میں ثابت قدم رہنے اور اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کی ترغیب دی اور حکم دیا کہ جب دشمن تمہارے قریب ہو جائے تو تیر مارنا اور جب بالکل قریب آجائے تو تلوار سے لڑنا ۔

اسی اثنا میں قریش بھی جنگ کے لئے تیار ہو گئے ۔ مسلمان بدستور اپنی لائن پر جمے رہے سب سے پہلے عتبہ ، شیبہ اور ولید نے میدان میں آکر اپنا مبارز (مقابل) طلب کیا ۔ حضرت عبیدہ بن الحارث ، حضرت حمزہ اور حضرت علی نے نکل کر ان کو واصل جہنم کیا ۔ پھر گھمسان کا رن پڑا ۔ آپ نے حضرت جبرائیل کے اشارے سے ایک مٹھی خاک لے کر اس پر **شَاہَتِ الْوُجُوْہ** (چہرے بگڑ گئے) پڑھتے ہوئے کافروں پر پھینک ماری اور صحابہ کو حکم دیا کہ کافروں پر ٹوٹ پڑو ۔ مشرکین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو ۔ اس کے ساتھ ہی دشمن بھاگ

کھڑا ہوا۔ اس معرکہ میں صرف ۱۴ مسلمان شہید ہوئے جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ ادھر مشرکین کو زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کی اصل طاقت ٹوٹ گئی۔ ان کے سردار و سپہ سالار ایک ایک کر کے مارے گئے۔ (ماخوذ از ہادی اعظم، ۴۸۶-۵۰۳)

مشرکین پر غلبے کی بشارت

۷-۸ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ○ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ○

اور جب اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا بھی نہ لگے وہ تمہیں ملے اور اللہ تعالیٰ اپنے کلماتِ حق کو حق ثابت کرنا اور کافروں کی جڑ کاٹنا چاہتا تھا تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے اگرچہ مجرم ناپسند ہی کریں۔

الطَّآئِفَتَيْنِ: دو گروہ۔ دو جماعتیں۔ دو فرقے۔

تَوَدُّوْنَ: تم دوست رکھتے ہو۔ تم چاہتے ہو۔ وُدٌّ سے مضارع۔

ذَاتِ: والی۔ ذُوْ کا مؤنث۔ جمع ذَوَاتٌ۔

الشَّوْكَةِ: جماعت (قافلہ) تکلیف۔ ہتھیار۔ کانٹا۔

دَابِرَ: جڑ۔ بنیاد۔ پچھاڑی۔ دَبْرٌ و دُبُوْرٌ سے اسم فاعل۔ جمع دوابر۔

تشریح: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا ایک عظیم لشکر اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکا ہے تو اب مسلمانوں کے سامنے دو جماعتیں تھیں۔ ایک ابو سفیان کا تجارتی قافلہ جو غیر مسلح تھا، دوسرا قریش کا مسلح لشکر جو ہر طرح کے جنگی ساز و سامان سے لیس تھا۔ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں سے ان دو جماعتوں میں سے کسی ایک پر غلبہ کا وعدہ فرمایا

تھا۔ چونکہ تجارتی قافلے پر قبضہ آسان اور خطرات سے خالی تھا اور مسلح لشکر سے مقابلہ دشوار اور خطرات سے پر تھا اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق ان میں سے کسی بھی جماعت پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو سکتا تھا، اس لئے بہت سے صحابہ کی تمنا اور خواہش یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس جماعت پر قبضہ کا وعدہ ہوا ہے وہ غیر مسلح تجارتی قافلہ ہو جائے۔

ان لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تو شدت و تکلیف کے بغیر مالی فائدے کے لیے غیر مسلح تجارتی قافلے پر قبضہ چاہتے تھے، جبکہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ تمہیں بے سرو سامانی کے عالم میں ایسے کثیر التعداد اور ہر طرح کے جنگی ساز و سامان سے لیس لشکر سے بھڑا دے تاکہ حق کا حق ہونا واضح ہو جائے اور کافروں کی بیخ کنی ہو جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے جن میں ابو جہل سمیت ان کے نامور سردار شامل تھے اور ستر آدمی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں۔ (معارف القرآن ۱۸۹۔۱۹۰ / ۴، تفسیر عثمانی صفحہ ۵۱۳)

آپؐ کی دعاء

۹۔۱۰ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

(اور وہ وقت یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کرنے لگے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی کہ میں لگاتار آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا اور یہ تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں صرف خوشخبری دی تھی تاکہ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور فتح تو (جب بھی ہوتی ہے) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

تَسْتَغِيْثُوْنَ: تم فریاد کرتے ہو۔ اِسْتِغَاثَۃٌ سے مضارع۔

فَاسْتَجَابَ: پس اس نے منظور کر لیا۔ پس اس نے قبول کر لیا۔ اِسْتِجَابَۃٌ سے ماضی۔

مُمِدُّکُمْ : تمہیں مدد دینے والا ۔ اِمْدَادٌ سے اسم فاعل ۔
مُرْدِفِیْنَ : یکے بعد دیگرے آنے والے ۔ پیچھے آنے والے ۔ اِرْدَافٌ سے اسم فاعل ۔
شانِ نزول: حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ بدر کے روز آپؐ نے اپنے ساتھیوں کا شمار کرایا تو وہ تین سو سے کچھ اوپر تھے اور مشرکین کوئی ایک ہزار کی تعداد میں تھے ۔ آپ نے قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھائے اور نہایت عجز و انکسار سے دعا کرنے لگے کہ اے اللہ تو اپنے وعدے کو پورا کر، اے اللہ اپنے وعدے کے مطابق مجھے عطا کر دے ۔ اے اللہ ! اگر یہ اہل حق کی جماعت ماری گئی تو پھر زمین پر تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا اور توحید کا نام و نشان مٹ جائے گا ۔ دعا کرتے کرتے آپ کی چادر مبارک کندھوں سے گر پڑی ۔ حضرت ابو بکرؓ نے اٹھا کر آپ کے کندھوں پر ڈال دی اور آپ کا ہاتھ تھام کر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ! بس کیجئے آپ کی دعا، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۲۷ / ۴)
تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر پہنچنے سے پہلے ہی مشرکین مکہ نے بدر کے کنوؤں پر قبضہ کر لیا تھا ۔ ان کی تعداد بھی ایک ہزار تھی اور وہ سامان حرب سے پوری طرح لیس تھے ۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جو بھوکے، پیاسے اور بے سرو سامان تھے ۔ موسم بھی گرمی کا تھا ۔ ایسی حالت میں مسلمان اپنے پروردگار سے مدد کے خواہاں اور اس سے فریاد رسی کے امیدوار ہوئے ۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ جب آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی کہ اب میں ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جو صف بہ صف آئیں گے ۔

سورۂ آل عمران میں امداد کے لئے آنے والے فرشتوں کی تعداد تین ہزار اور پانچ ہزار ذکر کی گئی ہے ۔ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین مختلف وعدے ہیں جو مختلف حالات میں کئے گئے ۔ سورۂ انفال میں جو ایک ہزار فرشتوں کی مدد کا ذکر ہے وہ پہلا وعدہ تھا اور اس کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور عام مسلمانوں کی فریاد تھی ۔

پھر جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ مشرکین کی مدد کے لئے کرز بن جابر محاربی کمک لے کر آرہا ہے تو ان میں اضطراب پیدا ہو گیا ۔ اس پر آل عمران کی آیت ۱۲۴ **اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ** ..... **مُنْزَلِیْنَ** نازل ہوئی ۔ جس میں آسمان سے تین ہزار فرشتوں کی امداد نازل کرنے کا وعدہ ہے ۔

تیسرا وعدہ اس شرط کے ساتھ تھا کہ اگر تم ثابت قدم اور تقویٰ پر قائم رہے اور دشمن نے ایک دم حملہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ جو خاص نشان یعنی خاص لباس میں ہوں گے۔ (معارف القرآن ۱۹۲ / ۲)

امام احمد، بزار اور حاکم رحمہم اللہ نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن میں اور حضرت ابو بکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے ہم میں سے ایک سے فرمایا کہ تمہارے ساتھ جبرائیل ہیں اور دوسرے سے فرمایا کہ تمہارے ساتھ میکائیل ہیں اور اسرافیل ایک عظمت والا فرشتہ ہے جو میدان جنگ میں موجود رہتا ہے مگر صف میں شامل ہو کر لڑتا نہیں۔

محمد بن عمرو اسلمی اور ابن عساکر کا بیان ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ میں نے بدر کے دن دو آدمی دیکھے۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور دوسرا بائیں جانب تھا۔ دونوں سخت ترین قتال کر رہے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تیسرا آگیا۔ پھر آپ کے آگے چوتھا آگیا۔

امام احمدؒ، ابن سعدؒ اور ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابو الیسرؓ نے (حضرت) عباسؓ کو گرفتار کیا تھا۔ ابو الیسر گٹھیلے بدن اور چھوٹے قد کے آدمی تھے اور حضرت عباس قد آور تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو الیسر سے دریافت فرمایا کہ تم نے (حضرت) عباس کو کیسے گرفتار کیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو گرفتار کرنے میں ایک شخص نے میری مدد کی جس کا حلیہ اس طرح کا تھا۔ میں نے اس شخص کو نہ پہلے کبھی دیکھا نہ اس کے بعد۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری مدد ایک بزرگ فرشتے نے کی تھی۔

طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عروہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن حضرت جبرائیل، حضرت زبیر کی شکل میں زرد عمامہ باندھے ہوئے اترے تھے۔ (مظہری ۳۰ / ۲)۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی امداد ایک تو تمہاری بشارت کے لئے عطا فرمائی تھی اور دوسرے دلوں کے اطمینان کے لئے تاکہ تمہارے دلوں سے وہ خوف دور ہو جائے جو فطری طور پر اپنی قلت و بے سروسامانی اور دشمن کی کثرت و سامان حرب کی فراوانی کے خیال سے تمہارے دلوں میں پیدا ہوا تھا ورنہ اللہ تعالیٰ تو اس بات پر قادر ہے کہ فرشتوں کی مدد کے بغیر

تمہارے ہی ہاتھوں سے تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے یا خود ہی ان کو ہلاک کر دے ۔ جہاں تک فتح و نصرت کا تعلق ہے تو یہ منجانب اللہ ہے ۔ فرشتوں کی مدد یا لشکر کی کثرت و قلت اور ساز و سامان وغیرہ میں خود کچھ تاثیر نہیں ۔ پس تم ان چیزوں پر بھروسہ مت کرو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی حکمت و غلبہ والا ہے ۔

دعاء کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جہاد کی خوب خوب ترغیب دی اور پھر خود بھی جنگ میں شریک ہو گئے ۔

ابن سعد اور فریابی کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب بدر کا دن ہوا اور جنگ سامنے آگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے آگے ہو گئے اور ہم نے آپ کی آڑ میں اپنا بچاؤ کیا ۔ اس روز آپ سب سے زیادہ جنگجو تھے ۔ ہم میں سے کوئی مشرکوں سے اتنا قریب نہ تھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریب تھے ۔ امام احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ بدر کے دن کا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لے رہے تھے ۔ (مظہری ۳۱ / ۴)

مسلمانوں پر انعاماتِ خداوندی

۱۱۔ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝

(اور وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تمہاری تسکین کے لئے اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں پاک کر دے اور شیطانی ناپاکی (شیطانی وسوسہ) کو تم سے دور کر دے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے قدم جمائے ۔

يُغَشِّيْكُمْ : وہ تم کو اوڑھاتا ہے ۔ وہ تم کو ڈھانک دے گا ۔ تغشیۃ سے مضارع ۔

النُّعَاسَ : اونگھ ۔ جھپکی ۔ حواس کی سستی ۔ مصدر ہے ۔

رِجْزَ : نجاست ۔ عذاب ۔ آفت ۔ وسوسہ ۔

لِيَرْبِطَ: وہ باندھتاہے ۔ وہ مضبوط کرتاہے ۔ ربط سے مضارع ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی طرف سے غزوہ بدر میں مومنوں کو جو انعامات عطا ہوئے ان میں سے پہلا انعام تو اس جہاد کے لئے مسلمانوں کو نکالنا ہے ۔ جیسا کہ آیت **کما اخرجک ربک** میں مذکور ہے ۔ دوسرا انعام فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہے ۔ جس کا ذکر آیت **اذیعدکم الله** میں ہے ۔ تیسرا انعام دعاء کی قبولیت اور مدد کا وعدہ پورا کرنا ہے جو آیت **اذ تستغیثون** میں مذکور ہے ۔

اس آیت میں دو نعمتوں کا ذکر ہے ۔

(۱) مسلمانوں پر نیند غالب آکر ان کی پریشانی اور تکان دور ہونا ۔

ایک طرف تو مسلمانوں کی قلت اور بے سرو سامانی تھی ۔ دوسری طرف مشرکین کی کثرت اور ان کے پاس ہر طرح کا سامانِ حرب و ضرب تھا ۔ اس پر مستزاد یہ کہ مشرکین مکہ نے پہلے پہنچ کر بدر کے میدان کے اس حصہ پر قبضہ کرلیا جو پانی سے قریب اور نسبتاً اونچائی پر تھا جبکہ صحابہ کرام کو میدان کے اس حصہ میں جگہ ملی جو نسبتاً نشیب میں تھا اور ریتیلا تھا ۔ اس میں چلنا پھرنا دشوار تھا ۔ ان حالات میں طبعی طور پر مسلمانوں کو پریشانی اور فکر لاحق تھی ۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک طرح کی نیند اور سکینت نازل فرمادی جس نے ہر مسلمان کو سلادیا ۔ خواہ اس کا ارادہ سونے کا تھا یا نہیں ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ جنگ میں اونگھ آجانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ سکینت ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطان کی طرف سے ہے ۔ اونگھ کا (نزول) دو بار ہوا ایک بار بدر کی لڑائی میں اور دوسری بار احد کی جنگ میں ۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ غزوہ بدر کی رات میں ہم میں سے کوئی باقی نہ رہا جو سو نہ گیا ہو ۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر ایک درخت کے نیچے نماز پڑھتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے آگے روتے رہے ۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے بنائے ہوئے چھپر میں حضرت ابو بکر کے ساتھ نماز تہجد میں مشغول تھے ۔ اس دوران آپ کو بھی کچھ اونگھ آگئی پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہو گئے اور حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا: اے ابو بکر خوش ہو جاؤ ۔ وہ جبرائیل علیہ السلام ٹیلے کے قریب کھڑے ہیں ۔ پھر یہ آیت پڑھتے ہوئے باہر تشریف لے گئے ۔ **سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ** عنقریب دشمن کی جماعت ہار جائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی ۔

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے باہر نکل کر مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ابو جہل کی قتل گاہ ہے۔ یہ فلاں کی یہ فلاں کی۔ پھر صبح کو جب جنگ ہوئی تو وہ لوگ ٹھیک انہی مقامات پر قتل ہوئے۔ (ابن کثیر ۲۹۱ / ۲)

(۲) اس رات مسلمانوں کو دوسری نعمت یہ ملی کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے ذریعہ ان کی پانی کی ضرورت کو پورا کر دیا۔ مشرکین نے مسلمانوں سے پہلے بدر پہنچ کر پانی پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسلمان بعد میں بدر پہنچے۔ ان کو نہ تو پانی ملا اور نہ میدان میں ایسی جگہ ملی جو سخت اور چلنے پھرنے کے لئے آسان ہو بلکہ میدان کا وہ حصہ جس میں مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ نہایت ریتیلا تھا اور اس میں پاؤں دھنستے تھے۔ اس رات کو جب مسلمانوں کو پیاس نے ستایا اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے عاجز ہوئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم اپنے آپ کو حق پر کہتے ہو حالانکہ دشمن تم پر ہر طرح سے فوقیت رکھتا ہے۔ اگر تم حق پر ہوتے اور اللہ کے مقبول ہوتے تو اس پریشانی میں مبتلا نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شیطانی وسوسہ کو دور کرنے کے لئے بارش نازل فرمائی۔ مسلمانوں نے خوب پانی پیا، وضو و غسل کیا، سواریوں کو پلایا اور اپنی مشکوں کو بھر لیا۔ میدان جنگ کا وہ حصہ جو مسلمانوں کی طرف تھا اور ریتیلا تھا وہاں اتنی بارش ہوئی جس سے ریت جم گئی اور اس پر چلنا پھرنا آسان ہو گیا اور مسلمانوں کے دلوں سے شیطانی وسوسہ دور ہو گیا جبکہ میدان کے اس حصے پر جو مشرکوں کے قبضہ میں تھا اتنی شدید بارش ہوئی کہ اس سے وہاں کیچڑ اور پھسلن ہو گئی اور کافروں کے لئے اس پر چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔

ایک نعمت کا اظہار

۱۲-۱۴ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ کُلَّ بَنَانٍ ○ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○ ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ○

جب آپ کا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو

تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو ۔ میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے
دیتا ہوں ۔ سو تم ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر ایک جوڑ پر مارو ۔ یہ اس
بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو سخت عذاب
دیتا ہے ۔ یہ تو تم چکھ لو اور جان لو کہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے ۔

فَوْقَ: اوپر ۔ اونچا ۔ ظرف مکان ہے ۔

اَعْنَاقِ: گردنیں ۔ واحد عُنُقٌ ۔

بَنَانٍ: پوریں ۔ انگلیوں کے سرے ۔ واحد بَنَانَۃٌ ۔

شَآقُّوْا: وہ مخالف ہوئے ۔ مُشَاقَّۃٌ سے ماضی ۔

العِقَاب: عذاب ۔ سزا ۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی خفیہ نعمت کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے فرشتوں کو وحی بھیجی کہ میری مدد تمہارے ساتھ ہے ۔ سو تم مومنوں کی جماعت میں اضافہ کرکے اور ان کو کامیابی کی بشارت دے کر ان کی ہمت بڑھاؤ، ان کو ثابت قدم رکھو اور ان کے دلوں کو قوی بناؤ اور ان کے ساتھ کافروں سے قتال کرو ۔ میں مسلمانوں کی تعداد کو دوگنا، چوگنا دکھا کر کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کی دہشت ڈال دوں گا ۔ تم ان کافروں کی گردنوں پر مارو تاکہ وہ حق کے مقابلے میں سر ہی نہ اٹھا سکیں اور ان کے ایک ایک پور کو ضرب لگاؤ تاکہ وہ تلوار پکڑنے کے بھی قابل نہ رہیں ۔ کافروں کو یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تھی ۔ اس کفر و نافرمانی کا مزہ تو انہوں نے دنیا ہی میں چکھ لیا ۔ ان کو اصل سزا تو آخرت میں ملے گی جہاں ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار ہے ۔ (مظہری ۳۳ / ۴، ابن کثیر ۲۹۲ ۔ ۲۹۳ / ۲) ۔

مقابلے سے فرار کی ممانعت

۱۶-۱۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا
تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ○ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا
لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○

اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہاری مڈھ بھیڑ ہو جائے تو ان کو پیٹھ نہ دکھاؤ اور جو کوئی اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا سوائے اس کے جو جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا اپنے ہی لشکر سے جا ملنے کے لئے (ایسا کرے) تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

زَحْفًا: میدان جنگ۔ لڑائی۔ بڑا لشکر۔ مصدر ہے۔

الْاَدْبَارَ: پیٹھیں۔ پشتیں۔ واحد دُبُرٌ۔

مُتَحَرِّفًا: پینترا بدلنے والا۔ کرتب کرنے والا۔ تَحَرُّفٌ سے اسم فاعل۔

مُتَحَيِّزًا: پناہ لینے والا۔ جگہ لینے والا۔ تَحَيُّزٌ سے اسم فاعل۔

فِئَةٍ: گروہ۔ چھوٹی جماعت۔

بَآءَ: وہ مستحق ہوا۔ وہ پھرا۔ وہ لوٹا۔ بَوَآءٌ سے ماضی۔

مَاْوٰهُ: اس کے رہنے کی جگہ۔ اس کا ٹھکانا۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ جب تم جنگ میں کافروں کے مقابل آجاؤ تو پھر تم پیٹھ پھیر کر ان کے سامنے سے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر مت بھاگو سوائے دو صورتوں کے، ایک یہ کہ بھاگنے سے کافروں کو دھوکہ دینا مقصود ہو تاکہ کوئی کافر تنہا اس کے تعاقب میں آئے اور وہ اس کافر کو اکیلا پاکر قتل کر ڈالے۔ ایسی مصلحت کے تحت بھاگنے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ مسلمان جماعت سے مل جانے کے خیال سے بھاگے تاکہ ان میں مل کر قوت حاصل کرے اور پھر کافروں پر حملہ کرکے ان کو شکست دے۔ پس جو کوئی ان دو صورتوں کے سوا کفار سے پیٹھ پھیر کر بھاگے جیسے جان بچاکر بھاگنا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۲۰۷۔۲۰۸ / ۹، ابن کثیر ۲۹۳ / ۲)۔

پس مذکورہ بالا حکم کی رو سے مسلمانوں کے لئے دشمن کے مقابلے سے پشت پھیرنا حرام ہے۔ خواہ دشمن کی تعداد اور قوت و شوکت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو سوائے دو صورتوں کے ایک جنگی چال کے طور پر میدان سے ہٹنا اور دوسرے مزید کمک حاصل کرنے کے لئے پیچھے ہٹنا۔

(معارف القرآن ۲۰۰ / ۴)

مسلمانوں کی غیبی مدد

۱۷-۱۸۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ
اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

پھر تم نے تو ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو قتل کیا اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جس وقت آپ نے وہ مٹھی (بھر کنکریاں) پھینکیں تھیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکیں تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں تھیں تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر خوب احسان فرمائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو کافروں کی چال کو کمزور کرنے والا ہے۔

رَمَيْتَ: تو نے پھینکا۔ رَمْیٌ سے ماضی۔

بَلَآءً: آزمائش۔ امتحان۔ تکلیف۔ غم۔ بوسیدہ ہونا۔ مصدر و اسم۔ اللہ کا امتحان کبھی مصیبت و مشقت میں مبتلا کر کے ہوتا ہے اور کبھی راحت و دولت دے کر۔

بَلَآءً حَسَنًا: اس امتحان کو کہا گیا ہے جو راحت و دولت اور فتح و نصرت دے کر لیا جاتا ہے تاکہ لوگ اس کو اللہ کا انعام سمجھ کر اس کی شکر گزاری کریں اور اس کو اپنی ذاتی قابلیت کا نتیجہ سمجھ کر فخر و ناز میں مبتلا نہ ہوں۔

شانِ نزول: بغویؒ نے مجاہدؒ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن جب مسلمان لڑائی سے فارغ ہو کر لوٹے تو ان میں سے کوئی کہنے لگا کہ میں نے فلاں کافر کو قتل کیا ہے اور کوئی کہنے لگا کہ میں نے فلاں کو مارا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۴/۳۸)

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ بندہ خود اپنے افعال پر قادر نہیں اور نہ وہ ان کا خالق ہے۔ بندوں سے جو نیک اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہوتے ہیں۔ پس اے مومنو! تمہاری طاقت اور بس میں یہ کہاں تھا کہ تم اتنی کم تعداد اور نہایت بے سر و سامان کے عالم میں دشمن کی اتنی بڑی تعداد اور ہر طرح کے سامان

حرب و ضرب سے لیس فوج کو شکست دیتے۔ لہذا تم اپنی سعی و عمل پر ناز نہ کرو۔ یہ کامیابی تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (ال عمران آیت ۱۲۳)

بدر کے دن اللہ تعالیٰ ہی نے تمہاری مدد فرمائی حالانکہ تم بہت کمزور تھے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ○

(التوبہ آیت ۲۵)

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد فرمائی ہے اور حنین کی جنگ کے دن تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور بنا دیا تھا۔ لیکن اس کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور زمین کشادہ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

پس کامیابی کا دارومدار نہ تو کثیر تعداد پر ہے اور نہ سامان حرب کی کثرت پر بلکہ فتح و نصرت تو من جانب اللہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

(البقرۃ آیت ۲۴۹)

کتنی ہی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب آپ بدر میں چھپر کے اندر اللہ تعالیٰ سے دعا میں مصروف تھے اور پھر چھپر سے باہر آکر آپ نے کافروں کی طرف کنکریلی مٹی کی ایک مٹھی پھینکی اور فرمایا کہ چہرے بگڑ جائیں۔ پس مشرکوں میں سے کوئی نہ بچا جس کی آنکھوں میں یہ کنکریلی مٹی نہ جا پڑی ہو۔ پھر آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ فوراً دشمن پر ٹوٹ پڑو تو یہ مٹی کا پھینکنا اگرچہ بظاہر آپ کی طرف سے تھا مگر حقیقت میں یہ مٹی اللہ تعالیٰ ہی نے پھینکی تھی کیونکہ کسی انسان کے ایک مٹھی خاک پھینکنے کا یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ وہ اتنے بڑے لشکر کی آنکھوں میں بھر

جائے ۔ اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی قدرت سے اس مٹی کو تمام مشرکوں کی آنکھوں میں ڈال کر انہیں سرنگوں کر دیا۔ پھر تم نے اپنی بے سرو سامانی اور قلت تعداد کے باوجود اللہ کی مدد توفیق سے دشمن کے ستر نامور سرداروں اور جوانوں کو تہ تیغ کیا اور ستر کو قیدی بنایا۔ یہ اللہ کا تم پر بڑا احسان ہے کہ اس نے تمہارے ہاتھوں یہ کام کرایا ورنہ اگر وہ تمہاری مدد نہ کرتا، تمہارے دلوں کو مضبوط نہ کرتا اور تمہیں ثابت قدم نہ رکھتا تو تم ان میں سے کسی ایک کو بھی قتل نہ کر سکتے ۔ یہ سب اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کی محنت کا خوب خوب بدلہ دے ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی دعاؤں کو خوب سننے والا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون مدد کا مستحق ہے اور کون نہیں ۔ یہ سب اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کے مکر و تدبیر کو باطل کر دے اور ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے ۔ (ابن کثیر ۲/۲۹۵)

کفار کو حسرت و عار دلانا

۱۹۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(اے کافرو!) اگر تم فتح چاہتے تھے تو وہ تو تمہارے سامنے آچکی اور اگر تم باز آجاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمہاری فوج خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ تمہارے ذرا کام نہ آئے گی اور بیشک اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے ۔

تَنْتَهُوْا: تم باز آجاؤ ۔ تم رک جاؤ ۔

تَعُوْدُوْا: تم لوٹو ۔ تم دوبارہ کرو ۔ عَوْدٌ سے ماضی ۔

فِئَتُكُمْ: تمہارا گروہ ۔ تمہاری جماعت ۔

شانِ نزول: محمد بن اسحاقؒ اور امام احمدؒ نے حضرت عبد اللہ بن ثعلبہ بن صعیر عذریؓ کی روایت سے اور ابن جریرؒ اور ابن المنذرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ (بدر کے دن) جب مسلمان اور کفار صف آراء ہو کر ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے تو ابو جہل نے کہا

کہ اے اللہ! ہم میں سے جو بھی رشتۂ قرابت کو قطع کرنے والا اور جو غیر مانوس چیز لایا ہو، کل صبح تو اس کو ہلاک کر دے۔ گویا ابو جہل نے خود ہی اپنے خلاف فتح کی دعاء کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
(مظہری ۴۲ / ۴)

سدی نے کہا کہ مشرکوں نے مکہ سے نکلتے وقت خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعاء کی تھی کہ اے پروردگار! ہمارے دونوں لشکروں میں سے اعلیٰ کو اور دونوں گروہوں میں سے بزرگ کو اور دونوں قبیلوں میں سے بہتر کو فتح دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
(مواہب الرحمن ۲۱۴ / ۹)

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں کافر اپنے آپ کو اعلیٰ و افضل اور زیادہ ہدایت پر سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ یہ دعا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے اور جب وہ فتح پا جائیں گے تو یہ گویا من جانب اللہ ان کے حق پر ہونے کا فیصلہ ہو گا۔

ان کی دعاء کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم جس خدائی فیصلے کے متمنی تھے وہ اب سامنے آچکا ہے کہ حق کو فتح اور باطل کو شکست ہو گئی۔ اگر تم اب بھی اپنے کفر و عناد اور اللہ کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آجاؤ اور توبہ کر لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور تم نے پھر کفر و شرک کیا اور پھر مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ ہوئے تو ہم پھر تمہیں سزا دیں گے اور مسلمانوں کی مدد کریں گے اور تمہاری کثیر جماعتیں، اللہ کی مدد کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہ آئے گی کیونکہ جس کے ساتھ اللہ ہو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

اطاعتِ رسول کی تاکید

۲۰-۲۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد اس سے روگردانی مت کرو۔ اور تم ان لوگوں جیسے نہ بنو جو یہ کہتے ہیں کہ

ہم نے سن لیا حالانکہ وہ کچھ نہیں سنتے۔

تشریح: گزشتہ آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تمہارے ساتھ ہونا محض تمہارے مسلمان کہلانے اور نام کا مسلمان ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔ جب تک تم یہ شرطیں پوری نہ کرو گے تمہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل نہ ہوگی۔

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرنا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر اس سے روگردانی نہ کرنا۔

جب تک مسلمانوں کا ان دونوں باتوں پر عمل رہا اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال رہی اور وہ بے سروسامانی کے باوجود دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کو سرنگوں کرنے میں کامیاب رہے۔ پھر فرمایا کہ تم لوگ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم نے سن لیا اور سمجھ لیا مگر حقیقت میں انہوں نے نہ تو کچھ سنا اور نہ سمجھا۔ یہاں ان لوگوں سے مراد کافر اور منافقین ہیں۔ یہ دونوں گروہ غور و فکر اور صحیح سمجھ سے محروم ہیں۔ اس لئے ان کا سننا بھی نہ سننے کے حکم میں ہے۔ مسلمانوں کو ایسے لوگوں کی مشابہت سے اجتناب کرنا چاہئے۔

جانوروں سے بدتر لوگ

۲۲-۲۳ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام جانداروں میں بدتر وہ ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں۔ جو ذرا سمجھ نہیں رکھتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق دے دیتا اور اگر ان کو اب سنا دے تو وہ بے رخی کے ساتھ منہ پھیر لیں گے۔

دَوَآبّ: چلنے والے۔ چوپائے جو زمین پر چلتے ہوں، اگرچہ انسان ہوں۔ واحد دَابَّۃٌ۔

مُعْرِضُوْنَ: اعراض کرنے والے۔ روگردانی کرنے والے۔ اِعْرَاضٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اس آیت میں ان لوگوں کی شدید مذمت ہے جو نہ تو حق بات کو توجہ کے ساتھ سنتے ہیں اور نہ اس کو قبول کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر وہ چوپائے ہیں جو حق کو سننے سے بہرے اور اس کو قبول کرنے سے گونگے ہیں۔ اگر بہرے، گونگے میں کچھ عقل ہو تو وہ بھی اشاروں کے ذریعہ اپنے دل کی بات کہہ لیتا ہے اور دوسروں کی بات سمجھ لیتا ہے، مگر یہ لوگ تو بہرے، گونگے ہونے کے ساتھ ساتھ بے عقل بھی ہیں۔ ظاہر ہے جو بہرا، گونگا اور بے عقل ہو اس کے سمجھنے سمجھانے کا کوئی امکان نہیں۔ (معارف القرآن، ۲۰۷ / ۴)

انسان جو احسن التقویم میں پیدا کیا گیا تھا، اس کو اس کے سعی و عمل اور اطاعتِ حق کے صلے میں اشرف المخلوقات اور مخدوم کائنات کا درجہ عطا کیا گیا۔ پھر جب اس نے حق بات سننے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنے تمام انعامات سلب کر لئے اور وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو گیا۔

دوسری آیت میں بتایا گیا کہ اگر ان کے اندر کوئی بھلائی ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی ضرور ہوتی۔ جب اللہ کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی موجود ہی نہیں تو پھر وہ حقیقت میں ہر بھلائی سے محروم ہیں۔ ایسی حالت میں جبکہ ان کے دل بغض و عناد سے لبریز ہوں، اگر بالفرض ان کو غور و فکر اور حق کی دعوت دی جائے تو وہ اس کو قبول کرنے کے بجائے اس سے منہ پھیر کر چل دیں گے، ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کو دین میں کوئی اعتراض کی بات نظر آگئی اس لئے انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے تو حق بات پر دھیان ہی نہیں دیا۔

پس جن لوگوں میں حق کی طلب اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد ہی نہ ہو تو ایسے بدبخت، حق کو سننے کے بعد بھی ہدایت پر نہیں آتے اور اپنے ظاہری کانوں سے سننے کے بعد بھی بے رخی برتتے ہیں، اسی لئے یہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ (ساری عمر) اہل جنت کے کام کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ اس وقت کتاب (لوح محفوظ) کا لکھا ہوا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کے کام کر کے دوزخ میں چلے جاتے ہیں۔ (مظہری، ۳۶ / ۴)

احکامِ رسول کی فوری تعمیل

۲۴۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا حکم مانو جبکہ رسول تمہیں ایسی بات کی طرف بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور بلاشبہ تم سب اس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

يَحُوْلُ: وہ حائل ہوتا ہے۔ وہ آڑ بن جاتا ہے۔ حَوْلٌ سے مضارع۔

اَلْمَرْءِ: مرد۔ انسان۔ آدمی۔

تُحْشَرُوْنَ: تم جمع کئے جاؤ گے۔ تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔ حَشْرٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب فرما کر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فوری تعمیل و اطاعت کی تاکید فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تمہیں اصلاح و مصلحت کی خاطر کوئی حکم دیں تو تم فوراً اس کو قبول کرو اور تعمیل حکم میں جلدی کرو۔ اس آیت میں جس حیات اور دل کی زندگی کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان غفلت و نفسانی خواہشات کے جو حجابات حائل ہیں وہ ہٹ جائیں اور ان حجابات کی ظلمت دور ہو کر نورِ معرفت دل میں جگہ کر لے۔

ترمذی اور نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت ابی بن کعبؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی طرف گزر ہوا۔ آپ نے ان کو آواز دی تو وہ جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پکارنے پر فوراً آنے سے تمہیں کس چیز نے روکا۔ حضرت ابی نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں اس کی خبر نہیں ہوئی جو مجھ پر نازل ہوا: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا ..... لِمَا يُحْيِيْكُمْ**۔ حضرت ابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آئندہ میں کبھی اس کوتاہی کو نہیں دہراؤں گا۔ انشاء اللہ۔ (خواہ نماز کی حالت ہی میں ہوں)۔ (مظہری ۴ / ۴۶، روح المعانی ۱۹۱ / ۹)

اس حدیث کی بنا پر بعض فقہا نے فرمایا کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کے لئے نماز کے دوران جو کام بھی کیا جائے اس سے نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ اگرچہ خلافِ نماز افعال سے نماز ختم ہو جائے گی اور بعد میں اس کی قضا کرنی پڑے گی لیکن کرنا یہی چاہئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بلائیں اور وہ اس وقت حالتِ نماز میں ہو تو اس کو نماز قطع کرکے فوراً آپ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔ یہ صورت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

البتہ بعض ایسے امور میں جن میں تاخیر کرنے سے کسی شدید نقصان کا اندیشہ ہو تو اس وقت بھی فوراً نماز قطع کرکے اس کام کو کرلینا چاہئے۔ اس کے بعد اگر وقت ہو تو نماز ادا کرلے اور اگر وقت نہ رہے تو قضا کرلے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز کے دوران یہ دیکھے کہ کوئی نابینا آدمی کنوئیں یا گڑھے کے قریب پہنچ کر اس میں گرنے ہی والا ہے تو فوراً نماز توڑ کر اس کو بچالے اور اس کے بعد نماز پڑھ لے۔

آیت کے دوسرے حصے میں بتایا گیا ہے کہ جب کسی نیک کام کے کرنے یا گناہ سے بچنے کا موقع آئے تو اس کو چاہئے کہ اس وقت کو غنیمت جانتے ہوئے ایک نیک کام کو فوراً کرلے جس کو وہ کرنا چاہتا ہے یا اس گناہ سے فوراً اجتناب کرے جس سے وہ بچنا چاہتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات آدمی کے ارادے کے درمیان قضاءِ الہیٰ حائل ہو جاتی ہے اور وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی بیماری پیش آجانا یا موت آجانا یا کوئی ایسی مصروفیت پیدا ہو جانا جس سے اس کو کام کے لئے وقت ہی نہ مل سکے۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ فرصتِ عمر اور فرصتِ وقت غنیمت جانتے ہوئے آج کا کام کل پر نہ چھوڑے بلکہ اس کو فوراً کرلے۔

پس مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل میں دیر نہ کی جائے، اس کو فوراً کرلینا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تاخیر کے سبب دل میں نیکی کا جذبہ اور امنگ ہی باقی نہ رہے۔ (معارف القرآن ۲۰۸۔۲۱۰ / ۴)

حضرت نواس بن سمعانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو سیدھا رکھنا چاہتا ہے تو وہ سیدھا رہتا ہے اور اگر وہ اس کو بگاڑنا چاہے تو وہ بگڑ جاتا ہے اور فرمایا کہ میزان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، چاہے وہ اس کو ہلکا کردے اور چاہے وہ اس کو بھاری کردے۔

مسلم میں حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کے پاس قلبِ واحد کی تعریف میں ہیں کہ انہیں جس طرح چاہے پھیر دے پھر فرمایا: اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلٰی طَاعَتِکَ ۔ اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے ۔

(ابن کثیر ۲۹۸ / ۲، مظہری ۴۷ / ۴)

آزمائش سے بچنے کی تاکید

۲۵۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّاتُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

اور اس فتنہ سے بھی ڈرتے رہو جو تم میں سے خاص ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا (بلکہ وہ عام ہو گا) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے ۔

فِتْنَةً: فتنہ ۔ وبال ۔ آزمائش ۔ فتنہ سے مراد ایسا امر ہے جس سے قلب متزلزل ہوتا ہے، جیسے قحط و گرانی، ظالموں کا غلبہ، آپس کا نفاق اور فاجروں، بدکاروں کی سرکشی اور نیک لوگوں کا ان کو اس سے منع نہ کرنا وغیرہ ۔ (مواہب الرحمن ۹ / ۲۲۳)

تُصِيْبَنَّ: وہ ضرور پہنچے گی ۔ وہ ضرور آپڑے گی ۔ اِصَابَۃٌ سے مضارع بانون تاکید ۔

الْعِقَابِ: عقوبت ۔ عذاب ۔ سزا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح: اس آیت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی اس آزمائش سے ڈرایا گیا ہے جو گنہگاروں اور نیکو کاروں سب کے لئے ہے کہ جب لوگ علانیہ طور پر برائیوں میں مبتلا ہو جائیں اور اہل علم و فضل، قدرت کے باوجود نہ تو برائی میں مبتلا لوگوں کو برائی سے باز رکھنے کے لئے قوت استعمال کریں، نہ زبان سے ان کو روکیں اور نہ ایسے لوگوں سے میل جول ختم کریں تو ایسی صورت میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب آیا تو وہ صرف منکرات کا ارتکاب کرنے والوں ہی پر نہیں آئے گا بلکہ نیک و بد سب اس میں مبتلا ہوں گے ۔ پس جو شخص کسی کو معصیت و نافرمانی کرتے ہوئے دیکھ کر قدرت کے باوجود اس کو معصیت سے نہیں روکے گا اور اس کا دل اس پر رنجیدہ نہیں ہو

گا، بلکہ اس پر خاموشی اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ نافرمانوں کے ساتھ ساتھ اس کو بھی عذاب دے گا۔

ابو رقاد کہتے ہیں کہ میں اپنے غلام کے ساتھ نکلا تو میں نے اس کو حضرت حذیفہؓ کی طرف بھیجا۔ اس وقت وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی شخص ایک بات بھی اس قسم کی کہہ دیتا تو اس کو منافق سمجھنے لگتے، لیکن آج ایک نشست میں تم میں سے ایک آدمی کی زبان سے میں ایسے چار منافقانہ کلمات سن رہا ہوں۔ تمہیں چاہئے کہ نیک کاموں کا حکم دیا کرو، بری باتوں سے فوراً روک دیا کرو، لوگوں کو خیر پر ابھارا کرو ورنہ تم سب عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے یا عذاب اس نوعیت کا ہو گا کہ شریر لوگ تمہارے حاکم بنا دیئے جائیں گے۔ پھر تم میں سے اچھے لوگ بھی دعاء کریں گے تو وہ قبول نہ ہو گی۔ (ابن کثیر ۲۹۹/ ۲)

انعامِ خداوندی پر شکر کرنے کی تاکید

۲۶۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم تھوڑے سے تھے اور ملک (مکہ) میں مغلوب تھے تم ڈرا کرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک نہ لیں۔ سو اللہ نے تمہیں (مدینے میں) ٹھکانہ دیا اور تمہیں اپنی مدد سے قوت دی اور تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا تاکہ تم شکر کرو۔

مُسْتَضْعَفُوْنَ: ضعیف۔ بے بس۔ کمزور۔ اِسْتِضْعَافٌ سے اسم مفعول۔

يَتَخَطَّفَكُمْ: وہ تم کو اچک لیتا ہے۔ وہ تم کو جھپٹ لیتا ہے۔ تَخَطُّفٌ سے مضارع۔

فَاٰوٰىكُمْ: پس اس نے تم کو ٹھکانا دیا۔ اس نے تم کو ٹھہرایا۔ اِيْوَاءٌ سے ماضی۔

اَيَّدَكُمْ: اس نے تمہاری تائید کی۔ اس نے تمہیں قوت دی۔ تَاْيِيْدٌ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہ وقت یاد دلایا ہے جب سرزمین مکہ میں وہ تعداد کے اعتبار سے بہت کم تھے۔ کمزور و ناتواں اور خائف تھے، غریب و نادار تھے، تمام کفار و

مشرکین ان کی قلتِ تعداد اور ضعف و عدم قوت کے سبب ان کے قتل کے در پے تھے۔ ان کو ہر وقت کفار و مشرکین کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں وہ ان کو نوچ کھسوٹ نہ لیں۔ ایک عرصہ تک یہی حالت رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا، جہاں انہیں رہنے کے لئے ٹھکانا ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ضعیف و ناتواں لوگوں کی قلت کو کثرت میں ضعف و ناتوانی کو قوت میں، فقر و افلاس کو خوشحالی میں بدل دیا اور ان پر حلال و پاکیزہ رزق کے دروازے کھول دیئے۔ ان کے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا جو سابقہ امتوں کے لئے حلال نہ تھا۔ اپنی تائید و نصرت سے ان کو دشمنانِ اسلام پر غلبہ دے کر دشمن کو ان کے سامنے ذلیل و خوار کر دیا پھر ان کو حکومت و سلطنت ہی عطا نہیں کی بلکہ وہ بادشاہوں پر حکم چلانے لگے۔ یہ سب اس لئے کیا تاکہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں۔ (ابن کثیر ۳۰۰ / ۲)

خیانت کی ممانعت

۲۷۔۲۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کیا کرو حالانکہ تم (خوب) جانتے ہو (کہ خیانت بری چیز ہے)۔ اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ (آزمائش) ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے۔

شانِ نزول: زہری اور کلبی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے یہود کا ۲۱ رات تک محاصرہ رکھا۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ محاصرہ کی مدت ۲۵ راتیں تھیں۔ پھر اہلِ قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی جس طرح بنی نضیر کو ارضِ شام کے مقام اذرعات کی طرف جانے کی اجازت دی گئی تھی۔ اسی طرح ہمیں بھی وہاں جاکر آباد ہونے کی اجازت دے دی جائے۔ آپ نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ (حضرت) سعد بن معاذ کی ثالثی پر راضی ہو تو اپنے قلعوں سے نیچے اتر آؤ۔ بنی قریظہ نے (حضرت) سعد بن

معاذ کی ثالثی قبول نہیں کی اور درخواست کی کہ حضرت ابو لبابہ رفاعہ بن عبد المنذرؓ کو (بات چیت کے لئے) ان کے پاس بھیج دیا جائے۔ حضرت ابو لبابہ ان کے خیر خواہ تھے کیونکہ ان کا مال اور اہل وعیال یہود کے پاس یعنی ان کی بستی میں تھے۔ آپ نے حضرت ابو لبابہؓ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اے ابو لبابہ تمہاری کیا رائے ہے۔ کیا ہم (حضرت) سعد بن معاذؓ کے حکم پر اپنے قلعوں سے اتر جائیں۔ حضرت ابو لبابہؓ نے اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ حضرت سعد کے فیصلے کے تحت تم سب قتل کر دیئے جاؤ گے۔ لہٰذا تم ان کی ثالثی قبول نہ کرو۔

حضرت ابو لبابہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم (اشارہ کرنے کے بعد) میرے قدم اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی ہے۔ پھر میں خود ہی سیدھا مسجد میں پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر نہ ہوا اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا اور قسم کھالی کہ نہ کھانا کھاؤں گا اور نہ پانی پیوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لئے استغفار کرتا لیکن جب اس نے خود ہی وہ کام کر لیا جو اس نے کرنا چاہا تو اب جب تک اللہ اس کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا میں اس کو نہیں کھولوں گا۔ چنانچہ حضرت لبابہ سات روز تک اسی حالت میں کچھ کھائے، پیئے بغیر رہے۔ آخر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ حضرت ابو لبابہ کو جب بتایا گیا کہ ان کی توبہ قبول ہو گئی تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے کوئی نہ کھولے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مجھے اپنے دست مبارک سے کھولیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس آکر ان کو آزاد کیا رہائی کے بعد حضرت لبابہ نے کہا کہ میری توبہ کی تکمیل اس وقت ہو گی جب میں اپنے خاندانی مکان کو چھوڑ دوں کیونکہ اسی مکان میں مجھ سے گناہ کا صدور ہوا اور اپنے مال سے کنارہ کش ہو جاؤں (تمام مال خیرات کر دوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک تہائی مال صدقہ کر سکتے ہو۔ اسی واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۹۵ / ۹)

تشریح: یہاں مومنوں کو مخاطب کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم پر فرض کی ہیں ان میں کمی نہ کرو اور نہ رسول کے مقرر کردہ امور میں کمی کرو اور نہ

آپس کی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم جانتے ہو کہ امانت کی حفاظت ضروری ہے اور خیانت کرنے کا بہت بڑا وبال ہے۔

حضرت عباس نے فرمایا کہ اللہ کے فرائض کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ سے خیانت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وہ فرائض واعمال جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور جن کا امین اللہ نے اپنے بندوں کو بنایا ہے وہ انسانوں کی امانتیں ہیں۔ ان میں بھی کوتاہی نہ کرو۔ (مظہری ۵۳ / ۴)

پھر فرمایا کہ تمہارا مال اور اولاد تمہارے لئے آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ مال اور اولاد دے کر تمہیں آزماتا ہے کہ تم مال کے حصول پر اس کا شکر بجالاتے ہو یا نہیں اور اولاد کی ذمہ داریاں پوری کرتے ہو یا نہیں یا مال واولاد کی محبت میں اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہو۔ اگر تم اس امتحان میں پورے اترو گے تو اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر وثواب اور اس کی جنتیں اس مال واولاد سے کہیں بہتر ہیں۔ لہٰذا تم مال واولاد کے بارے میں احتیاط کو پیش نظر رکھو۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان، اور اپنے اہل وعیال اور اپنے مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جانے۔
(ابن کثیر ۳۰۱ / ۲)

تقوے کی برکات

۲۹۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تَتَّقُواْ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ ذُو ٱلْفَضْلِ ٱلْعَظِيمِ ○

اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کن چیز دے گا اور تمہاری برائیاں دور کردے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

يَجْعَلْ: وہ بناتا ہے۔ وہ کرتا ہے۔ جَعْلٌ سے مضارع۔

فُرْقَانًا: حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا۔ فرق کرنے والا۔
سَيِّاٰتِكُمْ: تمہارے برے اعمال۔ تمہارے گناہ۔
تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم اپنے ایمان کو فتنے سے بچانا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اس کے احکام بجالاتے رہو، مناہی سے اجتناب کرتے رہو اور تقوے کو اپنا شعار بنائے رکھو۔ اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں تین چیزیں عطا فرمائے گا:

۱۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے دشمنوں پر فتح و غلبہ عطا فرمائے گا اور تم فتنے سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

۲۔ جو خطائیں اور لغزشیں تم سے سرزد ہوتی ہیں دنیا میں ان کا کفارہ اور بدل کر دیا جاتا ہے۔ یعنی دنیا میں تمہیں ایسے اعمالِ صالحہ کی توفیق ہو جاتی ہے جو تمہاری سب لغزشوں پر غالب آجاتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف فرما کر تمہاری مغفرت فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ وہ وہم و گمان سے بڑھ کر دیتا ہے۔

بزار نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کے تین رجسٹر لائے جائیں گے۔ ایک رجسٹر نیک اعمال کا، دوسرا رجسٹر اس کے گناہوں کا اور تیسرے رجسٹر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اندراج ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو عنایت کی ہوں گی۔ پھر انعامات کے رجسٹر میں سے کسی حقیر ترین نعمت کو حکم ہو گا کہ تو اپنے مقابل کسی عمل صالح کو وصول کر لے (یعنی اللہ تعالیٰ کی اس حقیر ترین نعمت کا مقابلہ بندے کے نیک عمل سے کیا جائے گا)۔ اس نعمت کے مقابل تمام نیک اعمال بھی پورے نہ اتریں گے۔ وہ نعمت کہے گی کہ تیری عزت کی قسم میں نے تو پورے اعمال کو بھی اپنے مقابل نہیں پایا۔ سب نیک اعمال ختم ہو گئے اور تمام گناہ باقی ہیں اور دوسری نعمتیں بھی موجود ہیں۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کو کسی بندے پر رحم کرنا مقصود ہو گا تو فرمائے گا کہ میرے بندے میں نے تیری نیکیاں چند گنی کر دیں، تیری بد اعمالیاں معاف کر دیں اور تجھے اپنے انعام سے سرفراز کر دیا (گویا نیک اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے بخشش ہو گی)۔ (مظہری ۴/۵۵)

مشرکین کے مکر و تدبیریں

۳۰۔ وَاِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْيُخْرِجُوْكَ ، وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُاللّٰهُ ، وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب کافر آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں یا آپ کو مار ڈالیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں اور وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

شانِ نزول: ابن اسحاق، عبد الرزاق، امام احمد، ابن جریر، ابو نعیم، ابن المنذر اور طبرانی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور عبد الرزاق و عبد بن حمید نے قتادہؒ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے جب مسلمانوں کی بڑی تعداد مدینے ہجرت کر چکی تھی اور ان کو وہاں ٹھکانا اور انصار کی حمایت بھی میسر آگئی تھی تو مشرکین مکہ کو اندیشہ ہوا کہ اب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی انصار کے پاس چلے جائیں گے۔ پھر ان سے مل کر یہ وہاں ہر قسم کی قوت جمع کر کے ہم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ اس معاملے پر مشورہ کے لئے دار الندوہ میں جمع ہوئے جو مسجد الحرام سے متصل قصی بن کلاب کا مکان تھا، جس کو انہوں نے قومی مسائل پر مشورہ کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔

اس اجتماع میں تمام سرکردہ اشخاص شامل ہوئے اور مختلف تدبیریں زیر غور آئیں۔ ابھی یہ لوگ مشورہ کے لئے جمع ہوئے ہی تھے کہ ابلیس لعین ایک بوڑھے عرب شیخ کی شکل میں چادر اوڑھے ہوئے دار الندوہ کے دروازے پر آکھڑا ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کون بوڑھا آدمی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نجد کا رہنے والا ہوں۔ میں نے سنا تھا کہ آپ لوگ ایک اہم معاملے میں مشورے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میں بھی آپ لوگوں کی خیر خواہی کے لئے چلا آیا۔ شاید کوئی مفید مشورہ دے سکوں۔ یہ سن کر لوگوں نے اس کو اندر بلالیا۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ آپ لوگوں کو اس شخص کے حالات معلوم ہی ہیں میرے خیال میں کچھ بعید نہیں کہ یہ شخص اپنے پیروکاروں کو لے کر ہم پر حملہ کر دے۔ اس لئے

باہم مشورہ کر لو اور کسی رائے پر متفق ہو جاؤ۔

علامہ سہیلی کی روایت کے مطابق ایک شخص نے جس کا نام ابو البختری بن ہشام تھا کہا کہ ان کو (نعوذ باللہ) زنجیروں میں باندھ کر کسی مکان میں بند کر دو اور دروازے کو مقفل کر دو یہاں تک کہ وہ موت جو ان جیسے گزشتہ دوسرے شعراء، زہیر، نابغہ وغیرہ کو آئی ان کو بھی (قید خانے کے اندر) آجائے۔ نجدی بوڑھے نے کہا کہ یہ رائے تمہارے لئے سود مند نہیں۔ اگر تم ان کو مکان کے اندر بند بھی کر دو تب بھی معاملہ چھپے گا نہیں بلکہ ان کی شہرت دور دور تک پہنچ جائے گی۔ بہت ممکن ہے کہ ان کے صحابہ جمع ہو کر تم پر حملہ کر دیں اور ان کو تم سے چھڑا لیں۔ یہ سن کر سب کہنے لگے کہ بوڑھے نجدی کی بات صحیح ہے۔

اس کے بعد ابو الاسود ربیعہ بن عمر نے جس کا تعلق قبیلہ بنی عامر بن لوی سے تھا کہا کہ ان کو مکہ سے نکال دیا جائے۔ باہر جا کر جو چاہیں کرتے رہیں، ہمارا شہر ان کے فساد سے مامون ہو جائے گا۔ یہ سن کر بوڑھے نجدی نے کہا کہ یہ رائے بھی ٹھیک نہیں۔ تم جانتے ہو کہ اس کی باتیں کتنی اچھی اور میٹھی ہوتی ہیں۔ جو چیز وہ پیش کرتے ہیں دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔ اگر وہ چلے گئے تو بہت جلد وہ ایک طاقتور جماعت تیار کر لیں گے اور تم پر حملہ کر کے تمہیں شکست دے دیں گے۔ لہذا کچھ اور سوچو۔

بوڑھے نجدی کی بات سن کر ابو جہل نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ہر قبیلے سے ایک ایک نوجوان لے لیں اور ہر نوجوان کو ایک عمدہ تلوار دے دیں۔ پھر یہ سب لوگ ایک دم ان پر حملہ کر کے ان کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں۔ اس طرح ہمیں ان کے شر و فساد سے نجات مل جائے گی۔ رہا ان کے قتل کا جرم تو وہ چونکہ تمام قبائل پر عائد ہو گا اس لئے قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینے کا مطالبہ تو باقی نہیں رہتا، صرف خون بہا یا دیت کا مطالبہ رہ جائے گا، جو سب قبیلوں سے جمع کر کے دے دیا جائے گا۔

یہ سن کر بوڑھے نجدی نے کہا کہ بس یہ رائے صحیح ہے۔ اس کے سوا کوئی رائے نہیں ہو سکتی۔ سب نے اسی رائے پر اتفاق کر لیا اور اسی روز رات کے وقت اپنے ناپاک عزم کی تکمیل کا تہیہ کر لیا۔

ادھر جبرئیل امین نے ان کے مشورہ اور عزائم کی اطلاع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی اور کہا کہ آج رات کو آپ اپنے اس بستر پر آرام نہ فرمائیں جس پر آپ روزانہ سوتے ہیں اور یہ

کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مشرکوں کے اسی اجتماع کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۹۷،۱۹۸ / ۹، مظہری ۵۵۔۵۷ / ۴،ابن کثیر ۳۰۲۔۳۰۳ / ۲)

تشریح: یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آچکے تھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے مکہ معظمہ کے قیام کے زمانے کی وہ سازش یاد دلائی ہے جو مشرکین مکہ آپ کے خلاف کر رہے تھے۔ سرداران مکہ نے دار الندوہ میں جمع ہو کر آپ کے بارے میں مشورہ کیا۔ کسی نے رائے دی کہ آپ کو قید کر دیا جائے، کسی نے کہا کہ آپ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا جائے اور کسی کا مشورہ یہ تھا کہ آپ کو جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ تھیں وہ تدبیریں جو دار الندوہ میں زیر بحث تھیں۔

ادھر اللہ تعالیٰ بھی ان کے مکر و فریب کو باطل کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے داؤ پیچ سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ اس کے آگے کسی کا منصوبہ نہیں چل سکتا۔ اس نے اپنی تدبیر سے دشمن کے تمام منصوبے خاک میں ملا دئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کے شر و فساد سے بچا کر محفوظ و مامون مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

مشرکین کا متکبرانہ دعویٰ

۳۱۔۳۲۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا (کلام) کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو صرف پہلے لوگوں کے احوال ہیں اور (وہ وقت یاد کرو) جب ان لوگوں نے یہ کہا کہ اے اللہ! اگر تیری طرف سے یہی دین حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر

دردناک عذاب بھیج دے۔

اَسَاطِیْرُ: کہانیاں۔ بے سند باتیں۔ من گھڑت۔ واحد اُسْطُوْرَۃٌ

فَاَمْطِرْ: پس تو برسا۔ اِمْطَارٌ سے امر۔

حِجَارَۃً: پتھر۔ کنکریاں۔ واحد حَجَرٌ

تشریح: یہ آیتیں نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو دار الندوہ کی سازش میں شریک تھا۔ یہ شخص تجارت پیشہ تھا۔ مختلف ملکوں کے تجارتی سفروں میں اس کو یہود و نصاریٰ کی کتابیں اور ان کی عبادتیں دیکھنے کا بار بار اتفاق ہوتا تھا۔ وہ فارس اور حیرہ سے رستم اور اسفند یار کی داستانیں سن کر آیا تھا۔ اس لئے جب اس نے قرآن کریم میں گزشتہ امتوں کے حالات و واقعات سنے تو کہنے لگا کہ یہ باتیں تو ہماری سنی ہوئی ہیں۔ یہ تو گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی باتیں کہہ سکتے ہیں۔

یہ شخص جہاں بیٹھتا، لوگوں کو جھوٹ اور مبالغہ سے پر رستم و اسفندیار کے قصے سناتا اور یہود و نصاریٰ کی عبادتوں اور ان کی کتابوں کے حالات و واقعات بیان کرتا اور لوگوں سے کہتا کہ یہ واقعات بھی ویسے ہی ہیں جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں سناتے ہیں۔ اگر چاہوں تو میں بھی ویسا ہی کلام بنا لوں۔

بعض صحابہ کرام نے اس سے یہ کہا کہ اگر تم قرآن کریم جیسا کلام کہہ سکتے ہو تو پھر کہتے کیوں نہیں، جبکہ قرآن کریم تو ساری دنیا کے لوگوں کو چیلنج دے چکا ہے کہ اگر تم اپنے دعوائے انکار میں سچے ہو اور قرآن کریم کو اللہ کا کلام نہیں مانتے تو تم سب مل کر ہی اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بنا لاؤ۔ مگر کوئی بھی آج تک انفرادی یا اجتماعی طور پر ایک چھوٹی سی سورت بھی قرآن کریم کے مقابلے میں پیش نہ کر سکا اور نہ قیامت تک کوئی ایسا کر سکے گا۔ قرآن کریم کا یہ چودہ سو سال پرانا چیلنج آج بھی دنیا کے تمام کفار و مشرکین کو للکار رہا ہے۔

پھر جب صحابہ کرام نے نضر بن حارث کے سامنے کلام الٰہیٰ کا حق ہونا بیان کیا تو وہ اپنے غلط مذہب پر پختگی دکھانے کے لئے کہنے لگا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے نازل کیا ہوا صحیح اور حق ہے تو، تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے جس طرح تو نے اصحابِ فیل پر برسائے تھے یا کوئی دردناک عذاب نازل کر دے۔

یہ دعا مشرکین کی کامل جہالت و نادانی اور سرکشی و عناد کا اظہار ہے، حالانکہ انہیں تو دعا

اس طرح مانگنی چاہئے تھی کہ اے اللہ اگر یہ قرآن تیری ہی طرف سے ہے تو ہمیں اس کے اتباع کی توفیق عطا فرما۔ اس کے برخلاف وہ عذاب میں جلدی کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ط وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ط وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○

(سورۃ عنکبوت آیت ۵۳)

اور یہ لوگ عذاب کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ اگر عذاب کا ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو وہ فوراً ہی انہیں پکڑ لیتا اور انہیں خبر تک نہ ہوتی۔

(ابن کثیر ۳۰۴، ۳۰۵ / ۲، مظہری ۶۱ / ۴)

نضر کی دعا کا جواب

۳۳۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○

اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دے اور آپ ان میں موجود بھی ہوں اور جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے نضر کی دعا کے جواب میں فرمایا کہ سابقہ انبیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جب تک وہ بستی میں موجود رہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے ان امتوں پر عذاب نازل نہیں فرمایا یعنی ایسا عذاب جس سے پوری قوم تباہ ہو جائے۔ پھر جب ان کی سرکشی اور بداعمالیوں کی بنا پر عذاب کا نازل کرنا ضروری ٹھہرا تو پہلے وہاں سے انبیاء کو نکال لیا گیا جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے معاملے میں مشاہدہ ہوا۔ آپؐ چونکہ رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے آپ کی موجودگی میں ان پر عذاب کا نازل ہونا آپ کی شان کے خلاف ہے۔

امام ابن جریر نے فرمایا کہ جب آپؐ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے تو آیت کا دوسرا حصہ نازل

ہوا یعنی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○

اور جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ آپ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمالینے کے بعد عذاب کا وہ مانع رفع ہو گیا تھا جو آپ کی وہاں موجودگی کی وجہ سے تھا مگر عذاب کا ایک اور مانع یہ تھا کہ بہت سے کمزور و ضعیف مسلمان جو ہجرت نہیں کر سکتے تھے مکہ میں رہ گئے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہتے تھے۔ ان کی استغفار کی برکت سے اہلِ مکہ عذاب سے محفوظ رہے۔ (معارف القرآن ۲۲۳ / ۴)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا اے مسلمانو! تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کے دنیوی عذاب سے محفوظ رہنے کے دو سبب تھے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی۔

۲۔ تمہارا استغفار کرتے رہنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو (دنیا سے) تشریف لے گئے اور استغفار (کا سلسلہ) روزِ قیامت تک تمہارے اندر باقی رہے گا (اس لئے دنیوی عمومی عذاب تم پر نہیں آئے گا)۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان نے کہا: "اے اللہ! تیری عزت کی قسم جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں روحیں ہیں میں انہیں بہکاتا رہوں گا۔" اللہ تعالیٰ نے (جواب میں) فرمایا: "مجھے میری عزت کی قسم جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا"۔ (ابن کثیر ۳۰۴، ۳۰۵ / ۲، مظہری ۶۱ / ۴)

عذابِ الٰہی

۳۴۔ **وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**

اور اب ان میں کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہ کرے حالانکہ وہ لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکتے ہیں۔

یَصُدُّوْنَ: وہ روکتے ہیں۔ وہ باز رکھتے ہیں۔ صَدٌّ سے مضارع۔

تشریح: پھر جب ضعیف و کمزور لوگ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے تو عذابِ الٰہی کے دونوں موانع رفع ہو گئے یعنی نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے اور نہ استغفار کرنے والے ضعیف و کمزور مسلمان مکہ میں رہے۔ وہ لوگ اب ہر لحاظ سے عذاب کے مستحق ہو گئے تھے، کیونکہ وہ مسلمانوں کو عبادت کی غرض سے مسجد حرام میں جانے سے روکنے لگے تھے۔

مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکنے کا واقعہ ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر پیش آیا تھا، جب مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو عمرہ کے قصد سے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ آپ کو اور تمام صحابۂ کرام کو عمرہ ادا کئے بغیر احرام کھولنے اور واپس جانے پر مجبور کیا، پھر دو ہی سال بعد ۸ھ میں فتح مکہ کی شکل میں ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا۔

(روح المعانی ۲۰۰، ۲۰۱ / ۹، مظہری ۶۰، ۶۱ / ۴)

مسجد الحرام کی تولیت کا حق

۳۴۔۳۵۔ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاۗءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

اور (وہ مشرکین مکہ) اس (مسجد الحرام) کے متولی نہیں ہیں۔ اس کے متولی تو پرہیزگار ہی ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت سے لوگوں کو علم نہیں اور بیت اللہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا ان کی نماز ہی کیا تھی۔ سو (قیامت میں ان سے کہا جائے گا کہ) اپنے کفر کے سبب عذاب کا مزہ چکھو۔

مُكَاۗءً: سیٹی بجانا۔ مضبوط پکڑنا۔ مصدر ہے۔

تَصْدِيَةً: تالیاں بجانا۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: ابن جریر نے بحوالہ سعید بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف کے دوران قریش آپ کے سامنے آجاتے، آپ سے ٹھٹھا کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶۳ / ۴)

تشریح: کفار و مشرکین اپنے آپ کو مسجد الحرام کا متولی سمجھتے اور مومنوں کو جو حقیقتاً اس کی تولیت کے مستحق ہیں اس کی زیارت اور اس میں طواف و عبادت کرنے سے روکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نجس اور گندے ہیں۔ یہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کو بیت اللہ جیسی پاکیزہ اور مقدس جگہ کی تولیت دی جائے۔ مسجد الحرام کا متولی تو وہی ہو سکتا ہے جو اپنے آپ کو کفر و شرک کی نجاست اور معصیت سے بچائے رکھتا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ یہ جانتے ہی نہیں کہ تولیت ان کا حق نہیں۔

پھر فرمایا کہ مسجد الحرام کی تولیت کا حق تو اس شخص کو ہے جو اس کا حق ادا کرے اور اس میں صحیح طریقے سے نماز ادا کرے جبکہ ان لوگوں کی نماز تو خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہیں جو نری جہالت اور حماقت ہے۔ ایسے لوگوں کو خانہ کعبہ کی تولیت کا کوئی حق نہیں بلکہ یہ تو عذاب کے مستحق ہیں۔ لہٰذا اب ان کو اپنے کفر و شرک کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھنا چاہیئے۔

بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قریش برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے اور طواف کی حالت میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ (مظہری ۶۳ / ۴)

عداوتِ اسلام میں مال خرچ کرنا

۳۶۔۳۷ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ۙ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

بے شک جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مال اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکیں، سو یہ لوگ ابھی اور بھی خرچ کریں گے۔ پھر وہ مال ان کے لئے حسرت و افسوس کا باعث ہو جائے گا۔ پھر بھی وہ مغلوب ہو کر رہیں گے اور جو لوگ کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے تاکہ اللہ

تعالیٰ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر ان کا
ایک ڈھیر بنا دے، پھر سب کو جہنم میں ڈال دے۔ یہی لوگ خسارے میں ہیں

لِيَمِيْزَ: تاکہ وہ ممتاز کر دے۔ تاکہ وہ جدا کر دے۔ مَیْزٌ سے مضارع۔
فَيَرْكُمَهُ: پس وہ اس کو اکٹھا کرتا ہے۔ پس وہ اس کو تہ بہ تہ کر کے ڈھیر لگاتا ہے۔ رَكْمٌ وَرُكُوْمٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: کلبی، ضحاک اور مقاتل رحمہم اللہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر کے موقع پر (قریش کے لشکر کو) کھانا کھلایا تھا۔ یہ بارہ آدمی تھے۔ ابو جہل بن ہشام، ربیعہ بن عبد شمس کے دونوں بیٹے، عتبہ و شیبہ، حجاج کے دونوں بیٹے بنیہ و منبہ، ابوالبختری بن ہشام، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف، زمعہ بن اسود، حرث بن عامر بن نوفل، عباس بن عبد المطلب، یہ سب قریشی تھے۔ ان میں سے روزانہ ایک آدمی دس اونٹ ذبح کیا کرتا تھا اور یوم الھزیمہ یعنی شکست والے دن عباس بن عبد المطلب کی باری تھی۔

ابن اسحاق نے کہا کہ یہ آیت (مشرکین مکہ کے تجارتی) قافلے والوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب بدر کے دن قریش پر مصیبت پڑی اور وہ شکست کھا کر مکہ لوٹے تو صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل جو ان لوگوں میں سے تھے جن کے باپ بھائی بدر میں مارے گئے تھے۔ ابو سفیان اور قریش کے ان لوگوں کے پاس گئے جو ابو سفیان کے تجارتی قافلے کے مال میں حصے دار تھے اور ان سے کہا کہ اے قریش کے لوگو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہاری قوت توڑ دی اور تمہارے چنیدہ لوگوں کو قتل کر دیا۔ اب تم (اس تجارتی) مال سے ہماری مدد کرو تاکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑ کر اپنا انتقام لے سکیں۔ پس لوگوں نے یہ بات قبول کر لی۔

سعید بن جبیر اور مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت ابو سفیان کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے (معرکہ) احد کے لئے عرب میں سے جو لشکر اکٹھا کیا تھا اس کے علاوہ دو ہزار احابیش کو اجرت پر جنگ کے لئے تیار کیا تاکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قتال کریں اور ان پر چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا تھا۔ اس وقت ایک اوقیہ سونا بیالیس مثقال سونے کے برابر تھا۔
(روح المعانی ۲۰۴/ ۹)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا حال بیان کیا ہے کہ لوگوں کو حق کے راستے پر چلنے

سے روکنے کے لئے یہ لوگ خوب روپیہ پیسہ خرچ کر رہے ہیں اور خرچ کرتے ہی رہیں گے ۔ لیکن ان کا یہ سب مال ضائع ہو کر ان کے لئے دنیا ہی میں باعث ندامت و حسرت ہو جائے گا کیونکہ مال بھی جائے گا اور مقصد بھی حاصل نہ ہو گا۔

جو لوگ حق کو قبول نہیں کریں گے اور اپنے کفر و عناد پر قائم رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو ہنکا کر جہنم کی طرف لے جائے گا تاکہ اہل سعادت کو کافروں سے ممتاز کر کے جنت میں داخل کر دے اور تمام کافروں کو ملا جلا کر ایک ساتھ جہنم میں ڈال دے ۔ یہی لوگ حقیقتاً خسارہ اٹھانے والے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (آل عمران ۱۷۹)

اور اللہ ایسا نہیں کہ مسلمانوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر وہ ہیں یہاں تک کہ وہ جدا کر دے ناپاک کو پاک سے ۔

دوسری آیت میں ناپاک و پاک سے مراد یا تو کافر و مومن ہیں یا ناپاک سے وہ مال مراد ہے جو کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں صرف کیا تھا اور پاک سے مراد وہ مال ہے جو مسلمانوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں صرف کیا تھا ۔ واللہ اعلم ۔

(ابن کثیر ۳۰۸ / ۲، مظہری ۶۳۔ ۶۴ / ۴)

خسارے کی تلافی

۳۸۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ○

آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ باز آجائیں تو ان کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر وہ پھر وہی حرکتیں کریں گے تو گزشتہ کافر قوموں کے حق میں ہمارا قانون نافذ ہو چکا ہے ۔

يَنْتَهُوْا: وہ رکتے ہیں ۔ وہ باز رہتے ہیں ۔ اِنْتِہَاءٌ سے مضارع ۔

سَلَفَ: وہ ہو چکا ۔ وہ گزر گیا ۔ سَلَفٌ سے ماضی ۔

مَضَتْ : وہ گزر گئی۔ وہ ہو چکی۔ مُضِیٌّ سے ماضی۔
سُنَّتٌ : عادت۔ طریقہ۔ راہ۔ رسم، جمع سُنَنٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ ان کافروں کو جو اسلام کی عداوت پر تلے ہوئے ہیں کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے کفر و عناد اور عداوت رسول سے باز آجاؤ اور اسلام قبول کرکے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو تو کفر کی حالت میں جو گناہ تم کر چکے ہو، اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا اور اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور اپنے کفر و عناد پر قائم رہے تو جیسا کہ سابقہ امتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے دشمنوں کو ہلاک و برباد کرتا رہا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرے گا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دست مبارک بڑھایئے، میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ نے فرمایا عمرو کیا بات ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں کچھ شرط رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پیش کرو کیا شرط ہے۔ میں نے عرض کیا کہ شرط یہ ہے کہ میرے (گزشتہ) قصور معاف ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ عمرو کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام گزشتہ جرائم کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی جو کچھ پہلے ہو چکا ہو اس کو ڈھا دیتی ہے اور حج بھی سابقہ باتوں (یعنی گناہوں) کو ڈھا دیتا ہے۔ (مظہری، بحوالہ مسلم ۶۵ / ۴)

انسدادِ فتنہ

۳۹-۴۰۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

اور ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ (کفر کا) فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال خوب دیکھ رہا ہے اور اگر وہ روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی ہے۔ وہ بہت ہی اچھا کارساز اور بہت ہی اچھا مددگار ہے۔

تشریح: اگر یہ لوگ اپنے کفر و شرک پر قائم رہیں تو تم بھی ان سے جہاد و قتال کرتے رہو۔ یہاں تک کہ کافروں کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے کسی قسم کے فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ رہے۔ اس آیت میں فتنہ سے مراد کفر کا غلبہ ہے۔ جب کفر کو غلبہ ہوتا ہے تو اسلام کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ پس تم کافروں سے اس وقت تک قتال کرتے رہو جب تک کہ اللہ کا حکم علی الاعلان جاری و نافذ نہ ہو جائے اور کفر میں مزاحمت کی سکت باقی نہ رہے اور دین اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے۔

پھر اگر یہ لوگ ظاہر میں اپنے کفر و عناد اور تمہارے ساتھ جنگ و قتال سے باز رہیں اور اسلام قبول کر لیں تو تم بھی اپنے ہاتھ ان سے روک لو اور ان کا ظاہری اسلام قبول کر لو اور ان کے دلوں کا حال اللہ کے سپرد کر دو اس لئے کہ تمہیں ان کے دلوں کا حال معلوم نہیں۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے وہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔ اگر یہ لوگ اسلام سے روگردانی کرتے رہے اور اپنے بغض و عناد پر قائم رہتے ہوئے انہوں نے تمہارے ساتھ محاربہ و مقاتلہ جاری رکھا تو اللہ تعالیٰ بھی یقیناً تمہاری مدد و اعانت کرتا رہے گا۔ لہذا تم بھی اس پر بھروسہ رکھو اور کافروں سے لڑتے رہو۔ ان کی کثرت و شوکت اور ان کے سامان حرب و ضرب کو خاطر میں نہ لاؤ۔ اللہ تعالیٰ کیا ہی اچھا مددگار ہے کہ وہ اپنے دین کی حمایت کرنے والوں کو مغلوب نہیں ہونے دیتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس وقت تک لوگوں (کافروں) سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ **لا الہ الا اللہ** اور **محمد رسول اللہ** کی شہادت دیں اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے لگیں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تو ان کے خون اور اموال میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے۔ سوائے حق اسلام کے (یعنی حقوق العباد کی وجہ سے ان سے قصاص اور مالی معاوضات لئے جا سکیں گے) اور ان کا (باطنی) حساب اللہ کے ذمہ ہے (ان کی باطنی حالت اللہ ہی کو معلوم ہے) متفق علیہ۔

(ابن کثیر ۳۰۸، ۳۱۰ / ۲، مظہری ۶۶ / ۴)

مالِ غنیمت کے احکام

۴۱۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

اور جان لو کہ جو چیز تمہیں غنیمت کے طور پر ملے تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی مدد) پر یقین رکھتے ہو جو ہم نے فیصلے کے دن (جنگ بدر میں) اپنے بندے پر نازل کی، جس دن دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

غَنِيْمَتْ: لغت میں اس مال کو غنیمت کہتے ہیں جو دشمن سے حاصل کیا جائے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس مال کو غنیمت کہتے ہیں جو جنگ و قتال اور غلبہ کے ذریعہ غیر مسلموں سے حاصل ہو۔

فَيْءٌ: جو مال جنگ و قتال کے بغیر صلح و رضامندی سے حاصل ہو جیسے جزیہ و خراج وغیرہ اس کو فئی کہتے ہیں۔

تشریح: تمام کائنات کی اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ انسان کسی چیز کا صرف اسی وقت مالک ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے ذریعہ اس کو اس چیز کا مالک بنادے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ○ (سورۃ یٰسٓ آیت ۷۱)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ چوپاؤں کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، پھر لوگ ان کے مالک بن گئے۔ یعنی ان کی ملکیت ذاتی نہیں بلکہ ہم نے اپنے فضل سے ان کو ان چوپاؤں کا مالک بنادیا۔

جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرتی ہے اور کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ

تعالیٰ ان کی اصلاح کے لئے اپنے رسول اور کتابیں بھیجتا ہے۔ اگر یہ لوگ پھر بھی راہِ راست پر نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو ان سے جہاد و قتال کا حکم دیتا ہے جس کے نتیجے میں ان کے اموال ان کی ملکیت سے نکل کر خالص اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں آجاتے ہیں۔ اسی کو مالِ غنیمت کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ خصوصیتیں عطا ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی امت کے لئے انعام کے طور پر مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا جو سابقہ امتوں کے لئے حلال نہ تھا۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مالِ غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ جس کو خمس کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول اللہ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیا جائے گا۔ باقی چار خمس بالاجماع مجاہدین پر تقسیم کئے جائیں گے۔

تمام ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کے پانچ حصے کرتے تھے، جن میں سے چار تو جہاد میں شریک لوگوں کو عطا فرما دیتے تھے اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے کرتے تھے، جن میں سے ایک حصہ اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے لیتے تھے، اپنا اور اپنے گھر والوں کا خرچ بھی اسی حصے سے چلاتے تھے، جو کچھ بچ رہتا اس سے جہاد کے لئے ہتھیار اور گھوڑے خریدتے تھے اور مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کرتے تھے۔ دوسرا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو بانٹ دیتے تھے اور ان کے مالدار، نادار، مرد و عورت سب کو دیتے تھے۔ اور باقی تین حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو عنایت فرماتے تھے۔

آپ کے ان اقارب کے بارے میں جن کو خمس میں سے حصہ دیا جاتا تھا مختلف اقوال ہیں بعض کے نزدیک تمام قریش اقارب ہیں۔ مجاہد اور امام زین العابدین کے نزدیک صرف بنی ہاشم اقارب ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عبد مناف کے صرف دو بیٹوں ہاشم اور مطلب کی اولاد اقارب ہیں اور عبد مناف کے باقی دو بیٹوں اور عبد الشمس اور نوفل کی اولاد اقارب میں داخل نہیں۔ امام شافعی کی روایت ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو تقسیم فرمایا تو میں اور عثمان بن عفانؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اپنے ہاشمی بھائیوں کی فضیلت کا تو انکار نہیں کیونکہ آپ بنی ہاشم میں سے ہیں۔ لیکن بنی مطلب کی قرابت اور ہماری قرابت تو ایک ہی ہے پھر آپ نے ان کو تو دیا اور ہمیں نہیں دیا۔ یہ ترجیح کیوں ہے؟ آپ نے اپنی

انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب تو اس طرح ایک ہی ہیں یعنی انہوں نے مقاطعہ۔ بنی ہاشم کے وقت بنی ہاشم کی مدد کی اور شعب ابی طالب میں ان کے ساتھ رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خمس میں سے آپ کے حصے کی تقسیم میں علماء کے دو قول ہیں:

(۱) جمہور علماء کے نزدیک جن میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی شامل ہیں آپ کا حصہ اسلام کے مصارف اور اس کی ضرورتوں میں صرف ہو گا کیونکہ اب آپ کو کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(۲) بعض کے نزدیک آپ کا حصہ ذوی القربیٰ، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر تقسیم ہو گا۔

(مظہری ۶۷۔۷۰ / ۴، حقانی ۴۶۸۔۴۶۹ / ۲، معارف القرآن ۲۳۷۔۲۴۰ / ۴)

محاذِ جنگ کا نقشہ

۴۲۔ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

جب تم (مدینے سے) وادی کے قریب والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے سرے پر اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف کو (ہٹا ہوا تھا) اور اگر تم آپس میں جنگ کا وعدہ بھی کرتے تو وعدے پر ایک ساتھ نہ پہنچتے لیکن اللہ تعالیٰ کو تو ایک کام کرنا منظور تھا جو مقدر ہو چکا تھا تاکہ جسے مرنا ہے وہ حجت قائم ہو کر مرے اور جو زندہ رہے وہ بھی حجت تمام ہو کر زندہ رہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

الْعُدْوَةِ: کنارہ۔ جانب۔ سمت۔ جمع عُدًی

الدُّنْيَا: بہت نزدیک۔ بہت ذلیل۔ دُنُوٌّ سے اسم تفضیل۔

الْقُصْوٰى: دور والا کنارہ۔ نہایت دور کا یعنی مدینہ منورہ سے دور مکہ معظمہ کی طرف والا

کنارہ۔ قَصْوٌ و قُصُوٌّ سے اسم تفضیل۔

الرَّکْبُ: اونٹ سواروں کا قافلہ۔ سوار۔ رُکُوْبٌ سے اسم فاعل۔

اَسْفَلَ: سب سے نیچا۔ سُفُوْلٌ سے اسم تفضیل۔

تَوَاعَدْتُّمْ: تم نے باہم وعدہ کیا۔ تَوَاعُدٌ سے ماضی۔

بَیِّنَۃٍ: واضح دلیل۔

تشریح: قرآن کریم نے غزوہ بدر کو خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسی معرکہ بدر نے کفار و مشرکین پر اسلام کی برتری اور حقانیت کا سکہ جما دیا تھا۔ اس آیت میں محاذِ جنگ کا نقشہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے تو میدان کے اس کنارے پر پڑاؤ ڈالا تھا جو مدینہ سے قریب تھا اور کافر اس کنارے پر تھے جو مدینے سے دور تھا۔ ابو سفیان اور اس کا قافلہ تجارتی سامان سمیت مکہ سے آنے والے مشرکین و کفار کے لشکر سے قریب اور مسلمانوں کی زد سے باہر سمندر کے کنارے کنارے چل رہا تھا۔

اس ساری تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ دونوں لشکر بالکل آمنے سامنے تھے اور مسلمان بالکل بے موقع اور غلط جگہ پر ٹھہرے تھے، اس لئے کہ اس میدان کا مدینے کی جانب والا حصہ اس قدر ریتیلا تھا کہ اس میں چلنا پھرنا بھی دشوار تھا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے پاس پانی کی بھی کوئی جگہ نہ تھی اور نہ ان کو کہیں سے کمک ملنے کا احتمال تھا جبکہ میدان کا مدینے سے دور والی جانب کا حصہ جو کافروں کے قبضہ میں تھا وہ صاف اور ہموار تھا اور پانی بھی وہاں سے قریب تھا۔ نیز ان کو یہ بھی اطمینان تھا کہ ان کا تجارتی قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل چکا ہے اور اب ضرورت پڑنے پر وہ بھی ان کی مدد کو آسکتا ہے۔ لہٰذا ظاہری اعتبار سے وہ جگہ جہاں اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا کسی طور پر بھی ایسی نہ تھی جہاں دشمن پر قابو پایا جاسکتا یا مسلمان اپنی جان بچا کر وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوتے۔ یوں بھی مسلمان کسی مسلح لشکر سے جنگ کی تیاری کر کے نہیں نکلے تھے۔ وہ تو محض ایک تجارتی قافلے کا راستہ روکنے کے لئے نہایت مختصر سی جماعت کے ساتھ بے سرو سامانی کے عالم میں نکلے تھے کہ اچانک ایک ہزار مسلح جنگجوؤں سے مقابلہ ہو گیا جو ہر قسم کے سامان حرب سے لیس تھے۔

اگر مومنین و مشرکین پہلے سے کسی مقررہ مقام یا وقت پر آپس میں لڑائی کا وعدہ کر لیتے تو بھی وعدہ پورا کرنے میں اختلاف کرتے کیونکہ مسلمان تو اپنی قلت اور ان کی کثرت کے باعث

مقابلے سے کتراتے اور کافر پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیبت زدہ تھے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اچانک بھڑا دیا کیونکہ مسلمان تو تجارتی قافلے کی تلاش میں نکلے تھے اور مشرکین اپنے قافلے کی مدد کے لئے نکلے تھے ۔ دونوں میں سے کسی فریق کا بھی لڑائی کا ارادہ نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ کفر کا زور ٹوٹے اور وہ ذلیل و خوار ہوں اور اسلام و مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو ۔ اس لئے اس نے دونوں کو اچانک ایک دوسرے سے بھڑا دیا اور مذکورہ بالا حالات کے باوجود مسلمانوں کو کافروں پر کھلی فتح عطا فرمادی تاکہ حجت پوری ہو جائے اور کوئی عذر باقی نہ رہے اور آئندہ جو کوئی ہلاکت میں پڑے وہ بھی دیکھ بھال کر پڑے اور جو زندہ رہے وہ بھی دیکھ بھال کر زندہ رہے ۔ اللہ تعالیٰ مومن و کافر سب کی باتوں کو سننے والا اور ان کے احوال کو جاننے والا ہے ۔

قدرت کا کرشمہ

۴۳ ۔ ۴۴ ۔ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۚ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جب اللہ تعالیٰ آپ کو خواب میں ان (کافروں) کو کم کر کے دکھا رہا تھا اور اگر وہ ان کو (کافروں) کو زیادہ کر کے دکھاتا تو تم بزدلی کرتے اور اس کام میں جھگڑا ڈال لیتے ۔ لیکن اللہ نے بچا لیا ۔ بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو اللہ نے تمہاری نظروں میں ان کو کم کر کے دکھایا اور ان کی نظروں میں تمہیں کم کر کے دکھایا تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جس کا کرنا اس کو منظور تھا اور سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں ۔

يُرِيْكَهُمْ: وہ تجھے ان کو دکھاتا ہے ۔ اِرَاءَةٌ سے مضارع ۔

مَنَامِكَ: تیری نیند ۔ تیرا سونا ۔

لَفَشِلْتُمْ: البتہ تم ہمت ہار دیتے۔ البتہ تم سستی کرتے۔ البتہ تم بزدلی کرتے۔ فَشَلٌ سے ماضی۔

اَلْتَقَيْتُمْ: تم ملے۔ تمہاری مڈبھیڑ ہوئی۔ اِلْتِقَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: مجاہدؒ اور مقاتلؒ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بدر کا واقعہ دکھایا۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ کفار بہت تھوڑے سے ہیں۔ پھر آپ نے یہ بات صحابہ کرام کو بتائی تو اس سے ان کے حوصلے اور مقابلے کی جرات بڑھ گئی۔ جب مقابلے کا وقت آیا اور دونوں لشکر صف بندی کر کے ایک دوسرے کے سامنے آگئے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نگاہوں میں کافروں کو کم کر کے دکھایا۔

پھر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں، کافروں کو کثرت میں دکھاتا تو تم بزدلی کرتے اور کافروں سے قتال کرنے میں اختلاف کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں کافروں کی تعداد کم دکھا کر تمہیں آپس کے اختلاف سے محفوظ رکھا، کیونکہ وہ دلوں کی باتیں خوب جانتا ہے۔

اے مومنو! وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری نظروں میں ان کی تعداد کم کر کے دکھائی تاکہ تم دلیری پکڑو اور بیداری میں، اپنے نبی برحق کے خواب کی تصدیق کر لو اور ان کی نظروں میں تمہاری تعداد کم دکھائی کہ کہیں وہ جنگ کے بغیر ہی واپس نہ چلے جائیں کیونکہ ان کا قافلہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور ابو سفیان نے مشرکین کو واپس آجانے کے لئے کہلا بھیجا تھا۔ چنانچہ اخنس بن شریق بنی زہرہ کو لے کر واپس چلا گیا اسی طرح بنو عدی بھی لڑائی میں شامل نہ ہوئے۔

ابن ابی حاتمؒ اور ابن جریرؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ واللہ! وہ لوگ (کفار) ہماری نظروں میں اس قدر کم کر دیئے گئے تھے کہ میں نے اپنے برابر والے آدمی سے کہا کہ مجھے تو یہ ستر معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میرے خیال میں سو ہیں۔ پھر جب لڑائی میں ہم نے ایک کافر کو گرفتار کر کے پوچھا تو اس نے کہا کہ ہم لوگ ایک ہزار تھے۔

سدیؒ نے کہا کہ اس وقت بعض مشرکین نے کہا کہ قافلہ تو سلامتی کے ساتھ نکل گیا تم بھی واپس چلے چلو۔ یہ سن کر ابو جہل نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی آج تمہارے مقابلے میں آئے ہیں۔ ہم جب تک ان کا فیصلہ نہ کر دیں اس وقت تک واپس نہ جائیں

گے ۔ وہ چند آدمی ہیں ان کو قتل تو کیا کروگے، پکڑ کر باندھ دو ۔

سورۃ آل عمران آیت ۱۳ میں ارشاد ہے کہ:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۚ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۚ

بے شک تمہارے لئے ان دو جماعتوں میں جو (میدان بدر میں) باہم مقابل ہوئیں (اللہ کی قدرت اور اس کا وعدہ حق ہونے کی) ایک نشانی ہے ۔ ایک جماعت (یعنی مسلمانوں کی فوج) اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسری کافروں کی جماعت تھی اور وہ (کافر) اپنی آنکھوں سے انہیں اپنے سے دوچند دیکھ رہے تھے ۔

اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ کافروں کو مسلمان اپنے سے دوگنا نظر آتے تھے تو یہ صورت لڑائی شروع ہونے کے بعد تھی ۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے کافروں کو مسلمان بہت تھوڑے دکھائی دے رہے تھے تاکہ ان کا غرور بڑھے اور وہ جنگ پر آمادہ رہیں ۔ پھر جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل آگئیں اور لڑائی شروع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کے لئے فرشتے بھیج دیئے ۔ اس وقت کافروں کی تعداد تو مومنوں کی نظر میں اسی طرح قلیل رہی جیسے لڑائی شروع ہونے سے پہلے تھی ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی نظر میں مومنوں کی تعداد دوگنا کر دی تاکہ وہ مرعوب ہو کر شکست کھا جائیں ۔

پھر فرمایا کہ یاد رکھو تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے ۔ پس اگر وہ اپنی قدرت کاملہ سے کسی وقت اپنے پیدا کئے ہوئے اسباب کے خلاف کوئی کرشمہ ظاہر کر دے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ اسباب میں ذاتی طور پر کوئی تاثیر نہیں بلکہ ان کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے تابع ہے ۔ اس لئے کہ وہی ذات مسبب الاسباب ہے ۔

(مواہب الرحمن ۷۔۸ / ۱۰، حقانی ۴۷۰ / ۲)

آدابِ جہاد

۴۵۔۴۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اے ایمان والو! جب کسی لشکر سے تمہارا آمنا سامنا ہو جائے تو تم ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور آپس میں تنازع نہ کرو۔ ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

فِئَةٌ: گروہ۔ چھوٹی جماعت۔

فَاثْبُتُوْا: پس تم ثابت قدم رہو۔ ثَبَاتٌ سے امر۔

فَتَفْشَلُوْا: پس تم بزدلی کروگے۔ فَشْلٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں مسلمانوں کو دشمن سے مقابلے کے وقت میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ذکر اللہ، مومن کا خاص ہتھیار ہے۔ مومنوں کے سوا تمام دنیا اس سے غافل ہے۔ اللہ کی یاد اور اس پر اعتماد ہر مصیبت اور پریشانی کو ختم کر دیتی ہے اور ان کے قلب کو مضبوط اور قدم کو ثابت رکھتی ہے۔ پس تم اس کی یاد میں لگے رہو۔ اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی سے مدد طلب کرو، اسی میں کامیابی ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے رہو کیونکہ اللہ کی نصرت و مدد اس کی اطاعت ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ آپس کے نزاع اور اختلاف سے بچو ورنہ تم میں بزدلی پھیل جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن پر جو تمہاری دھاک بیٹھی ہوئی ہے وہ جاتی رہے گی اور تم دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔

آیت کے آخر میں باہمی نزاع اور اختلاف سے بچنے کا نسخہ بتا دیا کہ خلافِ طبع امور پر صبر کا دامن نہ چھوڑو اس لئے کہ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر حال میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غزوے کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج ڈھلنے کا انتظار کیا پھر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو!

دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہو۔ پھر جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر و استقامت رکھو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! سچی کتاب کے نازل فرمانے والے اور بادلوں کے چلانے والے اور لشکروں کو ہزیمت دینے والے، ان کافروں کو شکست دے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

طبرانی میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تین وقتوں میں خاموش رہنا پسند ہے۔ ۱۔ تلاوت قرآن کے وقت، ۲۔ جہاد کے وقت اور ۳۔ جنازے کے وقت۔ (ابن کثیر ۳۱۶ / ۲)

مسلمانوں کو فخر و غرور کی ممانعت

۴۷۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے اور وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے تھے اور اللہ ان کے اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

بَطَرًا: اترانا۔ اتراتے ہوئے۔ مصدر ہے۔

رِئَاءَ: دکھاوا۔ خود نمائی کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے مشرکین کی مشابہت اختیار نہ کرنے کا حکم دیا ہے کہ جس طرح مشرکین اپنے گھروں سے غرور و تکبر اور اپنی بہادری پر فخر کرتے ہوئے حق کو مٹانے کے لئے نکلے تھے، تم ان کی طرح بڑائی نہ مارنا اور نہ ریاکاری کرنا کیونکہ تم تو اللہ کے دین کی حمایت و نصرت اور اس کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے نکلے ہو۔ اس لئے اپنے آپ کو ان کی مشابہت سے محفوظ رکھو۔ یہ مشرکین لوگوں کو اللہ کے دین سے روکنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ان کا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں۔ قیامت کے روز وہ ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابو سفیان نے دیکھا کہ وہ اپنے قافلے کو بچا کر لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو اس نے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ چونکہ قافلہ مسلمانوں کی زد سے صحیح و سالم نکل گیا ہے اس لئے تم بھی واپس لوٹ جاؤ۔ یہ سن کر ابو جہل کہنے لگا کہ واللہ! ہم اس وقت تک واپس نہ جائیں گے جب تک کہ بدر میں جاکر قیام نہ کریں، ہم وہاں شرابیں پئیں گے، طوائفیں گائیں گی اور ہم لوگوں کو کھانا کھلائیں گے۔ تمام عرب میں ہماری بات مشہور ہو گی اور سب پر ہماری ہیبت بیٹھ جائے گی۔

چنانچہ جب لوگ بدر پہنچے تو وہاں ان کو شراب کی بجائے موت کے جام ملے۔ گانے والی عورتوں کی جگہ، عورتوں نے ان پر نوحہ کیا۔ (روح المعانی ۱۴ / ۱۰، مظہری ۹۸ / ۴)

شیطان کا دعویٰ

۴۸۔ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

اور جب شیطان نے ان کو ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھائے اور کہا کہ آج تم پر کوئی شخص غالب نہ ہو گا اور میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

جَارٌ: ہمسایہ۔ پڑوسی۔ حمایتی۔

نَكَصَ: وہ پھر گیا۔ وہ الٹے پاؤں بھاگا۔ نَكْصٌ و نُكُوْصٌ سے ماضی۔

عَقِبَيْهِ: ان کی دونوں ایڑیاں۔ جمع اَعْقَابٌ۔

تشریح: وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب شیطان کافروں کی پشت پناہی کر رہا تھا اور اس نے ان کے دماغوں میں یہ بات جما دی تھی کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب اعمال نیک اور ان کی نجات

کا ذریعہ ہیں ۔اس روز شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں کافروں کے سامنے ان کی قوت بیان کرنے اور ان کو اپنی مدد و حمایت کا یقین دلانے کے لئے نہایت مبالغے سے کام لیتے ہوئے ان سے یہ تک کہہ دیا کہ بے سرو سامان مسلمانوں کے مقابلے میں تمہاری تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور تمہارے پاس جنگی ساز و سامان کی بھی کوئی کمی نہیں لہذا آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اس معاملے میں، میں تمہارا ضامن ہوں ۔

پھر جب بدر کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور شیطان نے حضرت جبرائیل اور فرشتوں کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا تو فوراً الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں تم سے بری اور بے تعلق ہوں ۔ بلاشبہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے ۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں کہ کہیں قیامت سے پہلے ہی نہ پکڑ لیا جاؤں اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہے ۔

منافقوں کی احمقانہ سوچ

۴۹۔ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۤءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اس وقت منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا کہنے لگے کہ ان لوگوں (مسلمانوں) کو ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ۔

غَرَّ : اس نے فریب دیا ۔ اس نے دھوکہ دیا ۔ غُرُوْرٌ سے ماضی ۔

تشریح : اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ صرف کفار و مشرکین ہی اپنے اعمال بد کو اچھا سمجھنے کی بیماری میں مبتلا نہ تھے بلکہ مدینے کے منافق بھی اس بیماری میں مبتلا تھے ۔ ان کے دلوں میں جو نفاق کا مرض ہے وہ بھی اسی شیطانی دھوکہ کا نتیجہ ہے ۔ چونکہ بدر کی لڑائی میں مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کے پاس سامان جنگ بھی برائے نام تھا ۔ اس لئے منافقین مسلمانوں کے بارے میں کہنے لگے کہ ان کو ان کے دین حق نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اس کو جنت میں یہ یہ نعمتیں ملیں گی ۔ یہ تین سو بے سرو سامان آدمی ایک ہزار مشرکین کے لشکرِ جرّار سے جنگ کرنے جا رہے ہیں جو ہر طرح کے سامان حرب و ضرب

سے لیس ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کسی غرور یا خوش فہمی میں مبتلا نہ تھے بلکہ وہ تو اللہ کی مدد و اعانت پر بھروسہ کر کے اس کے دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے نکلے تھے۔ منافق یہ بات نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ وہم و گمان سے بڑھ کر ان کی مدد و اعانت کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کو غلبہ دینے پر قادر ہے۔ اس کے سب کام حکمت سے ہوتے ہیں۔

کافروں کی موت کا حال

۵۰-۵۱ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۞ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۞

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کاش آپ اس وقت کافروں کو دیکھیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ وہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوں گے اور (کہتے جاتے ہوں گے کہ لو اب) جلنے کا عذاب چکھو۔ یہ (عذاب) ان کاموں کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو بندوں پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کرتا۔

اَلْحَرِيْق: جلتی ہوئی آگ۔ بھڑکتی ہوئی آگ۔ حَرْقٌ سے صفت مشبہ۔

ظَلَّام: ظلم کرنے والا۔ ظُلْمٌ سے اسم منسوب۔ قرآن کریم میں نسبت کے معنی مراد ہیں مبالغہ کے نہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کاش آپ ان کافروں کی موت کے وقت وہ ہیبتناک منظر دیکھتے جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے وقت ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر مار رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اپنی بد اعمالیوں کے سبب آگ میں جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔ بعض ائمہ تفسیر نے بیان کیا کہ یہ واقعہ بدر کے دن کا ہے، جب سامنے سے تو ان کافروں کے چہروں پر تلواریں پڑتی تھیں اور جب پیٹھ پھیر کر میدانِ جنگ سے

بھاگتے تھے تو فرشتے ان کی پیٹھوں پر مارتے تھے۔

ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے ابو جہل کی پیٹھ پر کانٹوں کے نشان دیکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں یہ فرشتوں کی مار کے نشان ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت واقعہ بدر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ الفاظ عام ہیں۔ موت کے وقت ہر کافر کا یہی حال ہوتا ہے۔ جب کوئی کافر مرتا ہے تو موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرتے وقت اس کے چہرے اور پشت پر مارتا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ فرشتوں کے ہاتھوں میں آگ کے کوڑے اور لوہے کے گرز ہوتے ہیں جن سے وہ مرنے والے کافر کو مارتے ہیں۔ چونکہ اس عذاب کا تعلق عالم برزخ سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔

حضرت براء کی روایت میں ہے کہ سکراتِ موت کی حالت میں موت کے فرشتے کافر کے پاس آکر کہتے ہیں کہ اے خبیث روح تو گرم ہوا، گرم پانی اور گرم سائے کی طرف چل۔ پس وہ اس کے بدن میں چھپنے لگتی ہے۔ آخر اسے اس کے جسم سے اس طرح گھسیٹ کر نکالا جاتا ہے جس طرح کسی زندہ شخص کی کھال کو اتارا جائے اس کے ساتھ رگیں اور پٹھے بھی آجاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ اب آگ میں جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ عذاب تمہارے کفر و معاصی اور تمہاری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تو عدل و انصاف کرنے والا حاکم ہے وہ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا اور نہ کسی کو بلاوجہ عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

(روح المعانی ۱۶۔۱۷/ ۱۰، ابن کثیر ۳۱۹/ ۲)

سابقہ امتوں کے طور طریق

۵۲۔۵۴۔ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا

ظٰلِمِیْنَ ○

جیسی حالت آلِ فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا (اور) سخت سزا دینے والا ہے ۔ اس (عذابِ الٰہی) کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو ہرگز نہیں بدلتا (محروم نہیں کرتا) جو اس نے کسی قوم کو دی ہو جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت نہیں بدل ڈالتے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا (اور جاننے والا ہے) ۔ جیسی حالت آلِ فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ان کو ہلاک کر دیا اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے ۔

کَدَاْبِ: جیسی عادت ۔ جیسا معاملہ ۔

مُغَیِّرًا: بدلنے والا ۔ تَغْیِیْرٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: دینِ حق اور اللہ کے نبی کی عداوت و تکذیب میں عرب کے مشرکوں کا وہی طریقہ ہے جو فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا، قومِ عاد و ثمود کا اپنے پیغمبروں کے ساتھ تھا ۔ فرعون اور قومِ عاد و ثمود اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلاتے رہے اور کفر و معصیت میں مبتلا رہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو قیامت سے پہلے ہی ان کے کفر و نافرمانی کے سبب عذاب میں پکڑ لیا ۔ یہی حال مشرکین کا ہوا کہ ان کی نافرمانیوں اور کفر و عناد کے سبب ان کو دنیا میں ہی بدر کے مقام پر قتل اور قید کے عذاب میں مبتلا کر دیا ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا قوی ہے ۔ اس کا عذاب بھی بڑا سخت ہے، کوئی نہیں جو اس پر غالب آسکے اور کوئی نہیں جو اس سے بھاگ سکے ۔

اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی نعمتوں کو اس وقت تک کسی قوم سے واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے نہ لگے اور یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اللہ ہر بات کو خوب سننے والا اور چھپے ہوئے خیال و عمل کو خوب جاننے والا ہے ۔

اللہ کے دین اور اس کے نبی کی عداوت و تکذیب میں کفار و مشرکین کے بھی وہی طریقے ہیں جو فرعون اور اس سے پہلے والوں کے تھے ۔ انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا تو اللہ

تعالیٰ نے ان کو ہلاک و برباد کر دیا، کسی کو پانی میں غرق کر کے، کسی کو زلزلے کے ذریعہ، کسی کو زمین میں دھنسا کر، کسی کی صورتیں بگاڑ کر اور کسی کو طوفان کے ذریعہ۔ یہ سب لوگ ظالم تھے۔ انہوں نے کفر و معاصی اختیار کر کے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔

(ابن کثیر ۳۱۹۔۳۲۰ / ۲، مظہری ۱۰۱۔۱۰۳ / ۴)

یہود کی خباثت

۵۵۔۵۷ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ○ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○

بیشک زمین پر چلنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ بدتر ہیں جنہوں نے کفر کیا سو وہ ایمان نہیں لاتے۔ جن لوگوں سے آپ نے معاہدہ کیا تھا پھر ہر بار وہ اپنے عہد کو توڑ ڈال دیتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں۔ پھر اگر کبھی آپ ان کو لڑائی میں پالیں تو ان کو ایسی سزا دیں کہ جو لوگ ان کے پیچھے ہیں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں تاکہ ان کو عبرت ہو۔

الدَّوَآبّ: یہ دَآبَّۃٌ کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی زمین پر چلنے والے کے ہیں۔ اس لئے انسان اور جتنے جانور زمین پر چلتے ہیں یہ لفظ ان سب کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر عام محاورے میں یہ لفظ خاص چوپائے جانوروں کے لئے بولا جاتا ہے۔

(معارف القرآن ۲۶۶ / ۴)

تَثْقَفَنَّهُمْ: تو ان کو پائے۔ تو ان پر قابو پائے۔ ثَقْفٌ سے مضارع۔

فَشَرِّدْ بِهِمْ: پس تو ان کو منتشر کر دے۔ پس تو اس کو سزا دے۔ تَشْرِيْدٌ سے امر۔

شانِ نزول: ابو الشیخؒ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول یہود کے ان چھ آدمیوں کے بارے میں ہوا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پیشگی خبر دے دی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ (مظہری ۱۰۳ / ۴)

تشریح: ان آیتوں میں یہود کا حال بیان کیا گیا ہے کہ بلاشبہ اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں خبیث و شریر تو وہ سب ہی لوگ ہیں جو کفر پر اڑے ہوئے ہیں۔ ان کے ایمان کی توقع نہیں مگر یہود خباثت میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ ان میں دو وصف خاص طور پر پائے جاتے ہیں:

(۱) کفر پر اصرار (۲) بد عہدی۔

یہ لوگ بار بار عہد کرتے ہیں اور ہر بار اس کو توڑ دیتے ہیں۔ قول و قرار کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور نہ قسم کی پابندی کرتے ہیں۔ اس کو بھی فوراً توڑ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو ان کو خدا کا خوف ہے اور نہ گناہ کا کھٹکا۔

ابن اسحاقؒ نے لکھا ہے کہ عہد شکنی کرنے والوں سے مراد بنی قریظہ کے یہود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان محبت و اخوت کی ایک تحریر لکھی تھی جس میں یہودیوں سے بھی مصالحت کا ذکر تھا۔ یہودیوں سے معاہدہ تھا کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور ہر فریق کا نفع نقصان دوسرے فریق کا نفع و نقصان سمجھا جائے گا۔ مگر یہود نے یہ معاہدہ توڑ کر بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں مشرکین کی ہتھیاروں سے مدد کی بعد میں کہنے لگے کہ ہم سے غلطی ہو گئی ہم دوبارہ معاہدہ کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے پھر عہد شکنی کی اور کعب بن اشرف نے مکہ جا کر مشرکین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کا حلف لیا، جس کے نتیجہ میں غزوۂ خندق پیش آیا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کبھی آپ لڑائی میں ان پر غالب آجائیں تو ان میں ایسی خونریزی کیجئے کہ ان کے بعد والے کافر ان کے قتل کا حال سن کر اس سے عبرت پکڑیں اور عہد شکنی سے باز رہیں۔ اسی بنا پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبہ پانے کے بعد بنی قریظہ کے ہر بالغ کو قتل کیا اور عورتوں، بچوں کو باندی غلام بنایا اور ان کا مال تقسیم کیا۔

طبرانیؒ نے حضرت اسلم انصاریؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے قیدیوں کی تفتیش پر مجھے مامور فرمایا تھا چنانچہ میں نے جس لڑکے کو بالغ پایا اس کی گردن اڑا دی تا کہ وہ نصیحت پکڑیں اور آئندہ عہد شکنی کی جرأت نہ کریں۔ (روح المعانی ۲۱۔۲۲ / ۱۰، مظہری ۱۰۳۔۱۰۴ / ۴)

عہد شکنی کے اندیشے پر معاہدہ ختم کرنے کا حکم

۵۸۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝

اور اگر آپ کو کسی قوم کی دغا بازی کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجئے تاکہ وہ اور آپ برابر ہو جائیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر آپ کا کسی سے عہد و پیمان ہو اور پھر آثار و علامات سے آپ کو یہ اندیشہ ہو جائے کہ وہ بدعہدی اور وعدہ خلافی کریں گے تو آپ کو بھی برابری کی حالت میں معاہدہ ختم کرنے کا اختیار ہے۔ اگر کسی وقت ایسی صورت حال پیش آجائے یعنی معاہدہ توڑنے کی نوبت آجائے تو معاہدہ توڑنے سے کچھ دن پہلے ان کو اس کی خبر کر دو تاکہ وہ بھی صلح کے خیال میں نہ رہیں اور ان کو بھی معاہدہ ٹوٹنے کا بروقت علم ہو جائے۔ محض اندیشے اور خطرے کی بنا پر اطلاع کے بغیر دشمن پر حملہ کرنا ایک قسم کی خیانت ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں یعنی عہد شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مسند احمد میں مسلم بن عامر سے روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں میں ایک مدت تک کے لئے صلح کا معاہدہ تھا۔ پھر جب صلح کی مدت گزرنے کے قریب آئی تو انہوں نے لشکر کو رومی سرحد کے قریب کرنا شروع کر دیا تاکہ مدت گزرتے ہی ان پر اچانک حملہ کر دیں۔ اچانک گھوڑے پر سوار ایک شخص یہ کہتا ہوا آیا۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر عہد پورا کرو، عہد شکنی نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب کسی قوم سے کوئی عہد و پیمان ہو جائے تو نہ کوئی گرہ کھولو اور نہ باندھو یہاں تک کہ صلح کی مدت ختم ہو جائے۔ یا انہیں اطلاع دے کر معاہدہ ختم کر دیا جائے۔ جب یہ بات حضرت امیر معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے اسی وقت فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔ یہ شخص حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (مواہب الرحمن ۱۰/۲۰، ابن کثیر ۳۲۰/۲)

جہاد کے لئے بھرپور تیاری کا حکم

۵۹-۶۰ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝
وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ
تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ
لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ وہ بھاگ نکلے وہ ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے اور جہاں تک تم سے ہو سکے کافروں کے مقابلے کے لئے قوت مہیا کرو اور منجملہ اس کے گھوڑے پالنا کہ جس سے تم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھاؤ گے اور ان کے سوا ان لوگوں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے ۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کو جانتا ہے ۔ اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور تمہارا ذرا بھی نقصان نہیں کیا جائے گا ۔

سَبَقُوْا: انہوں نے سبقت کی ۔ وہ آگے نکل گئے ۔ وہ بھاگ نکلے ۔ سَبْقٌ سے ماضی ۔

اَعِدُّوْا: تم تیار کرو ۔ اِعْدَادٌ سے امر ۔

رِبَاطِ: پلے ہوئے ۔ باندھنا ۔ مصدر ہے ۔

الْخَيْلِ: گھوڑے ۔ جمع اَخْيَالٌ ۔

تُرْهِبُوْنَ: تم رعب جماتے ہو ۔ تم ڈراتے ہو ۔ اِرْهَابٌ سے مضارع ۔

يُوَفَّ: اس کو پورا پورا (بدلہ) دیا جائے گا ۔ تَوْفِيَةٌ سے مضارع مجہول ۔

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر کے دن شکست کھا کر بھاگ گئے تھے ۔

تشریح: غزوہ بدر کفار و مشرکین کے لئے عذابِ الٰہی تھا ۔ جو لوگ اس میں شریک نہ ہونے کی بنا پر بچ گئے تھے یا شریک ہونے کے بعد جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے ۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ۔ وہ اپنی چالاکی سے اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے ۔ وہ جب بھی ان کو پکڑنا چاہے گا تو یہ ایک قدم بھی

نہ بھاگ سکیں گے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ کفار سے مقابلے کے لئے تم سے جس قدر ممکن ہو سکے تیاری کرو۔ تمہاری کامیابی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے مقابل کے پاس جیسا اور جتنا سامان حرب ہے تم بھی اسی قسم کا اور اتنی ہی مقدار میں حاصل کرو بلکہ تمہارے لئے اتنا سامانِ حرب حاصل کر لینا ہی کافی ہے جس کی تمہارے اندر استطاعت ہے۔ اس کے بعد اللہ کی مدد و نصرت تمہارے ساتھ ہوگی۔ یہاں لفظ قوت میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ قوت ہر زمانے اور ملک کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا اسلحہ، تیر، تلوار اور نیزے وغیرہ پر مشتمل تھا۔ جبکہ آج کل کا اسلحہ بموں، راکٹوں، ٹینکوں، توپوں، طیاروں، آب دوزوں اور بحری جہازوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ سب اسی لفظ قوت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

پھر فرمایا کہ سامانِ جنگ جمع کرنے کا اصل مقصد قتل و قتال نہیں بلکہ کفر و شرک کو زیر کرنا اور مرعوب و مغلوب کرنا ہے کیونکہ دشمن نہ تو کسی کے علم و فضل اور معاہدوں سے ڈرتا ہے اور نہ کسی قوم کی صنعت و حرفت سے خائف ہوتا ہے وہ تو صرف جنگی صلاحیت و قوت ہی سے ڈرتا ہے۔ اس لئے دشمن کے مقابلے کے لئے مسلمانوں کو اپنے وسائل کے مطابق ہر قسم کی جنگی تیاری کر کے معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ سامانِ حرب جمع کرنے سے جن لوگوں کو مرعوب و مغلوب کرنا مقصود ہے۔ ان میں سے بعض کو تو مسلمان جانتے ہیں۔ مثلاً کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کو مسلمان ابھی تک نہیں جانتے۔ اس سے مراد پوری دنیا کے کفار و مشرکین ہیں جو ابھی تک مسلمانوں کے مقابلے پر نہیں آئے بلکہ آئندہ ان سے تصادم ہونے والا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ تم اس کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا۔ (معارف القرآن ۲۷۲-۲۷۴ / ۴، حقانی ۲/۴۷۵)

کفار سے صلح کی اجازت

۶۱-۶۲ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ
هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ

حَسْبَکَ اللّٰہُ ؕ ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ○
اور اگر وہ (کافر) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے۔ بیشک وہ خوب سنتا (اور) جانتا ہے اور اگر وہ (کافر) آپ سے فریب کریں گے تو آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور وہی ہے، جس نے آپ کو اپنی تائید اور مسلمانوں (کے ذریعہ) سے قوت دی۔

جَنَحُوْا: وہ جھکے۔ وہ پست ہوئے۔ وہ آمادہ ہوئے۔ جُنُوْحٌ سے ماضی۔
یَخْدَعُوْکَ: وہ تجھ کو دھوکہ دیں گے۔ وہ تجھ کو فریب دیں گے۔ خَدْعٌ سے مضارع۔
اَیَّدَکَ: اس نے تیری تائید کی۔ اس نے تیری حمایت کی۔ اس نے تجھے قوت دی۔ تائیدٌ سے ماضی۔

تشریح: اس سے پہلے بتایا جاچکا کہ اگر تمہارا کسی قوم سے معاہدہ ہو اور پھر ان کی طرف سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو تم بھی معاہدہ ختم کر کے ان کو اس کی اطلاع دے دو۔ اس کے بعد اگر وہ لڑائی پر آمادگی ظاہر کریں تو آپ بھی اللہ پر بھروسہ کر کے جہاد شروع کر دیجئے۔ اگر وہ پھر صلح پر آمادہ ہو جائیں تو آپ بھی پھر سے صلح و صفائی کر لیجئے ممکن ہے اس طرح وہ اسلام میں داخل ہو کر آپ کے بھائی بن جائیں۔

اگر آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ صلح کے ذریعہ یہ آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنی شان و شوکت اور جنگی صلاحیت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے دھوکہ سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ وہ اس سے پہلے بھی آپ کی مدد کر چکا ہے۔ (ابن کثیر ۳۲۲ / ۲)

ایک نعمتِ الٰہی کا بیان

۶۳۔ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ ؕ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ○
اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسی نے تو ان (مسلمانوں) کے دلوں میں

الفت ڈالی ۔ اگر آپ وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتے جو زمین میں ہے تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے ۔ لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈالی کیونکہ وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ایک نعمت یاد دلائی ہے کہ اس نے مہاجرین و انصار کے ذریعہ محض اپنے فضل سے آپ کی تائید کی ۔ ان کو آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت کی توفیق دی اور ان کو آپ کی مدد و نصرت کے لئے آمادہ کیا ۔ اگر آپ روئے زمین کے تمام خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تب بھی ان میں ویسی الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے جیسی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی، ان کی صدیوں پرانی عداوتوں کو محبت سے بدل دیا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (ال عمران آیت ۔ ۱۰۳)

اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے ۔ پھر اس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی سو تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم تو جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے ۔ لیکن اس نے تمہیں بچا لیا ۔

پھر فرمایا کہ بلاشبہ وہ غالب و حکیم ہے ۔ اس نے اپنی حکمت و قدرت سے آپ کی خاطر ان کے دلوں کو بدل دیا وہ زبردست ہے اس لئے سب کچھ کر سکتا ہے ۔

طبرانی نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے مل کر مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درخت کے خشک پتے تیز ہوا سے اور یہ کہ ان کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں گو وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں ۔ (ابن کثیر ۳۲۳ / ۲، حقانی ۲۷۶ / ۲)

مومنوں کو جہاد کی ترغیب

۶۴-۶۶، يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ
عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ
يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ اَلْئٰنَ
خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ
مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا
اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور جو مسلمان آپ کی اتباع کرتے ہیں وہ کافی ہیں۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کو جہاد پر رغبت دلائیے۔ اگر تم میں بیس آدمی صبر کرنے والے (ثابت قدم رہنے والے) ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی (صبر کرنے والے) ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اس لئے کہ وہ کافر ناسمجھ قوم ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ ابھی تم میں ضعف ہے، سو اگر تم میں سے سو آدمی صابر (ثابت قدم) ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

حَرِّضْ: تو ترغیب دلا۔ تو تاکید کر۔ تَحْرِيْضٌ سے امر۔

مِائَتَيْنِ: دو سو۔

اَلْفًا: ہزار۔

يَفْقَهُوْنَ: وہ سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ فِقْهٌ سے مضارع۔

ضَعْفًا: ضعف۔ کمزوری۔ ناتوانی۔ مصدر ہے۔

خَفَّفَ: اس نے تخفیف کی۔ اس نے ہلکا کر دیا۔ تَخْفِيْفٌ سے ماضی۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جملہ امور میں آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور ان مومنوں

کے لئے بھی اللہ کافی ہے جو آپ کی اتباع کر رہے ہیں۔ آیت کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اللہ اور وہ مومن کافی ہیں جو آپ کی اتباع کر رہے ہیں۔

آپ مومنوں کو جہاد کی خوب ترغیب دیتے رہئے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر ذلیل و خوار ہو۔ مسلمانوں کو جہاد کے وقت کافروں کی کثرت کو خاطر میں نہیں لانا چاہئے۔ ہمارا وعدہ ہے کہ اگر ان میں سے بیس آدمی صابر و ثابت قدم ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں گے۔ اگر صابر و ثابت قدم رہنے والوں کی تعداد ایک سو ہو گی تو وہ ایک ہزار پر غالب آئیں گے۔ پھر جب مسلمانوں پر یہ حکم گراں گزرا تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے صبر و استقامت میں ضعف و کمزوری کے پیش نظر اس میں تخفیف کر کے یہ حکم دیا کہ اب دو سو کافروں کے مقابلے میں سو صابر ثابت قدم مسلمان غالب رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد نصف ہو تو ان کے لئے دشمن کے مقابلے سے بھاگنا جائز نہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ پھر وہ کیوں غالب نہ ہوں گے۔ (مواہب الرحمن ۱۰/۳۳۔۳۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صف بندی اور دشمن کے مقابلے کے وقت برابر فوجوں کا دل بڑھاتے۔ بدر کے دن آپ نے فرمایا کہ اس جنت کو حاصل کرو جس کا عرض (چوڑائی) آسمان و زمین کے (عرض کے) برابر ہے۔ حضرت عمیر بن حمام نے (تعجب سے) عرض کیا اتنی چوڑائی۔ آپ نے فرمایا ہاں اتنی ہی۔ انہوں نے کہا کہ واہ واہ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کس ارادے سے کہا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس امید پر کہ شاید اللہ مجھے بھی جنتی کر دے۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک تو جنتی ہے۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار کا میان توڑ دیا اور کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ اب ان کو کھانے تک یہاں ٹھہرنا بھی مجھ پر گراں ہے، اپنے ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں۔ پھر وہ دشمن پر جھپٹ پڑے اور خوب قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (ابن کثیر ۲/۳۲۴)

جنگی قیدیوں کے احکام

۶۷۔۶۹ مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ۭ

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قبضہ میں قیدی رہیں جب تک کہ وہ (نبی) زمین پر اچھی طرح خونریزی نہ کرلیں۔ تم تو دنیا کا مال و متاع چاہتے ہو اور اللہ (تمہیں) آخرت (دینا) چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے اگر نہ ہوتی ایک بات جو اللہ تعالیٰ پہلے سے لکھ چکا ہے تو جو کچھ تم نے (بدر کے قیدیوں سے) لے لیا ہے اس پر تمہیں بڑی سزا ملتی۔ سو جو کچھ مال غنیمت تمہیں ملا ہے اس کو حلال و طیب سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اَسْرٰی: قیدی۔ واحد اَسِیْرٌ۔

یُثْخِنَ: وہ خوب قتل کرتا ہے۔ وہ کثرت سے خون بہاتا ہے۔ اِثْخَانٌ سے مضارع۔

عَرَضَ: مال و متاع۔ سامان۔ جمع عُرُوْضٌ۔

شانِ نزول: مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں لوگوں سے مشورہ لیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے انہیں تمہارے قبضے میں دے دیا ہے۔ (بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے) پس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کی گردنیں مار دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منہ پھیر لیا۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے انہیں تمہارے بس میں کر دیا ہے۔ کل تک یہ تمہارے بھائی بندہی تھے۔ حضرت عمرؓ نے پھر کھڑے ہو کر اپنا جواب دہرایا اور آپ نے پھر ان سے منہ پھیر لیا اور پھر وہی فرمایا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رائے میں تو آپ ان کو معاف فرمادیجئے اور فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دیجئے۔ یہ سن کر آپ کے چہرہ انور سے غم کے آثار جاتے رہے۔ پھر آپ نے سب کو معاف فرمادیا اور فدیہ لے کر سب کو آزاد کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ابن کثیر ۳۲۵ / ۲)

تشریح: بدر کی لڑائی میں مشرکوں کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ستر قیدیوں کو مدینے منورہ لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کے سامنے دو صورتیں پیش کیں۔ ۱۔ قتل کردینا یا ۲۔ فدیہ لے کر چھوڑ دینا۔ یہ دوسری صورت اس شرط پر تھی کہ آئندہ سال اسی تعداد میں تمہارے آدمی قتل کئے جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے اس معاملے میں رائے طلب کی۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب آپ کے خویش و اقارب اور بھائی بند ہیں۔ اس لئے آپ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے۔ اس احسان کے بعد ممکن ہے کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اور ان کی اولاد ہمارے دست و بازو بنیں اور ان سے فدیہ کے طور پر حاصل ہونے والا مال جہاد کے کاموں میں لگے۔ رہا آیندہ سال ہمارے ستر آدمیوں کا شہید ہو جانا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ان کو درجہ شہادت ملے گا۔ فطری رحمدلی اور شفقت کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان بھی اسی رائے کی طرف تھا۔ صحابہ کرام میں سے بہت سے لوگ تو ان ہی خیالات کی بنا پر جو حضرت ابو بکرؓ کے تھے اور بعض مالی فائدے کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ لوگ کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں۔ اس لئے ان کو قتل کر دیا جائے تاکہ کفر و شرک کا سر ٹوٹ جائے اور مشرکین پر ہیبت طاری ہو جائے۔ الغرض بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ پر عمل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ پہلی آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ صحابہ کرام کی سخت اجتہادی غلطی تھی۔ جن لوگوں نے مالی فوائد پر نظر کر کے اس رائے سے اتفاق کیا تھا ان کو مخاطب کر کے واضح طور پر فرمایا کہ تم دنیا کے فانی اسباب پر نظر کر رہے ہو حالانکہ مومن کی نظر انجام پر ہونی چاہئے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ پر پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ مواخذہ نہ ہوگا ورنہ تم نے فدیہ لے کر جو کافروں کو چھوڑا تو اس کی پاداش میں تم پر عذاب نازل ہوتا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ کے کوئی اس سے نجات نہ پاتا۔

اس عتاب و تہدید سے مسلمان ڈر گئے کہ مال غنیمت کو جس میں قیدیوں سے لیا ہوا فدیہ

بھی شامل ہے اب ہاتھ نہیں لگانا چاہئے۔ تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی و اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ جو کچھ تم نے ان سے فدیہ کے طور پر لیا ہے یا غنیمت کے طور پر لائے ہو وہ اللہ کی عطا ہے اور تمہارے لئے حلال و طیب ہے۔ سو تم اس کو خوشی سے کھاؤ پیو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے لیکن آئندہ ایسی باتوں سے پرہیز کرتے رہنا۔

(عثمانی ۵۳۳-۵۳۴ / ۱، حقانی ۴۷۷-۴۷۸ / ۲)

فدیہ کا نعم البدل

۷۰-۷۱ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو قیدی آپ کے قبضے میں ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں میں نیکی معلوم ہوگی تو وہ تمہیں اس سے بہتر دے دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر یہ لوگ آپ سے دغا کرنا چاہیں گے تو اس سے پہلے یہ خود اللہ تعالیٰ سے دغا کر چکے ہیں سو اس نے ان کو گرفتار کرا دیا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان قیدیوں سے کہہ دیجئے کہ جو کچھ تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے اس پر تمہیں افسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہارے دل میں بھلائی اور نیکی ہوگی اور تم اسلام لے آؤ گے تو تمہیں دنیا میں ہی اس سے بہتر مال دے دیا جائے گا جو تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا کیونکہ وہ خوب بخشنے والا مہربان ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ لوگ آپ کے پاس سے جانے کے بعد پھر شرارت کریں گے تو آپ اس کی ذرا پروا نہ کریں۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے اللہ کے ساتھ شرارت کی تھی۔ جس کا انجام مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہونے کی صورت میں ہوا۔ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ ان سے

بدلہ لینے پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہے اور نہ کسی کو اس کی حکمتوں کے ادراک کی قدرت ہے۔ (حقانی ۲/۴۷۸)

مومنوں میں باہمی رفاقت

۷۲۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ (انصار) جنہوں نے (مہاجروں کو) رہنے کی جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو لوگ ایمان تو لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں تمہیں ان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں اور اگر وہ تم سے دینی کام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ (ان کی) مدد کرنا لازم ہے۔ مگر اس قوم کے مقابلے میں نہیں کہ ان میں اور تم میں عہد ہو اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

تشریح: اس آیت میں ہجرت و نصرت اسلام کے اعتبار سے اس زمانے کے مسلمانوں کی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو ابتداء میں اللہ تعالیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، فرشتوں، قیامت اور دیگر انبیاء پر صدق دل سے ایمان لائے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے بیوی بچے، عزیز و اقارب، دوست و احباب اور وطن سب کچھ چھوڑ کر مدینے کی طرف ہجرت کی اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

(۲) جن لوگوں (انصار) نے اہل اسلام کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی جگہ دی اور اپنے اموال میں سے ان کو حصہ دیا اور ان کے ساتھ مل کر دشمنانِ اسلام سے لڑائی کی۔

پھر مذکورہ دونوں قسموں کے بارے میں فرمایا کہ سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں بھائی چارہ کرایا۔ ایک ایک انصاری کو ایک ایک مہاجر کا بھائی بنادیا۔ یہ بھائی بندی قرابتداری سے بھی مقدم تھی۔

(۳) وہ مسلمان جو ایمان تو لائے مگر ہجرت کرکے مدینے منورہ میں نہ آئے ان کے بارے میں دو حکم بیان فرمائے کہ تم پر ان کی حمایت ضروری نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں۔ فتح مکہ سے پہلے ہجرت فرض تھی۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ اگر وہ دینی امور میں تم سے مدد طلب کریں تو ان کی مدد ضرور کرو کیونکہ وہ اہل ایمان ہیں۔ لیکن اگر ان کے مقابلے پر کوئی ایسا قبیلہ ہو کہ تمہارے اور اس قبیلے کے درمیان صلح کا معاہدہ ہو تو تم ہرگز عہد شکنی نہ کرو۔ (حقانی ۴۷۹/ ۲)

کفار کی باہمی رفاقت

۷۳۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۤءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۞

اور جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اگر تم ایسا نہ کروگے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔

تشریح: تمام کافر خواہ وہ مشرک ہوں یا یہود و نصاری سب آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔ یہ لوگ باہمی اختلاف کے باوجود مسلمانوں کی دشمنی میں سب ایک ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو نہ تو ان کافروں سے دوستی کرنی چاہئے اور نہ ان کے لئے دوسرے مسلمانوں کے خلاف ان کافروں کی مدد کرنا جائز ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ بخاری و مسلم نے صحیحین اور اصحاب السنن نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ مسلمان کافر کا

وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلم کا۔

پھر فرمایا کہ اگر تم آپس میں ایک دوسرے کی مدد واعانت نہ کرو گے تو اس سے زمین پر کفر کا فتنہ پھیل جائے گا۔ فساد برپا ہو جائے گا اور آخر کار کفر غالب آجائے گا۔ (حقانی ۴۸۰ / ۲، مظہری ۱۲۲ / ۴)

مہاجرین وانصار کے فضائل

۷۴۔ ۷۵۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۚ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ (انصار) جنہوں نے رہنے کی جگہ دی اور مدد کی وہی سچے مسلمان ہیں۔ انہی کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت بھی کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور جو لوگ رشتہ دار ہیں وہ اللہ کے حکم کی رو سے آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تشریح: مسلمانوں کی مذکورہ بالا تین قسموں میں سے پہلی دو قسموں کے مسلمانوں کے بارے میں فرمایا کہ یہی لوگ حقیقی مسلمان ہیں۔ ان کے کامل الایمان ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں۔ انہی کے لئے آخرت میں مغفرت اور جنت میں عزت کی روزی ہے۔

جو لوگ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے، پھر ہجرت کر کے آپ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ کے ساتھ جہادوں میں شریک ہوئے وہ بھی احکام کے اعتبار سے مہاجرین اولین میں شامل ہیں۔ اگرچہ ہجرت میں تاخیر کی وجہ سے ان کا مرتبہ کم ہے۔ تم ان کے وارث اور وہ تمہارے وارث ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورہ توبہ

وجہِ تسمیہ: سورۃ الحمد کی طرح اس سورت کے بھی بہت سے نام ہیں ۔ ان میں سے دو نام براٴت اور توبہ زیادہ مشہور ہیں ۔

۱۔ **براٴت :** اس کو سورہ براٴت اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی براٴت و بیزاری کا اعلان فرمایا ہے ۔

۲۔ **توبہ :** اس کو سورہ توبہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں تین نیک مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے یا اس میں توبہ کا ذکر بار بار آیا ہے ۔

۳۔ **سورۂ مُقَشْقِشَہ :** یہ نفاق سے بیزاری کا اظہار کرتی ہے ۔

۴۔ **سورۃ الفاضِحَۃ :** اہلِ نفاق کی فضیحت و رسوائی کرنے والی ۔

۵۔ **سورۂ مُبَعْثِرَہ :** لوگوں کے اندرونی رازوں کی پردہ کشائی کرتی ہے ۔

اسی طرح اور نام بھی ہیں ۔ مثلاً **مُنَكِّلَہ** ۔ عذاب والی ۔ **مُدَمْدِمَہ** ۔ تباہی لانے والی وغیرہ ۔

تعارف: اس میں سولہ رکوع ، ایک سو انتیس یا ایک سو تیس آیتیں ، ۲۵۳۷ کلمات اور ۱۱۳۶۰ حروف ہیں ۔ یہ سورۃ بالاتفاق مدنی ہے ۔ فتح مکہ کے بعد سب سے آخر میں نازل ہوئی ۔

حضرت براٴ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سب سے آخری سورت جو نازل ہوئی وہ سورۃ براٴت ہے اور سب سے آخر میں جو آیت اتری وہ سورۃ نساء کی آیت ۱۷۶ یعنی

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ہے۔ (بخاری شریف کتب التفسیر سورۃ نساء)

سورۃ کے شروع میں عہد توڑنے والوں سے برأت و بیزاری اور متعلقہ احکام کا ذکر ہے۔ پھر فتح مکہ اور غزوہ حنین کا بیان ہے۔ آخر میں غزوہ تبوک کے واقعات اور اس میں شرکت نہ کرنے والوں پر عتاب اور ملامت کا بیان ہے۔

بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ: ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ انفال مثانی میں سے ہے اور برأت مئین میں سے۔ آپ نے دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا اور ان کے درمیان میں **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** نہیں لکھی اور برأت کو سبع طوال میں درج کر دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی کئی سورتیں ایک ساتھ نازل ہوتی تھیں۔ جب کچھ نازل ہوتا تو آپ کاتب وحی کو بلوا کر حکم دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ لکھو، جہاں یہ یہ ذکر ہے۔ سورۃ انفال مدینے کے ابتدائی ایام یعنی ہجرت کے فوراً بعد نازل ہوئی اور یہ سورہ برأت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ دونوں کا مضمون باہم ملتا جلتا تھا اور مجھے خیال ہوا کہ یہ بھی کہیں اسی میں سے نہ ہو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگی میں صراحت نہیں فرمائی کہ یہ اس میں سے ہے یعنی سورہ برأت سورہ انفال کا جزو ہے، اس لئے میں نے دونوں سورتوں کو متصل لکھا اور ان کے درمیان **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** نہیں لکھی اور انہیں پہلی سات لمبی سورتوں میں رکھا۔ امام احمد، ابو داؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ حاکم نے اس کو صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔ (مظہری ۳۲ / ۴، ابن کثیر ۳۳۱ / ۲)

سورت کا سببِ نزول: ہجرت کے آٹھویں سال مکہ مکرمہ فتح ہوا تو بہت سے قبائل اسلام لائے اور بہت سوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا عہد کر لیا کہ وہ آپ سے اور آپ کے حلیفوں سے جنگ نہ کریں گے اور مدد کے موقع پر آپ کو مدد دیں گے۔ جب ہجرت کے نویں سال آپ شام کی طرف غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کے بعد بہت سے قبائل نے بد عہدی کی۔ منافقوں نے بھی خوب افواہیں پھیلائیں۔ غزوہ تبوک سے واپس آنے کے

بعد یہ سورۃ نازل ہوئی، جس میں ان بد عہدوں، غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں اور غلط باتیں اڑانے والوں کی سرزنش ہے۔ (حقانی ۲/۴۸۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: شروع میں عہد شکنوں سے برأت اور ان کو چار مہینے کی مہلت دینے اور عہد پورا کرنے والوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ پھر میثاقِ حدیبیہ توڑنے والوں کا حکم اور اسلام سمجھنے کے لئے آنے والوں کو پناہ دینے کی تاکید ہے۔

رکوع ۲: اعلانِ برأت کی حکمت اور عہد شکنوں کی بدخصالیوں کا بیان ہے۔ پھر کفر کے سرداروں کی بیخ کنی اور کافروں سے جنگ کی ترغیب دی گئی ہے۔ آخر میں جہاد کی ایک حکمت بتائی گئی ہے کہ اس سے کھوٹے اور کھرے کی تمیز ہو جاتی ہے۔

رکوع ۳: مشرکین کے فخر و ناز کا جواب اور مہاجرین و مجاہدین کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ آخر میں کافروں سے ترکِ موالات کا حکم ہے۔

رکوع ۴: غزوات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی نصرت خاص طور پر غزوہ حنین میں تائیدِ غیبی اور نزولِ سکینت کا بیان ہے۔ پھر مسجد الحرام میں مشرکین کے داخل ہونے کی ممانعت اور اہلِ کتاب سے جہاد و قتال کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۵: اہلِ کتاب کے عقائدِ باطلہ کا بیان اور کفار کا حق کو مٹانے کی کوشش کرنا۔ احبار و رہبان کا شر و فساد، مال جمع کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کا انجام۔ اہلِ عرب کی ایک جاہلانہ رسم یعنی حرمت والے مہینوں کی تعین میں اپنی مرضی سے رد و بدل کرنا۔

رکوع ۶: سستی کی وجہ سے جہاد میں نہ جانے والوں پر عتاب، تائیدِ غیبی اور جہاد و قتال کی تاکید کا بیان ہے۔

رکوع ۷: خدائے لطیف و خبیر کا عتاب لطیف، منافقین متخلفین کے احوال اور جد بن قیس کے نفاق کا بیان ہے۔ پھر منافقین کے حسد و نفاق اور ان کی باطنی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں صدقات کی تقسیم کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر

منافقین کے تہمت لگانے کا ذکر ہے۔

رکوع ۸: زکوۃ کے مصارف بیان کئے گئے ہیں۔ پھر منافقوں کی بری حرکات، ان کی بدبختی و خود فریبی اور اسلام پر طعن و تشنیع مذکور ہے۔

رکوع ۹: منافقوں کی بد باطنی اور گزشتہ سرکش اقوام سے ان کا موازنہ اور ان کے انجام سے خبردار کرنا مذکور ہے۔ پھر مومنوں کے لئے مغفرت اور رضائے الہیٰ کی بشارت کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۰: مسلمانوں کو کفار و منافقین کے ساتھ جہاد و قتال کرنے کا حکم، منافقین کی احسان فراموشی اور ان کی عہد شکنی کے انجام کا بیان ہے۔ آخر میں مومنوں کے صدقات پر منافقوں کی طعنہ زنی بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۱۱: متخلفین منافقین کو دردناک انجام کی خبر اور منافقوں کو آئندہ کسی جہاد میں لے جانے کی ممانعت کا بیان ہے۔ پھر منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت اور غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے منافقوں کے حیلے بہانوں کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۲: غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین کا عذرِ کاذب اور مومنین کے عذرِ صادق کا بیان ہے۔ اس کے بعد منافقین کا عذر قبول کرنے کی ممانعت اور دیہات کے منافقین کی مذمت کی گئی ہے۔ آخر میں دیہات کے مومنوں کے لئے رحمتِ خداوندی کی بشارت دی گئی ہے۔

رکوع ۱۳: پہلے سبقت و اولیت والے مہاجرین و انصار کا ذکر ہے، پھر کامل منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین متخلفین کی توبہ قبول کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا صدقہ قبول کرنے کا حکم دیا گیا۔ آخر میں مسجدِ ضرار بنانے والوں کا حال اور ان کا انجام بتایا گیا ہے۔

رکوع ۱۴: مجاہدین کے فضائل اور صفاتِ فاضلہ اور مشرکین کے لئے دعاء مغفرت کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ پھر مومنین متخلفین کا ذکر اور توبہ مؤخر کئے جانے والے تین اصحاب کی توبہ کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۱۵: پرہیزگاری اختیار کرنے اور صادقین کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں کی ملامت ہے۔ آخر میں مسلمانوں میں سے

کچھ لوگوں کو دین کی سمجھ پیدا کرنے کی تاکید ہے۔

رکوع ۱۶: جہاد و قتال کی ترتیب بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے قریب ترین کافروں سے قتال کیا جائے۔ پھر ان کے بعد جو سب سے قریب ہوں وغیرہ۔ پھر منافقین کی کج فہمی اور امت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال شفقت و رأفت کو بیان کیا گیا ہے۔

عہد شکنوں سے اعلان برأت

۲،۱ بَرَاۗءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے دستبرداری ہے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا۔ پس (اے مشرکو!) تم اس سرزمین میں چار مہینے تک چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

بَرَاۗءَةٌ: دستبرداری، خلاصی، چھٹکارا پانا۔ صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

فَسِيْحُوْا: پس تم سیاحت کرو۔ پس تم چلو پھرو۔ سَیْحٌ و سِیَاحَۃٌ سے امر۔

مُخْزِي: رسوا کرنے والا۔ ذلیل کرنے والا۔ اِخْزَاءٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا تھا۔ جس کے نتیجہ میں بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے۔ کچھ عرصے کے بعد بنی بکر نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے بھی معاہدہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حملہ آوروں کی اسلحہ وغیرہ سے مدد کی۔ اس طرح قریش اور ان کے حلیفوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور معاہدہ ختم کر دیا گیا۔ پھر ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حملہ کر کے مکہ فتح کر لیا۔ ان قبائل کے سوا دیگر قبائل سے مسلمانوں کا میعادی یا غیر میعادی معاہدہ تھا۔ جن میں سے بعض قبائل اپنے معاہدے پر قائم رہے۔ کچھ قبائل ایسے بھی

تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔ ان آیات میں ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا۔ مگر میعادی نہ تھا۔ ان لوگوں کو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ نہیں رکھنا چاہتے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ۔

جب قبائل عرب، مشرکوں اور یہود مدینہ نے معاہدے توڑ دیئے تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی معاہدوں کو پورا کرنے سے بری الذمہ ہیں۔ اب مشرکوں کو علانیہ طور پر بتادو کہ ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اس مدت میں وہ امن و سکون اور آزادی سے ساتھ چل پھر سکتے ہیں۔ ان کے جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ نیز مہلت کے زمانے میں اگر وہ چاہیں تو اسلامی برادری میں شامل ہو جائیں ورنہ وہ وطن چھوڑ کر مرکزِ ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دیں یا جنگی مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں۔ بہرحال وہ اپنے لئے کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ تلاش کرنے میں بھی پوری طرح آزاد ہوں گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس مہلت کی ابتدا، حج اکبر یعنی عید کے دن سے شروع ہو کر دس ربیع الثانی کو ختم ہو گی۔

پھر فرمایا کہ خوب جان لو کہ اگرچہ اس نے تمہیں مہلت دے دی ہے مگر تم اللہ تعالیٰ پر غالب نہیں آسکتے اور نہ تم اس کی گرفت سے بچ سکتے ہو خواہ تم زمین کے کسی خطہ اور گوشہ میں چلے جاؤ اور یہ بھی جان لو کہ اگر اسلام نہ لائے تو وہ تمہیں دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار کرے گا۔ دنیا میں تو قتل اور قید کی ذلت و رسوائی ہو گی اور آخرت میں عذابِ جہنم کی خواری ہو گی۔ (مظہری ۱۳۳/۴، عثمانی ۵۴۰/۱)

عام اعلانِ برأت

۳۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں مشرکوں (کو امن دینے) سے دستبردار ہوتے

ہیں۔ سو اگر تم (کفر و شرک سے) توبہ کر لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم
نے (اسلام سے) منہ موڑا تو جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہ کر سکو گے اور آپ
کافروں کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

الْحَجِّ الْاَكْبَرِ شریعت میں ہر حج کو حج اکبر اور عمرے کو حج اصغر کہتے ہیں۔ اسی لئے آیت میں حج
کے ساتھ لفظ اکبر لگا کر اس کی صفت بیان کر دی تاکہ عمرے کا احتمال نہ رہے۔
عام لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ حج اکبر وہ حج ہے جو خاص جمعہ کے دن ہو،
اس کی کوئی اصل نہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج اکبر کے دن عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے بری الذمہ، بیزار اور الگ ہیں۔ پہلا اعلانِ برأت صرف ان مشرکوں سے تھا۔ جنہوں نے معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کی تھی اور یہ اعلانِ برأت عام ہے۔ اس میں عہد شکنی کرنے والے کافروں سے بھی برأت کا ذکر کیا گیا ہے اور ان مشرکوں سے بھی جنہوں نے کوئی معاہدہ ہی نہیں کیا۔

یوم الحج الاکبر کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ بغویؒ نے بروایت عکرمہؓ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یوم الحج الاکبر یومِ عرفہ ہے۔ بغویؒ نے حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے۔ مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یومِ عرفہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الحج عرفہ (حج عرفہ کا نام ہے) حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

حضرت مسور بن مخرمہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ کا دن حج اکبر کا دن ہے۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یوم الحج الاکبر سے مراد قربانی کا دن ہے۔ بخاری شریف، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کے دن جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے فرمایا آج کون سا دن ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ قربانی کا دن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ یوم حج اکبر ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد یوم النحر ہے کیونکہ اس دن حج کی تکمیل ہوتی ہے۔

مجاہدؒ اور سفیان ثوریؒ سے منقول ہے اس سے مراد تمام ایامِ حج ہیں جیسا کہ یومِ جمل و یومِ صفین سے تمام ایامِ جنگ مراد ہوتے ہیں۔ غرض حج اکبر سے یا تو دس ذی الحجہ کا دن مراد ہے یا پھر نو ذی الحجہ یعنی عرفہ کا دن مراد ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر یہ مشرک کفر و شرک سے توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ اگر وہ ایمان نہ لائیں، توبہ نہ کریں اور کفر و شرک پر اڑے رہیں تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور ان کی قوت و طاقت ان کو اللہ کے قہر و عذاب سے نہیں بچا سکتی اور نہ وہ اللہ کی گرفت سے بھاگ کر کہیں جا سکتے ہیں اور نہ وہ اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ تو دنیا کی ذلت و رسوائی ہوئی۔ آخرت کا دردناک عذاب اس کے علاوہ ہے۔ (روح المعانی ۴۶ / ۱۰، مظہری ۱۳۴ / ۴)

عہد پورا کرنے والوں کا حکم

۴۔ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○

البتہ جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا۔ پھر انہوں نے تمہارے ساتھ (عہد میں) ذرا کمی نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان کے معاہدوں کو ان کی (مقررہ) مدت تک پورا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) پرہیز کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تشریح: اس آیت میں ان لوگوں کے معاہدوں کا حکم بیان کیا گیا ہے جنہوں نے ایک مقررہ مدت کے لئے صلح کا معاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان لوگوں کے معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا جنہوں نے ایک خاص مدت کے لئے صلح کا معاہدہ کیا۔ وہ اس پر قائم رہے، اس کو پورا کرنے میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ مسلمانوں کے مقابلے میں انہوں نے ان کے دشمن کی مدد کی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور عہد کی پابندی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ معاہدے کی مدت ختم ہونے کے بعد کوئی نیا معاہدہ نہیں ہوگا۔ اس وقت ان کے لئے بھی وہی راستہ ہوگا جو اوروں کے لئے تھا۔ یہ حکم بنو ضمرہ اور بنو مدلج کے معاہدوں کے بارے میں تھا۔

اس حکم کی رو سے ان کو نو مہینے کی مہلت مل گئی کیونکہ اس وقت ان کے معاہدے کے نو مہینے باقی تھے۔

یمثاقِ حدیبیہ توڑنے والوں کا حکم

۵۔ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

پھر جب پناہ کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور ان کو پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بیشک اللہ بہت مغفرت کرنے والا (اور) مہربان ہے۔

اِنْسَلَخَ: وہ نکل گیا۔ وہ گزر گیا۔ اِنْسِلَاخٌ سے ماضی۔

مَرْصَدٍ: گھات کی جگہ۔ کمین گاہ۔ رَصْدٌ سے مبالغہ یا اسم ظرف۔

وَاقْعُدُوْا: اور تم بیٹھو۔ قُعُوْدٌ سے امر۔

تشریح: مشرکینِ مکہ نے یمثاقِ حدیبیہ کو خود توڑ دیا تھا۔ اس لئے یہ لوگ اب مزید کسی مہلت کے مستحق نہ تھے۔ مگر جس وقت معاہدوں سے برأت کا حکم نازل ہوا وہ اشہر حرم کا زمانہ تھا جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ و قتال ممنوع ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ ان لوگوں نے عہد شکنی کر کے اپنا کوئی حق باقی نہیں چھوڑا۔ مگر حرمت والے مہینوں کے احترام میں فوری طور پر ان کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اس عرصے میں وہ مکہ چھوڑ کر جہاں مناسب سمجھیں سہولت و اطمینان کے ساتھ چلے جائیں یا اگر ان پر اسلام کی حقانیت روشن ہو چکی ہے تو وہ اسلام قبول کر لیں اور شعائرِ اسلامی کو بجالائیں۔ یعنی نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں ورنہ حدودِ حرم یا حل میں جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے ان کو قتل کیا جائے گا یا ان کو قیدی بنایا جائے گا۔ اگر وہ قلعہ بند ہو جائیں تو ان کا محاصرہ کر کے ان کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ یا تو جنگ کریں یا مسلمان ہو

جائیں یا جزیہ دینا قبول کریں ۔ پھر فرمایا کہ ہر کمین گاہ میں ان کی گھات لگا کر بیٹھو تاکہ وہ جدھر سے بھی آئیں تم ان کو گرفتار کر لو ۔ پھر اگر وہ تائب ہو کر شعائرِ اسلامی کو بجا لائیں یعنی نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تم بھی ان کا راستہ چھوڑ دو ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربانی کرنے والا ہے ۔ (مظہری ۱۳۹ / ۴)

پناہ طلب کرنے والے کا حکم

۶۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ٥

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اس کو پناہ دے دیجئے تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے ۔ پھر آپ اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے ۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے ۔

اِسْتَجَارَكَ: اس نے تجھ سے پناہ مانگی ۔ اِسْتِجَارَةٌ سے ماضی ۔

اَبْلِغْهُ: تو اس کو پہنچا دے ۔ اِبْلَاغٌ سے امر ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جن کافروں سے آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے اگر ان میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا کلام سننے اور اسلام کو سمجھنے کے لئے آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اس کو پناہ دے دیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور آپ کی باتیں سن لے اور اسلام کی حقیقت کو سمجھ لے ۔ پس اگر وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننے کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو اس کو امن و حفاظت کے ساتھ اس کی قوم اور قبیلے تک پہنچا دو اور اس سے کوئی تعرض نہ کرو ۔ ممکن ہے وہ سوچ سمجھ کر حق کو قبول کر لے ۔ یہ رعایت ان کو اس لئے دی گئی ہے کہ ان کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے کیونکہ وہ لوگ اللہ کے دین اور اس کے کلام سے بے خبر اور ناواقف ہیں ۔ (روح المعانی ۵۳ ۔ ۵۴ / ۱۰، ابن کثیر ۳۳۷ / ۲)

اعلانِ برأت کی حکمت

۷۔ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا
الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ
فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکوں کا عہد کیسے (قابل رعایت) رہے گا سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد کیا تھا۔ (یعنی جنہوں نے عہد کو قائم رکھا) پھر جب تک یہ لوگ تمہارے ساتھ سیدھی طرح رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھی طرح رہو۔ (جب تک یہ عہد نہ توڑیں تم بھی عہد کی مدت پوری کرو)

تشریح: گزشتہ آیتوں میں جو برأت کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہاں اس کی حکمت بیان کی گئی ہے کہ ایسے لوگوں سے وفا کی امید رکھنا عبث ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ان مشرکین کا کوئی عہد قابلِ رعایت کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ بار بار عہد شکنی کرتے رہے ہیں۔ ایسے دغا باز اور غدار لوگوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگوں سے برأت و بیزاری عین مصلحت ہے۔ البتہ ان میں سے جن لوگوں سے تم عہد کر چکے ہو اور انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تو تم بھی اپنے عہد پر اس وقت تک قائم رہو جب تک کہ وہ وفائے عہد کرتے رہیں۔ اور تم اس بارے میں خاص احتیاط رکھو کہ تمہاری طرف سے کوئی ایسی معمولی سی بات بھی نہ ہونے پائے جس سے تمہارا دامن عہد شکنی کی گندگی سے آلودہ اور داغدار ہو جائے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو وہی لوگ محبوب ہیں جو اپنے معاملات میں پوری احتیاط کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی ۵۴۲/۱)

مشرکین کی عاداتِ بد

۸۔۱۱، كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ
يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝
اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ

مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ٥ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۚ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ٥

ان سے عہد کس طرح پورا کیا جائے جبکہ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پالیں تو وہ نہ تو تمہاری قرابت کالحاظ کریں گے اور نہ عہد کا ۔ یہ تمہیں اپنی زبانی باتوں سے راضی کر دیتے ہیں اور ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں سے اکثر بد عہد ہیں ۔ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے بیچ دیا ۔ پس وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں ۔ بیشک ان کا یہ عمل بہت ہی برا ہے ۔ یہ لوگ کسی مسلمان کے حق میں نہ تو قرابت کالحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد کا اور یہ لوگ حد سے تجاوز کر رہے ہیں ۔ پھر اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیتے رہیں تو یہ بھی تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے اور ہم جاننے والوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں ۔

یَرْقُبُوْا: وہ لحاظ کریں گے ۔ وہ رعایت کریں گے ۔ رَقْبٌ و رُقُوْبٌ سے مضارع ۔

ذِمَّةً: وعدہ ۔ عہد ۔ جمع ذِمَمٌ

ثَمَنًا: قیمت ۔ دام ۔ جمع اَثْمَانٌ ۔

فَصَدُّوْا: پس انہوں نے روکا ۔ صَدٌّ سے ماضی ۔

سَآءَ: وہ برا ہے ۔ سُوْءٌ سے ماضی ۔ فعل ذم ہے ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کے مکر و فریب اور بغض و عداوت سے آگاہ کیا ہے تاکہ وہ ان سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں اور نہ وہ ان کے قول و قرار پر بھروسہ کریں ۔ ان کا کفر و شرک ان کو وعدوں کی پابندی سے باز رکھتا ہے ۔ یہ لوگ تو موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ اگر یہ تم پر غلبہ پالیں تو نہ قرابت کالحاظ کریں اور نہ قول و قرار کی پاسداری کریں ۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے مقابلے میں اپنے آپ کو کمزور پاتے ہیں تو بظاہر تم سے صلح کرنے لگتے ہیں اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے تمہیں راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ حالانکہ

وہ دل میں دغا رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر فاسق و بدکار ہیں کہ کسی قول و قرار پر قائم نہیں رہتے۔
یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بدلے میں دنیا کے معمولی سے فائدے کو ترجیح دی اور لوگوں کو دینِ اسلام میں داخل ہونے سے روکا۔ بلاشبہ ان کے اعمال بہت ہی برے ہیں۔ یہ لوگ تو مومنوں کو نقصان پہنچانے ہی کے درپے ہیں۔ نہ انہیں رشتہ داری کا خیال ہے، نہ معاہدے کا پاس۔ یہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ ان کی شرارتوں اور زیادتی کی کوئی حد نہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے عہد و پیمان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ لوگ کفر و شرک سے توبہ کرلیں، شعائر اسلامی کو بجالاتے ہوئے نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو پھر یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اسلام لانے سے تمہارے اور ان کے حقوق برابر ہو جائیں گے۔ اہلِ علم و اہلِ فہم کے لئے، ہم اپنے احکام اسی طرح تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔
(حقانی ۴۸۴ / ۲، ابن کثیر ۳۳۸ / ۲)

کفر کے سرداروں کی بیخ کنی کا حکم

۱۲ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝

اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین (اسلام) پر طعن کریں تو تم لوگ کفر کے سرداروں سے اس خیال سے قتال کرو کہ شاید وہ (اپنی حرکتوں سے) باز آجائیں۔ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔

نَكَثُوْا: انہوں نے عہد کو توڑا۔ نَكْثٌ سے ماضی۔

اَيْمَانَهُمْ: ان کی قسمیں۔ واحد يَمِيْنٌ

طَعَنُوْا: انہوں نے طعنہ دیا۔ انہوں نے عیب نکالا۔ طَعْنٌ سے ماضی۔

يَنْتَهُوْنَ: وہ رکتے ہیں۔ وہ باز رہتے ہیں۔ اِنْتِهَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: اگر یہ کفار و مشرکین اپنے عہد و پیمان کو توڑ کر تمہارے ساتھ وعدہ خلافی کریں۔ تمہارے دین اسلام پر اعتراض کریں، احکامِ شریعت پر نکتہ چینی اور ان کی تحقیر و تکذیب کریں تو تم بھی ان سردارانِ کفر سے خوب جہاد و قتال کرو۔ ان کی عہد شکنی کے سبب ان کی قسمیں اور ان کے

عہد و پیمان باقی نہیں رہے۔ ان کو کفر و عناد سے روکنے کا یہی طریقہ ہے۔

یہاں ائمۃ الکفر سے مراد یہ ہے کہ لوگ اپنی عہد شکنی کی وجہ سے کفر کے امام و قائد ہو کر اس بات کے مستحق ہو گئے کہ ان سے جنگ و قتال کیا جائے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ائمۃ الکفر سے مراد مکہ کے وہ سردار ہیں جو لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتے اور جنگی تیاریوں میں لگے رہتے تھے۔ ان سے جنگ کرنے کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر فرمایا کہ اہل مکہ کی طاقت کا سرچشمہ یہی لوگ تھے۔ (ابن کثیر ۳۳۸، ۳۳۹ / ۲، معارف القرآن ۳۲۳ / ۴)

کفار سے جنگ کی ترغیب

۱۳-۱۵ أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ
وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ
إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ
وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ
۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

کیا تم اس قوم سے نہیں لڑو گے۔ جس نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور وہ رسول کے اخراج کی فکر میں ہیں اور انہوں نے (چھیڑ خوانی میں) خود ہی تم سے پہل کی کیا تم ان سے (قتال کرنے میں) ڈرتے ہو۔ پس اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ تم ان سے قتال کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا۔ اور ان کو رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ دے گا اور مومنوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا اور وہ ان کے دلوں سے غیظ (و غضب) کو دور کرے گا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا توبہ (کی توفیق) نصیب کرے گا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔

هَمُّوا: انہوں نے ارادہ کیا۔ انہوں نے قصد کیا۔ ہَمٌّ سے ماضی۔

بَدَءُوكُمْ: انہوں نے تم سے پہلے شروع کیا۔ انہوں نے تم سے پہلے ابتداء کی۔ بَدْءٌ سے ماضی۔

یُخۡزِھِمۡ: وہ ان کو ذلیل کرے گا۔ وہ ان کو رسوا کرے گا۔ اِخۡزَاءٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابو الشیخ نے قتادہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کے بارے میں ہوا جن کو مکہ میں بنی بکر نے قتل کیا تھا۔ عکرمہؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کے متعلق ہوا۔ (مظہری ۱۴۵/۴)

تشریح: یہاں کفار سے جنگ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ان سے جنگ نہ کرنے میں مسلمانوں کو عار دلائی گئی ہے کہ تم ان مشرکوں سے جنگ و قتال کیوں نہیں کرتے جنہوں نے عہد توڑ ڈالے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالنے کا قصد کیا۔ دار الندوہ میں جمع ہو کر اس کام کے لئے مشورے اور تدبیریں کیں اور تم سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں پہل کی۔

جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں قسمیں توڑنے سے مراد وہ عہد شکنی ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد مشرکین کی طرف سے ہوئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھٹے سال عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ کا قصد کیا۔ آپ کے ہمراہ چودہ سو آدمی تھے۔ جب آپ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے تقریباً نو میل کے فاصلے پر ہے تو مشرکین مکہ نے آپ کا راستہ روکا اور آمادہ ، جنگ ہوئے۔ آخر دس سال تک باہم جنگ نہ کرنے، آئندہ سال ہتھیاروں کے بغیر آکر عمرہ کرنے اور ایک دوسرے کے حلیف کو نہ ستانے جیسی شرائط پر صلح ہو گئی اور آپ وہیں سے مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ قبیلہ بنو بکر نے قریش کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور بنو خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا۔ دونوں قبیلوں میں مدت سے عداوت تھی صلح کے نتیجہ میں جب دونوں قبیلوں کے لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے تو کچھ عرصہ کے بعد بنو بکر نے بنو خزاعہ پر شبخون مارا۔ دونوں قبیلوں میں خوب جنگ ہوئی۔ قریش نے معاہدہ، حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہتھیاروں اور آدمیوں سے بنو بکر کی مدد کی۔ آخر بنو خزاعہ کو شکست ہو گئی۔ بنو خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم نے مدینہ منورہ پہنچ کر آپ سے فریاد کی۔ آخر کار معاہدۂ حدیبیہ ٹوٹ گیا۔ یہی واقعہ فتح مکہ کا سبب بنا۔

پھر فرمایا کہ کیا تم کافروں کی قوت و شوکت اور ان کے جنگی ساز و سامان سے ڈر کر ان سے جنگ و قتال کرنے سے کتراتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس کی قوت و قدرت پر نظر کرتے ہوئے اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے ڈرو۔ ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ

بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرے۔ اس کے قہر و غضب سے لرزاں و ترساں رہے۔ کیونکہ نفع و ضرر سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی مشیت کے بغیر کسی کو ادنیٰ سے ادنیٰ نفع و ضرر پہنچانے پر قادر نہیں۔

جب مسلمان کمزور تھے تو کافر ان کو بے پناہ تکلیفیں دیا کرتے تھے۔ جس سے ان کے دلوں میں غصہ اور رنج رہتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم ان شریر کافروں سے جہاد و قتال کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کے غرور و تکبر اور مومنوں کو ستانے کے سبب ان کو تمہارے ہاتھ قید و قتل کر کے ان کو ذلت و رسوائی کے عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ اور برتری عطا فرمائے گا۔ جس سے کافروں کے بارے میں تمہارے دلوں کا غیض و غضب جو بیماری کی طرح تمہیں بے چین کئے ہوئے ہے جاتا رہے گا اور تمہارے دل اس بیماری سے شفا پاجائیں گے۔ اور ان کافروں میں سے بھی اللہ جس کو چاہے گا کفر سے توبہ اور قبول اسلام کی توفیق عطا فرما دے گا۔ اگرچہ تمہیں ابھی اس کا علم نہیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد بہت سے اہل مکہ ایمان لے آئے۔ اور اچھے مسلمان ہوگئے۔ جیسے ابو سفیان، سہل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ رضی اللہ عنہم حالانکہ اسلام لانے سے پہلے یہ لوگ ائمہ کفر تھے۔ اللہ نے ان پر احسان کیا اور ان کو ایمان کی توفیق دی اور اللہ خوب جانتا ہے کہ ان کافروں میں سے کون کون ایمان لانے والے ہیں۔ وہی حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ (مواہب الرحمن ۶۶،۶۵ / ۱۰، حقانی ۲/۴۸۶،۴۸۵)۔

ایمان کی کسوٹی

۱۶۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کو (ظاہری طور پر) معلوم ہی نہیں کیا جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں

بنایا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔

حَسِبْتُمْ: تم نے گمان کیا۔ تم نے خیال کیا۔ حِسْبَانٌ سے ماضی۔

تُتْرَكُوْا: تمہیں ترک کر دیا جائے۔ تمہیں چھوڑ دیا جائے۔ تَرْکٌ سے مضارع مجہول۔

وَلِيْجَةً: بھیدی۔ دلی دوست۔ راز دار

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں امتحان لئے بغیر یونہی تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کو ابھی دوسرے لوگوں سے ممتاز نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بھی جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے سوا کسی اور کو دلی دوست نہیں بناتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (سورہ عنکبوت۔ آیات ۲، ۳)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ آزمائش سے گزرے بغیر ہی صرف اس لئے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایمان لے آئے۔ حالانکہ ہم نے ان سے پہلے مومنوں کو بھی آزمایا ہے۔ پس یاد رکھو اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں کو ضرور الگ الگ کرے گا۔

پس جہاد فرض کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ کھرے اور کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ تم جو کچھ کرتے ہو، جس غرض اور جس نیت سے کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کو وہ سب معلوم ہے۔ جو کچھ اب ہونے والا ہے۔ وہ بھی اس کو معلوم ہے اور جو کچھ آئندہ ہو گا، کب ہو گا، اور کس طرح ہو گا وہ سب اس کو معلوم ہے۔ وہ ہر چیز کی حالت سے واقف ہے اور چاہتا ہے کہ دنیا پر بھی کھرا کھوٹا اور جھوٹ سچ ظاہر کر دے۔ (روح المعانی ۶۳، ۶۴ / ۱۰ ابن کثیر ۳۴۰ / ۲)

مشرکین کے فخر و ناز کا جواب

۱۷۔۱۸۔ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝

مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ خود اپنے اوپر کفر (کی باتوں) کا اقرار کر رہے ہوں۔ ان لوگوں کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور وہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ بیشک اللہ کی مسجدوں کو تو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور نماز قائم کرتا ہو اور زکوۃ ادا کرتا ہو اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو۔ پس توقع ہے کہ ایسے لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔

یَعْمُرُوْا: وہ تعمیر کرتے ہیں۔ وہ آباد کرتے ہیں۔ عَمْرٌ عِمَارَۃٌ سے مضارع

حَبِطَتْ: وہ ناپید ہو گئے۔ وہ ضائع ہو گئے۔ حَبْطٌ سے ماضی۔

فَعَسٰی: سو عنقریب۔ پس جلد۔ پس امید ہے۔ یہ فعل مقاربہ ہے۔

شانِ نزول: بغویؒ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب جنگ بدر میں حضرت عباسؓ گرفتار ہو کر آئے تو مسلمانوں نے ان کو کفر اختیار کرنے اور قرابت منقطع کرنے کی شرم و عار دلائی اور حضرت علیؓ نے ان سے سخت کلامی کی۔

پھر (اس کے جواب میں) حضرت عباسؓ نے کہا کہ تم ہماری برائیوں کا تو ذکر کرتے ہو لیکن تم ہماری خوبیوں کا تذکرہ نہیں کرتے اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت علیؓ نے تعجب سے کہا کہ کیا تم لوگوں میں کچھ خوبیاں بھی ہیں۔ حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ ہاں۔ ہم مسجد حرام تعمیر کرتے ہیں۔ ہم کعبہ کی دربانی کرتے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عباسؓ کے کلام کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۱۴۶ / ۴، روح المعانی ۶۵ / ۱۰)

تشریح: مشرکین مکہ مسجد حرام کو آباد رکھتے اور اس کا انتظام کرتے تھے۔ حج کے دنوں میں حاجیوں کو پانی پلاتے تھے۔ وہ اپنی ان خدمات پر فخر کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ان سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کس کا درجہ ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کعبہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کی تعمیر کریں اور ان کو آباد کریں کیونکہ مسجد تو وہ جگہ ہے جہاں صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ایسی عبادت کی جائے جو اس کی شان کے لائق ہو۔ جبکہ مشرکین نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ کفر و شرک سے باز آتے ہیں۔ انہوں نے تو کعبہ میں سیکڑوں مورتیاں نصب کر رکھی ہیں۔ یہ لوگ ان کی نذر و نیاز کرتے اور منتیں مانتے ہیں۔ ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اللہ کے ذکر کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کو وہاں آنے سے روکتے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کا حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کا انتظام کرنا اور کعبہ کا غلاف چڑھانا جیسے اعمال بے جان و بے روح ہیں۔ کیونکہ کفر و شرک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا جمع ہونا ہی محال ہے۔ پھر کفر و شرک تو تمام اچھے اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس لئے اللہ کے ہاں ان کا کوئی عمل قبول نہیں۔ اسی بنا پر وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے۔

پھر فرمایا کے مساجد کی تعمیر کا اصل حق تو انہی لوگوں کو ہے جو عقائد اور اعمال کے اعتبار سے احکامِ الٰہی کے پابند ہوں، اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز و زکوٰۃ کے پابند ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔ سو امید ہے کہ ایسے لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (عثمانی، ۵۴۵ / ۱۔ مظہری ۱۴۶۔۱۴۹ / ۴)

امام احمد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کو مسجد آباد کرتے دیکھو (مسجد میں آنے جانے کی عادت والا دیکھو) تو اس کے مومن ہونے کی شہادت دو کیونکہ اللہ نے فرمایا

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ .....

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص گھر میں اچھی طرح وضو کرنے کے بعد مسجد کو جاتا ہے وہ اللہ کی ملاقات کو آنے والا (اللہ کا مہمان) ہو جاتا ہے اور میزبان پر حق ہے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔

شیخین نے صحیح میں اور امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور بغوی رحمہم اللہ نے روایت کی کہ

جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوئی مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ویسا ہی مکان بنائے گا۔ (مظہری ۱۴۸ / ۴، ابن کثیر ۳۴۰ / ۲، روح المعانی ۶۵، ۶۶ / ۱۰)

مہاجرین و مجاہدین کے فضائل

۱۹-۲۲۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کو آباد کرنا اس شخص کے اعمال کے برابر قرار دے لیا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ لوگ برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا تو اللہ کے ہاں ان کے لئے بڑا درجہ ہے اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضامندی کی بشارت دیتا ہے اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمت ہوگی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے

يَسْتَوٗنَ: وہ برابر ہوتے ہیں۔ اِسْتِوَاءٌ سے مضارع۔

نَعِيْمٌ: بڑی نعمت۔ آرام۔

مُقِيْمٌ: دائمی۔ اٹل۔ ابدی۔ اِقَامَۃٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: مسلم، ابو داؤد، ابن جریر اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے حضرت

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں چند صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ہم میں سے ایک آدمی کہنے لگا کہ اسلام لانے کے بعد اگر میں کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پرواہ نہیں سوائے اس کے کہ میں حاجیوں کو پانی پلاؤں۔ دوسرے نے کہا کہ نہیں بلکہ مسجد الحرام کی آباد کاری (سب سے اچھا عمل ہے لہذا میں تو وہی کروں گا) ایک اور آدمی نے کہا کہ جو کچھ تم نے کہا اس سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس اپنی آوازوں کو بلند مت کرو۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن کا ہے۔ اور جب تم جمعہ کی نماز پڑھ لوگے تو میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمہارے ان جھگڑوں کے بارے میں دریافت کروں گا۔ اس پر آیت **اَجَعَلْتُمْ** سے **الظّٰلِمِيْنَ** تک نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۶۷/ ۱۰، مظہری ۱۴۹/ ۴، ابن کثیر ۳۴۲/ ۲)

ابن جریر نے محمد بن کعب کی روایت سے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علی، حضرت عباس اور حضرت طلحہ بن شیبہ رضی اللہ عنہم کے حق میں ہوا تھا۔ تینوں اپنی اپنی بزرگیاں بیان کر رہے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے کہا کہ میں کعبہ کا متولی ہوں، میرے ہاتھ میں کعبہ کی کنجیاں ہیں اگر چاہوں تو میں وہاں رات گذار سکتا ہوں۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ میں حاجیوں کو زم زم پلاتا ہوں اور اس کا نگہبان ہوں۔ اگر چاہوں تو ساری رات مسجد میں رہ سکتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ تم دونوں کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلے کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھی ہیں اور میں صاحب جہاد ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر ۳۴۱/ ۲، مظہری ۱۵۰/ ۴)

تشریح: اللہ تعالیٰ کے نزدیک حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی خدمت بجالانے والا اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اس کی راہ میں جہاد و قتال کیا۔ کافر چونکہ اپنے کفر و شرک کی وجہ سے انتہا درجہ کے ظالم ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و عناد کی وجہ سے یہ لوگ اللہ کی رحمت سے دور ہیں۔ اس لئے ان کی بڑی سے بڑی نیکی بھی اللہ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ ان کی ہر نیکی کو کفر و شرک کا گھن کھا جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کے لئے

اپنے گھر بار و عزیز و اقارب چھوڑ کر اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کیا تو اللہ کے نزدیک ایسے لوگوں کے لئے بڑے درجات ہیں۔ ان کے درجات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دنیا و آخرت کے اعتبار سے یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص رحمت اور رضا کی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں دائمی نعمتیں ہوں گی یہ لوگ ان نعمتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایسا اجر عظیم ہے کہ اس کے سامنے تمام دنیا ہیچ ہے

کافروں سے ترکِ مُوالات کا حکم

۲۳۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو دوست رکھے سو ایسے ہی لوگ بڑے نافرمان ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) بھیج دے۔ اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اِقْتَرَفْتُمُوْهَا: تم نے اس کو کمایا۔ اِقْتِرَافٌ سے ماضی۔

کَسَادَھَا: اس کا مندا ہونا۔ اس کی تجارت نہ چلنا۔ مصدر ہے۔
فَتَرَبَّصُوْا: پس تم منتظر رہو۔ تَرَبُّصٌ سے امر۔
شانِ نزول: ثعلبیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب مومنوں کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو بعض لوگوں کے اہل و عیال ان سے چمٹ گئے اور اللہ کا واسطہ دے کر کہنے لگے کہ (ہمیں چھوڑ) جانے کا ارادہ ترک کر دو۔ اس سے وہ سست ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر ہم ہجرت کر جائیں تو اپنے والدین و اولاد و اقارب کا رشتہ قطع کریں گے اور ہماری تجارتیں جاتی رہیں گی۔ ہمارے اموال ہلاک ہو جائیں گے اور ہمارے شہر تباہ ہو جائیں گے اور ہم برباد ہو جائیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل نے کہا کہ یہ آیت ان نو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مرتد ہو کر مکہ چلے گئے تھے اور کافروں سے جا ملے تھے۔ ان کے اقارب کو ان سے موالات کرنے سے منع کر دیا گیا۔
(مواہب الرحمن ۴۷/۱۰، روح المعانی ۷۰/۱۰)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں سے ترکِ موالات یعنی ان کی دوستی ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ خواہ وہ ماں باپ ہوں یا بہن بھائی، بشرطیکہ وہ کفر کو اسلام پر ترجیح دیں۔ جو شخص اللہ کے حکم کے باوجود اپنے کافر ماں باپ، بہن بھائی اور دیگر رشتہ داروں سے دوستانہ تعلقات رکھے گا، ان کو مسلمانوں کے راز بتائے گا اور ہجرت چھوڑ کر ان کے ساتھ رہنے کو پسند کرے گا تو وہ یقیناً بے انصاف اور ظالم ہو گا۔

اگر تمہیں اپنے ماں باپ، بیٹے، بھائی، اموال تجارت اور مکان وغیرہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو پھر کافروں کے ساتھ تم بھی عذاب برداشت کرنے کے لئے تیار رہو۔ پھر جو حال ان کا ہو گا وہی تمہارا بھی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

(مظہری ۲۰۴، ۲۰۵/ ۴، مواہب الرحمن ۷۴، ۷۵/ ۱۰)

زہرہ بن معبد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ سوائے میری اپنی جان کے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہو

گا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ رکھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ خدا کی قسم اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اب اے عمرؓ! (تو مومن ہو گیا)
(مسند احمد ۵/۳۲۲)

غزوات میں نصرتِ خداوندی

۲۵۔۲۷ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (جنگ) کے بہت سے موقعوں پر (کفار کے مقابلے میں) تمہاری مدد کر چکا ہے اور (جنگِ) حنین کے دن بھی جب تم اپنی کثرت پر خوش تھے۔ پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور اپنی فراخی کے باوجود تم پر زمین تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں (کے دلوں) پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور (ان کی مدد کے لئے) ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہے توبہ نصیب کر دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مَوَاطِنَ: مواقع۔ جگہیں۔ جنگ کے میدان۔ واحد مَوْطِنٌ
اَعْجَبَتْكُمْ: وہ تم کو اچھی لگی۔ وہ تم کو بھلی لگی۔ اِعْجَابٌ سے ماضی۔
ضَاقَتْ: وہ تنگی کرنے لگی۔ وہ تنگ ہو گئی۔ ضَيْقٌ و ضِيْقٌ سے ماضی۔
رَحُبَتْ: وہ کشادہ ہوئی۔ وہ فراخ ہوئی۔ رُحْبٌ و رَحَابَةٌ سے ماضی۔

جُنُوداً: لشکر۔ فوجیں۔ واحد جُندٌ۔

تشریح: فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ہوازن و ثقیف کے کفار مسلمانوں سے جنگ کے لئے حنین کے مقام پر جمع ہوئے ہیں۔ آپ بارہ ہزار کی جمعیت لے کر ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔ ان بارہ ہزار میں دس ہزار تو وہ مہاجرین و انصار تھے جو مدینے منورہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار مکہ کے نو مسلم تھے۔ ادھر کافروں کی تعداد چار ہزار اور بعض روایتوں کے مطابق ۲۲، ۲۴ یا ۲۸ ہزار تھی۔

اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ نکلا کہ آج ہم تعداد کی قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ مسلمانوں نے اس کی نصرت و اعانت پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنی کثرت پر نظر کی۔ حالانکہ فتح تو اللہ تعالیٰ ہی کی نصرت و اعانت سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ جنگی ساز و سامان اور فوج کی کثرت سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لئے پہلے تو ان کو شکست سے دوچار کیا تاکہ ان کو احساس ہو جائے کہ فتح کا دار و مدار قوت و کثرت پر نہیں بلکہ اللہ کی تائید و حمایت پر ہے۔ پھر جب ان کو اپنی لغزش کا احساس ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے تائیدِ غیبی سے شکست کو فتح سے بدل دیا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس طرح اس نے دوسرے بہت سے مواقع پر ان کی مدد و اعانت کی تھی اسی طرح اس نے حنین کے دن بھی مسلمانوں کی غیبی امداد کی جبکہ ان کی عددی کثرت جس پر انہیں فخر و ناز تھا۔ انکے ذرا بھی کام نہ آئی اور وہ دشمن کے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور فراخی کے باوجود ان پر زمین تنگ ہو گئی۔ پھر جب ان کو اپنی لغزش اور خطاء کا احساس ہو گیا اور ان کا فخر و غرور زائل ہو گیا اور انہوں نے اپنی کثرت کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت پر نظر کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی خاص رحمت و سکینت نازل فرمائی۔ جس سے ان کے دلوں کو اطمینان و سکون نصیب ہوا اور ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے ایسے لشکر اتارے جن کو وہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ مگر ان کے آثار کو محسوس کرتے تھے۔ اس تائیدِ غیبی کی وجہ سے مومنوں کو غلبہ حاصل ہوا اور کافروں کو سزا ملی کہ وہ قتل بھی ہوئے اور گرفتار بھی۔ دنیا میں کافروں کی یہی سزا ہے۔

پھر فرمایا کہ اس سزا کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی رحمت سے اسلام کی توفیق بخش

دے گا کیونکہ وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ چنانچہ ہوازن وثقیف کے بہت سے لوگ تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ (ابن کثیر ۳۴۳۔ ۳۴۶ / ۲)

مشرکین کے لئے ایک سال کی مہلت

۲۸۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

اے ایمان والو! مشرک لوگ بڑے ناپاک ہیں۔ سو اس سال کے بعد یہ لوگ مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں اور اگر تمہیں مفلسی کا اندیشہ ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اگر اللہ نے چاہا تو وہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

نَجَسٌ: نجس۔ پلید۔ ناپاک۔ مصدر ہے۔

عَيْلَةٌ: محتاجی۔ فقر۔ مفلسی۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ اس سال کے بعد جس میں یہ حکم سنایا گیا ہے مشرکوں کو مسجدِ حرام میں نہ آنے دو کیونکہ وہ ناپاک ہیں۔ ان کی نجاست باطنی بھی ہے۔ جیسے کفر و شرک اور وہ ظاہری طور پر بھی نجس ہیں کیونکہ وہ نہ طہارت کرتے ہیں اور نہ نجاستوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ وہ نجس العین نہیں۔

مسجد الحرام کے سوا دوسری مساجد میں داخل ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اہلِ مدینہ تمام مساجد سے منع کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دوسری مساجد میں آنے کی ممانعت نہیں کیونکہ آپ نے ثمامہ بن اثال کو اپنی مسجد میں باندھا تھا اور ثقیف کے وفد کو بھی وہیں ٹھہرایا تھا۔

پھر فرمایا کہ اگر مشرکین کی آمد و رفت بند ہو جانے سے، تمہیں معاشی مشکلات کا اندیشہ ہو تو سمجھ لو کہ تمام مخلوق کی معاش کا نظام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنے فضل و مہربانی سے

تمہیں دوسرے طریقوں سے غنی اور مالدار کر کے ان تمام کفار سے مستغنی کر دے گا کیونکہ وہ مادی اسباب کا محتاج نہیں۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو پھر اسباب خود بخود پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پس اس کے چاہنے کی دیر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ اس طرح پورا فرمایا کہ آسمان سے اچھی بارش فرما دی جس سے خوب غلہ پیدا ہوا۔ اہل صنعاء اور یمن وغیرہ کو اسلام کی ہدایت فرمائی جس سے مکہ میں غلہ کی بڑی مقدار آئی۔ پھر شام و روم وغیرہ فتح کرا دیئے۔ جس سے مال غنیمت اور جزیہ بڑی مقدار میں حاصل ہوا۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔ تمہاری مصلحتوں کو وہ تم سے زیادہ جانتا ہے۔ اس کی حکمت و علم سے بعض کو ملتا ہے اور بعض کو نہیں ملتا۔ بعض چیز ملتی ہے اور بعض چیز نہیں ملتی، بعض وقت ملتی ہے اور بعض وقت نہیں ملتی۔ یہی عین حکمت ہے۔

(حقانی ۲/۲۹۱، مواہب الرحمن ۸۴، ۱۰/۸۵)

اہلِ کتاب سے جہاد کا حکم

۲۹۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○

ان اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا منظور کر لیں۔

يَدِيْنُوْنَ: وہ دین اختیار کرتے ہیں۔ وہ اطاعت کرتے ہیں۔ دِيْنٌ سے مضارع۔

الْجِزْيَةَ: فدیہ۔ خراج۔ وہ رقم جو اسلامی حکومت میں سکونت پذیر کافروں سے سالانہ وصول کی جاتی ہے۔

صٰغِرُوْنَ: بے عزت۔ ذلیل۔ خوار۔ صِغَارٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: مشرکین سے جہاد و قتال کے ذکر کے بعد اس آیت میں اہل کتاب سے جہاد کا حکم ہے گویا یہ غزوہ تبوک کی تمہید ہے۔ جو اہل کتاب کے مقابلے میں پیش آیا۔ اگرچہ لغوی اعتبار سے لفظ اہل کتاب ہر اس کافر جماعت کے لئے استعمال ہو سکتا ہے جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہو مگر قرآن کریم میں یہ لفظ یہود و نصاریٰ کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ عرب کے قرب و جوار میں اہل کتاب کے یہی دو گروہ معروف تھے۔

یہود و نصاریٰ چونکہ اہل علم تھے۔ ان کے پاس توریت و انجیل کا علم تھا۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اور حلیہ تک نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ اس علم کے باوجود ان کا کفر و انکار اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا ان کے جرم کی سنگینی کو شدید بنا دیتا ہے۔ اسی لئے ان سے جنگ و قتال کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں اہل کتب کے ساتھ جنگ کی چار وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

۱ - لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ

وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔

یہود و نصاریٰ اگرچہ علانیہ طور پر توحید کا انکار نہیں کرتے۔ مگر یہود حضرت عزیر کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہہ کر ان کو اس کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ پس درحقیقت یہ لوگ اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ ایسے خدا پر ایمان رکھتے ہیں جس کے بیٹے ہوں۔ اس لئے ان کا توحید و ایمان کا دعویٰ غلط ہے

۲ - وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور نہ وہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

یہود روز آخرت اس دن کو کہتے ہیں جس میں وہ لوگ بڑے آرام سے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کی چوری، دغا بازی، ظلم، فریب اور زناکاری وغیرہ کسی بھی جرم کا ان سے مواخذہ نہ ہو گا اور صرف وہی جنت کے مالک ہوں گے۔ کوئی اور اس میں نہ جا سکے گا۔ نصاریٰ کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گناہوں کے بدلے سولی چڑھ گئے۔ اب ان کے سوا جنت کا حقدار کوئی نہیں۔ جو کچھ گناہ وہ دنیا میں کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں ان سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہو گی۔ پس یہ لوگ اس قسم کے روزِ آخرت کے قائل ہیں۔ جبکہ حقیقت میں ایسا کوئی روزِ آخرت نہ ہو گا۔ بلکہ روزِ قیامت تو وہ دن ہے جب آدمی سے ذرہ ذرہ کا حساب اور پورا پورا عدل و انصاف

ہو گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اس نے نیک کام کئے وہ ثواب و آرام پائے گا اور جنت میں اپنے اعمال کے مطابق درجات حاصل کرے گا۔ خواہ وہ کوئی ہو اور جو کافر رہا، مشرک، بدکار و گنہگار رہا وہ اپنے کئے پر گرفتار ہو کر عذاب پائے گا۔ اس دن کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر نہیں لے گا اور نہ کسی کی بدکاری میں دوسرا پکڑا جائے گا بلکہ ہر ایک اپنے کئے کی جزا یا سزا پائے گا۔

۳ - وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

وہ ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام بتایا ہے۔

یہود و نصاریٰ بہت سی ایسی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جن کو توریت و انجیل نے حرام قرار دیا تھا۔ جیسے سود، چربی وغیرہ۔ یہود پر چربی کھانا حرام تھا مگر انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کر کے اس کی قیمت کھانا شروع کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تنبیہ فرما دی کہ وہ شرعی احکام میں یہود کی مانند حیلہ و فریب نہ کریں۔

۴ - وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ

وہ سچے دین کو قبول نہیں کرتے۔

یہود و نصاریٰ دین اسلام کو قبول نہیں کرتے حالانکہ دین اسلام نے دوسرے تمام دینوں کو منسوخ کر دیا اب قیامت تک یہی دین ثابت و قائم رہے گا۔

آخر میں فرمایا کہ ان لوگوں سے اس وقت تک قتال کرتے رہو جب تک کہ وہ تمہارے ماتحت ہو کر اور تمہاری رعایا بن کر جزیہ دینا منظور نہ کر لیں۔

(معارف القرآن ۳۵۹ - ۳۶۲ / ۴، مواہب الرحمن ۸۷ - ۸۸ / ۱۰)

اہلِ کتاب کے عقائد باطلہ

۳۰ - ۳۱ - وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا

اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے ہو چکے۔ اللہ ان کو ہلاک کرے۔ یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں اور مریم کے بیٹے مسیح کو خدا ٹھہرا لیا ہے۔ حالانکہ ان کو ایک معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ان کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

يُضَاهِئُوْنَ: وہ مشابہ ہوتے ہیں۔ وہ برابری کرتے ہیں۔ مُضَاهَأَةٌ سے مضارع۔

يُؤْفَكُوْنَ: وہ لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ پھیرے جاتے ہیں۔ اَفْكٌ و اُفُوْكٌ سے مضارع۔

اَحْبَارَهُمْ: ان کے علماء۔ یہود کے علماء۔ واحد حِبْرٌ۔

رُهْبَانَهُمْ: ان کے درویش۔ اہل نصاریٰ کے علماء۔ ان کے عبادت گزار۔ واحد رَاهِبٌ۔

اَرْبَابًا: بہت سے رب۔ کئی معبود۔ واحد رَبٌّ۔

تشریح: ان آیتوں میں یہود و نصاریٰ کے باطل عقائد اور شرکیہ افعال کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے۔ اسی طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس لئے یہود و نصاریٰ دونوں کا توحید و ایمان کا دعویٰ غلط ہے۔ اس طرح عقیدے کے اعتبار سے یہ دونوں مشرکوں کی مانند ہیں جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔

ان کا شرک کوئی مخفی چیز نہیں بلکہ یہ تو صاف طور پر اپنی زبانوں سے اس کا اقرار کرتے ہیں۔ اور یہ ان کی اپنی ہی کی ہوئی باتیں ہیں جن کی نہ کوئی حقیقت و اصلیت ہے اور نہ کوئی سند و دلیل۔ جس طرح ان سے پہلے لوگ کفر و گمراہی میں مبتلا تھے۔ اسی طرح یہ بھی گمراہ ہیں۔ خدا ان کو غارت کرے۔ یہ توحید کی روشنی چھوڑ کر شرک کی تاریکی کی طرف جا رہے ہیں۔ اور کفر و معصیت کی جو باتیں ان کے اگلے پڑھے لکھے اور درویش لوگ کہہ گئے ہیں یہ انہیں کو بلا دلیل مانتے اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کا انکار کئے جا رہے ہیں۔

دوسری آیت میں ان کے افعالِ کفریہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا رکھا ہے۔ یہ لوگ ان کے احکام و اقوال کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ توریت و انجیل کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں اور ان پر عمل کرنا بھی اسی طرح ضروری سمجھتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل ضروری ہے۔ پس ایسی بلا چوں و چرا اطاعت عبادت کے حکم میں ہے۔ یہی ان کا شرک ہے۔ حالانکہ توریت و انجیل میں اللہ تعالیٰ نے ان کو صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا تھا۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔ نہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ بیٹی۔

(ابن کثیر ۳۴۸، ۳۴۹ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۱۲، ۳۱۶ / ۳)

کفار کا حق کو مٹانے کی کوشش کرنا

۳۲-۳۳ يُرِيدُونَ أَنْ يُّطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُّتِمَّ نُورَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهٗ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّينِ كُلِّهٖ لا وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

وہ لوگ اللہ کے نور (دین) کو اپنے منہ سے بجھا دینا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے بغیر نہیں رہے گا۔ خواہ کفار کتنے ہی ناخوش ہوں۔ اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ وہ اس کو (باقی) تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

يُطْفِئُوا: وہ اس کو بجھاتے ہیں۔ اِطْفَاءٌ سے مضارع۔

يَأْبَى: وہ انکار کرتا ہے۔ وہ باز رہتا ہے۔ اِبَاءٌ سے مضارع۔

لِيُظْهِرَهٗ: تاکہ وہ اس کو غالب کرے۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی نیک بخت بھٹک جاتا ہے تو وہ روشنی کا متلاشی ہوتا ہے۔ پھر جب اس کو روشنی مل جاتی ہے تو وہ راہِ راست پر آجاتا ہے۔ اس کے برخلاف تمام کافریہ

چاہتے ہیں کہ اللہ کے نورِ ہدایت ہی کو بجھادیں، ہدایتِ خداوندی اور دینِ حق کو مٹادیں۔ لیکن یہ ان کی خام خیالی اور سعی لاحاصل ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنے منہ کی پھونک سے سورج اور چاند کی روشنی کو نہیں بجھا سکتا۔ اسی طرح یہ لوگ بھی اپنی مقدور بھر کوشش کے باوجود نورِ خدا کو بجھانے سے عاجز و بے بس رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ دینِ حق کا بول بالا ہو کر رہے گا۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان کی خواہش پر غالب رہے گا۔

اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ اپنا پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا ہے تاکہ وہ اس دینِ اسلام کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کر دیں خواہ یہ بات مشرکوں کو بری ہی لگے۔

مفسرین کے اقوال کے مطابق اس آیت کے مفہوم میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ دین سے مراد دینِ اسلام ہے۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام ادیان یعنی تمام دیگر مذاہب پر غالب کر دیا جائے اور وہ سب رسوا ہو جائیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حکمت کے تقاضوں کے مطابق اسلام کے علاوہ دیگر تمام مذاہب منسوخ کر دیئے جائیں۔ اکثر مفسرین نے پہلا احتمال اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے دینِ اسلام کا تمام ادیان پر غالب آنا مراد ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہو گا جب اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہیں رہے گا۔

(ابن کثیر ۳۴۹ / ۲، روح المعانی ۸۶ / ۱۰)

اَحبار و رُہبان کا شر و فساد

۳۴۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ

اے ایمان والو! بیشک بہت سے احبار (عالم) اور رہبان (درویش) لوگوں کے اموال ناحق (طریقہ سے) کھاتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں

تشریح: ضحاکؒ نے کہا کہ احبار سے علماءِ یہود اور رہبان سے علماءِ نصاریٰ مراد ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے عالم اپنی کتابوں میں تحریف کرنے کے عادی تھے۔ وہ مال کی محبت اور لالچ میں، لوگوں کو طرح طرح کے شبہات میں مبتلا کرتے تھے اور ان سے پیسے لے کر احکامِ شرعیہ کو بدل

ڈالتے تھے۔ مثلاً رشوت لے کر لوگوں کے فیصلے ان کی خواہش کے مطابق کرنا۔ اللہ کے کلام میں تحریف کرنا۔ خود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر یہ کہنا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ حکم ہے۔ وغیرہ۔ اس لئے مسلمانوں کو ان کے مکر و فریب سے متنبہ فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ دُنیا کی حرص و طمع میں گرفتار ہیں اور لوگوں کو طرح طرح کے شبہات میں مبتلا کرتے اور ان سے پیسے لے کر شرعی احکام کو بدل دیتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں سے دور رہنا چاہئے۔ یہ لوگ تو تعظیم و تکریم ہی کے لائق نہیں چہ جائیکہ ان کو رب بنا لیا جائے۔ پس تم اپنے دین پر قائم رہو اور یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان کی مخالفت کا خیال نہ کرو۔ یہ لوگ نہ صرف احکامِ الٰہی میں تحریف کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے بھی روکتے ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کی مخالفت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

(مظہری ۱۹۶ / ۴، مواہب الرحمٰن ۱۰۵، ۱۰۶ / ۱۰)

مال جمع کرنے کا انجام

۳۴۔۵ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۚ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

اور جو لوگ (حرص سے) سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ جس دن اس مال کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور ان سے کہا جائیگا کہ) یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

يَكْنِزُوْنَ: وہ جمع کرتے ہیں۔ وہ اکٹھا کرتے ہیں۔ کَنْزٌ سے مضارع۔

يُحْمٰى: اس کو گرم کیا جائے گا۔ اِحْمَاءٌ سے مضارع مجہول۔

فَتُکْوٰی : پس داغ دیا جائے گا۔ کَیٌّ سے مضارع۔
جِبَاھُھُمْ : ان کے ماتھے۔ ان کی پیشانیاں۔ واحد جَبْھَۃٌ۔
جُنُوْبُھُمْ : ان کے پہلو۔ واحد جَنْبٌ۔
ظُھُوْرُھُمْ : ان کی پیٹھیں۔ ان کی پشتیں۔ واحد ظَھْرٌ۔
فَذُوْقُوْا : پس تم (مزا) چکھو۔ ذَوْقٌ سے امر۔

تشریح : جو لوگ حرص اور لالچ کی بنا پر سونے اور چاندی کو جمع کرکے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب کی بشارت ہے۔ قیامت کے روز ان کے جمع کردہ سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے اس سے ان کی پیشانیوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا کیونکہ یہ لوگ غریبوں اور مسکینوں کو دیکھ کر منہ موڑ لیتے تھے۔ پھر داغ دیتے وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی سونا چاندی ہے جس کو تم نے اپنے فائدے کے لئے جمع کر رکھا تھا اور تم اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کرتے تھے، سو اب تم اپنے ذخیرہ کئے ہوئے مال کے وبال کا مزہ چکھو۔

جمہور علماء مفسرین کے نزدیک اس آیت میں جس وعید کا ذکر ہے وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے مال کی زکوٰۃ اور حقوقِ واجبہ ادا نہ کرے۔ اس کے برعکس جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی جائے اس کے جمع کرنے پر کسی قسم کی وعید نہیں خواہ اس کی مالیت اربہا ارب ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا لفظ عام ہے۔ اس میں فرض زکوٰۃ، نفل خیرات اور تمام واجب و مستحب صدقات داخل ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ثواب کی امید سے اپنے بال بچوں پر صرف کرتا ہے، وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دینار وہ ہے جس کو تو اللہ کی راہ (جہاد) میں خرچ کرے، ایک دینار وہ ہے جو تو کسی غلام (کی آزادی) کے لئے صرف کرے ایک دینار وہ ہے جو تو کسی مسکین کو خیرات کرے۔ ایک دینار وہ ہے جو اپنے بال بچوں کے صرف میں لائے۔ ان میں سب سے زیادہ ثواب والا دینار وہ ہے جو تو اپنے بال بچوں کے صرف میں لائے۔

ابن مردویہؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مال کی زکوۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں یعنی لغت و عرف کے اعتبار سے تو وہ کنز ہو گا مگر شرعی اعتبار سے وہ ایسا کنز نہیں رہتا جس پر عذاب کی وعید آئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور اس نے اس مال کی زکوۃ ادا نہ کی ہو تو قیامت کے روز اس مال کو گنجے سانپ کی شکل میں بنا دیا جائے گا جس کی آنکھوں کے اوپر سیاہ نقطے ہوں گے۔ یہ سانپ طوق کی شکل میں اس کے گلے میں پڑ جائے گا اور اس کی دونوں باچھوں کو پکڑ کر (چیرے گا اور) کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا مال ہوں۔ (روح المعانی ۸۷ / ۱۰، مظہری ۱۹۷، ۲۰۱ / ۴)

اہلِ عرب کی ایک جاہلانہ رسم

۳۶۔۳۷ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِــُٔـوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

بیشک کتابِ الٰہی میں مہینوں کا شمار اسی روز سے جس روز اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا، اللہ کے نزدیک بارہ مہینے (معتبر) ہیں۔ ان میں سے چار مہینے احترام کے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ پس تم ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم مت کرو اور تم سب مل کر مشرکوں سے قتال کرو۔ جیسا کہ وہ سب مل کر تم سے قتال کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔ بیشک احترام کے کسی مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر کے زمانے میں (اپنی طرف

سے) بڑھائی ہوئی بات ہے۔ اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں۔ کسی سال تو وہ اس مہینے کو (نفسانی اغراض سے) حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال (جب کوئی غرض نہ ہو) تو وہ اس کو حرام رکھتے ہیں۔ تاکہ وہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے محترم کیا ہے۔ پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں۔ ان کی نظر میں ان کے برے کام اچھے کر دیئے گئے اور ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔

عِدَّۃً: گنتی۔ شمار۔ مدت

اَلْقَیِّمُ: قائم رکھنے والا۔ درست۔ سیدھا۔ قِیَامٌ سے صفت شبہ۔

کَآفَّۃً: سب۔ تمام۔ اسم جمع کے معنی میں آتا ہے۔

النَّسِیْٓءُ: آگے پیچھے کر دینا۔ ہٹا دینا۔

لِیُوَاطِئُوْا: تاکہ وہ پورا کریں۔ تاکہ وہ درست کریں۔ مُوَاطَئَۃٌ۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک مشرکینِ عرب کا دستور تھا کہ وہ حرمت والے مہینوں، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ ان مہینوں میں مار دھاڑ، قتل و غارت سب بند ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دشمن یا اپنے باپ کے قاتل کو بھی کچھ نہ کہتے تھے۔ اس لئے لوگ ان مہینوں میں امن و امان کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک عجیب بدعت بھی ایجاد کر رکھی تھی کہ جب ان میں سے کسی زور آور قبیلے کو ماہ محرم میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو ایک سردار یہ اعلان کر دیتا کہ اس سال انہوں نے محرم کو حرمت والے مہینوں سے نکال کر اس کی جگہ ماہ صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا ہے۔ پھر اگلے سال کہہ دیتے کہ قدیم دستور کے مطابق محرم حرمت والا اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح مشرکین عرب سال بھر میں حرمت والے چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے۔ لیکن ان کی تعین میں اپنی مرضی سے رد و بدل کرتے رہتے تھے۔ اور حسبِ ضرورت جس مہینے کو چاہتے حلال کر لیتے اور جس مہینے کو چاہتے حرام کر لیتے۔

اسی کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب سے اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اسی دن سے لوحِ محفوظ میں قمری اعتبار سے سال کے بارہ مہینے ہیں۔ جن میں سے چار مہینے نہایت ادب و احترام والے ہیں۔ ان محترم مہینوں میں سے تین مہینے ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم تو مسلسل

ہیں اور چوتھا مہینہ رجب کا ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے ۔ ان میں کوئی تغیر و تبدل اور تقدیم و تاخیر جائز نہیں ۔ یہی دینِ مستقیم ہے ۔ اس کے برعکس کسی حرمت والے مہینے کو حلال اور حلال مہینے کو حرام ٹھہرالینا نری جہالت، بے دینی اور گمراہی ہے ۔

ان مہینوں کو حرمت والے مہینے اس لئے کہا گیا کہ ایک تو ان میں قتال حرام ہے اور دوسرے ان میں عبادت کا زیادہ ثواب ملتا ہے ۔ پہلا حکم یعنی ان مہینوں میں قتال کا حرام ہونا تو اسلام میں منسوخ ہو گیا مگر دوسرا حکم یعنی ان میں عبادت کا زیادہ ثواب ملنا اسلام میں بھی باقی ہے ۔

زمانہ ، جاہلیت میں اہلِ عرب میں سے اکثریت کی گزر اوقات لوٹ مار اور قتل و غارت پر ہوتی تھی ۔ لہٰذا لگاتار تین مہینوں کی پابندی سے ان کو تکلیف ہوتی تھی ۔ اس لئے جب ان کو قتل و غارت اور لوٹ مار کی ضرورت ہوتی تو وہ ان حرمت والے مہینوں میں سے جس میں چاہتے قتال کر لیتے اور اس کے بعد والے کسی حلال مہینے کو اس کے بدلے میں حرام قرار دے لیتے تاکہ سال بھر میں چار مہینے کی تعداد پوری ہو جائے ۔ یہی زمانہ جاہلیت کی نسی تھی ۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا کفر کے زمانے میں اپنی طرف سے بڑھائی ہوئی چیز ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کافروں کی گمراہی میں اضافہ کرتا ہے کیونکہ جب کسی سال ان کو ضرورت ہوتی تو وہ حرمت والے مہینے کو حلال کر لیتے اور پھر کسی سال جب ان کو ضرورت نہ ہوتی تو اس کو حرام ہی رہنے دیتے تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو چار مہینوں کو حرمت والا قرار دیا ہے ان کی تعداد پوری رہے ۔ حالانکہ گنتی پوری کر لینے سے تعمیل حکم نہیں ہوتی بلکہ جو حکم جس مہینے کے لئے دیا گیا ہے اس کو اسی مہینے میں پورا کرنا ضروری ہے ۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ مشرکین عرب سردی گرمی کے مہینوں کا لحاظ کر کے قمری مہینوں کو شمسی مہینوں کے مطابق کر دیا کرتے تھے تاکہ حج ایک خاص موسم میں آیا کرے ۔ چنانچہ جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو ہر قمری مہینہ اپنے اصلی موقع پر تھا ۔ اس وقت آپ نے گیارہ ذی الحجہ کو منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا ۔ اے لوگو! بلاشبہ زمانہ گھوم پھر کر آج اپنی اسی ہیئت پر آگیا ہے جس پر کہ وہ اس دن تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا اور اللہ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار حرمت و ادب والے ہیں ۔ ان میں سے ایک مہینہ رجب ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے اور ذی القعدہ اور ذی الحجہ اور محرم ہیں ۔

پھر فرمایا کہ شیطان نے ان کی بد کاریاں ان کی نظروں میں رچا بسا دی ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ بد کاری و بداعمالی کو اچھا سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو جو احکام خداوندی میں تحریف کرتے ہوں اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بناتے ہوں، ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔
(حقانی ۲۹۴۔ ۲۹۵ / ۲، روح المعانی ۹۰ / ۱۰، مواہب الرحمٰن ۱۱۱، ۱۱۶ / ۱۰)

جہاد سے پہلو تہی پر عتاب

۳۸۔۹ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے (جہاد کے لئے) اللہ کی راہ میں نکلنے کو کہا جاتا ہے تو تم بوجھل ہو کر زمین سے لگ جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے؟ سو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کے فائدے بہت ہی قلیل ہیں۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ اور تمہارے بدلے میں دوسری قوم کو لے آئے گا۔ اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِنْفِرُوْا: تم فرار ہو جاؤ۔ تم نکلو۔ تم کوچ کرو۔ نَفْرٌ و نُفُوْرٌ سے امر۔
اِثَّاقَلْتُمْ: تم زمین کو لگے جاتے ہو۔ تم بوجھل ہو گئے۔ اِثَّاقُلٌ سے ماضی۔
مَتَاعٌ: متاع۔ فائدہ۔ پونجی۔ جمع اَمْتِعَةٌ۔

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ طائف سے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دیا۔ محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ تبوک کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رومیوں سے جہاد کا ارادہ کیا تو وہ زمانہ بڑی تنگدستی، سخت گرمی اور قحط سالی کا تھا اور پھلوں کی فصل بھی تیار تھی۔ لوگ اپنے پھلوں کی نگرانی کے لئے

مدینے میں رکنا اور سائے میں رہنا پسند کرتے تھے۔ ایسے وقت اور ایسی حالت میں روانہ ہونا ان کو پسند نہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ کسی جہاد پر جانے کا ارادہ فرماتے تو عام طور پر آپ اس کا صحیح مقام نہیں بتاتے تھے بلکہ کسی دوسرے مقام کا نام لیتے تھے۔ صرف تبوک کا جہاد ہی ایسا ہے جس کو آپ نے صاف صاف نام لے کر ظاہر فرما دیا تھا تاکہ لوگ مناسب تیاری کر لیں کیونکہ یہ سخت گرمی کا زمانہ اور طویل مسافت تھی اور دشمن کی تعداد بھی زیادہ تھی۔

ابن ابی شیبہ، بخاری اور ابن سعد رحمہم اللہ نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ اس میں اتنا زائد ہے کہ آپ نے مدینے کے گرد و نواح میں رہنے والے عرب قبائل کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی اور مکہ بھی پیغام بھیج دیا تھا۔ چنانچہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے ساتھ شامل ہو گئی البتہ منافقین اور مخلص مومنوں میں سے کچھ سست لوگ آپ کے ساتھ نہیں گئے۔ انہی کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک قبیلے کو جہاد پر چلنے کی دعوت دی تو قبیلے والے بوجھل ہو گئے اور سستی کی وجہ سے جہاد پر نہیں گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۰۶ / ۴)

تشریح: اس آیت میں صرف ان مسلمانوں کو خطاب ہے جو سستی کی وجہ سے جہاد کے لئے نہیں گئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے مومنو! جب اللہ کے رسول نے تمہیں جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا تو تم جہاد کے لئے کیوں نہیں نکلے اور بوجھل ہو کر اپنی زمینوں اور گھروں سے کیوں چمٹ گئے۔ کیا تم آخرت کی نعمتوں کے بدلے دنیا کے حقیر ساز و سامان کو پسند کرتے ہو حالانکہ دنیاوی آرام و راحت اور ساز و سامان نہایت حقیر اور زائل ہو جانے والے ہیں اور آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

اگر تم اس جہاد کے لئے نہ نکلے جس کے لئے تمہیں بلایا جا رہا ہے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا میں بھی دردناک عذاب دے گا اور آخرت میں بھی اور تمہاری جگہ ایسی قوم کو لے آئے گا جو اس کی فرماں بردار ہو گی اور اللہ کے دین کی مدد کرنے میں تمہاری غفلت و بے رغبتی اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی کیونکہ اللہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اللہ نے اپنے رسول سے ان کی حفاظت و کامیابی کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ وہ تمہیں تباہ و برباد کر کے

تمہاری جگہ دوسری قوم کو لائے، اسباب کو بدلنے اور کسی کی مدد کے بغیر اپنے رسول کو اپنی مدد واعانت سے فتح یاب بنانے پر بھی قادر ہے۔ (مظہری ۲۰۶، ۲۰۷ / ۴)

تائیدِ غیبی

۴۰۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اگر تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تو ان کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے ان کو (مکہ سے) نکالا تھا جبکہ وہ دو آدمیوں میں سے ایک تھے اور وہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ تو غم نہ کر یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے اپنی طرف سے اس پر تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا تھا اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

السُّفْلٰى: بہت نیچی۔ پست ہونا۔ سُفُوْلٌ وسَفَالٌ سے اسم تفضیل۔

الْعُلْيَا: اونچی جگہ۔ بلندی۔ سب سے اوپر۔ عُلُوٌّ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو نہ کرو وہ تمہاری مدد کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد کرے گا۔ جیسا کہ اس نے اس وقت بھی ان کی مدد کی تھی جب کافروں نے ان کو قتل یا قید کرنے یا ملک سے نکالنے کی سازش کی تھی اور آپ اپنے سچے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ سے نکل کر جبل ثور کے ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ تاکہ تلاش کرنے والے مشرکین جب مایوس ہو کر واپس چلے جائیں تو آپ یہاں سے نکل کر مدینہ منورہ روانہ ہو جائیں۔ اس وقت غار میں آپ کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی تھا۔ پس جس خدا نے

ایسے وقت میں اپنے پیغمبر کی مدد کی جب سوائے حضرت ابو بکر کے کوئی دوسرا شخص آپ کے ہمراہ نہ تھا۔ وہ اب بھی آپ کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر کے ہمراہ غارِ ثور میں جاکر چھپ گئے تو مشرکین مکہ آپ کا سراغ لگاتے لگاتے عین غار کے منہ پر جا کھڑے ہوئے۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ اگر کافروں میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی طرف نظر کی تو وہ ہمیں ضرور دیکھ لے گا۔ آپ نے حضرت ابو بکر کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تمہیں کسی قسم کا اندیشہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر سکون و اطمینان کی ایک خاص کیفیت نازل فرمائی۔ جس کے انوار و برکات نے حضرت ابو بکر کے رنج و خوف کو دور کر دیا اور سکینت و طمانیت کی اس خاص کیفیت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بدر و حنین کی طرح فرشتوں کے ایسے لشکروں سے اپنے پیغمبر کی مدد وحفاظت فرمائی جن کو تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے ارادوں میں ناکام کر دیا اور ان کی تمام تدبیروں کو خاک میں ملا دیا اور آپ کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی کا کلمہ بلند و بالا ہے اور اللہ ہی اپنے تمام امور اور تدبیروں میں غلبہ اور حکمت والا ہے۔ وہ جس طرح چاہے اور جس کو چاہے غلبہ عطا فرما دے۔ (مظہری ۲۰۷ / ۴، مواہب الرحمن ۱۲۰، ۱۲۲ / ۱۰)

جہاد و قتال کی تاکید

۴۱۔۴۲ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

نکل پڑو ہلکے اور بوجھل (خواہ پیادہ ہو یا سوار، فقیر ہو یا غنی، جوان ہو یا بوڑھے، جس حال میں بھی ہو نکل پڑو) اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں

جہاد کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تمہیں سمجھ ہے۔ اگر مال کا حصول نزدیک معلوم ہوتا اور سفر بھی ہلکا پھلکا ہوتا تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو تو مسافت دور دراز معلوم ہونے لگی اور بہت جلد وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ (جھوٹ بول کر) اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔

خِفَافًا: ہلکے۔ واحد خَفِيفٌ۔

ثِقَالًا: بوجھل۔ بھاری۔ واحد ثَقِيلٌ۔

عَرَضًا: مال و متاع۔ سامان۔ جمع عُرُوضٌ۔

قَاصِدًا: ارادہ کرنے والا۔ معمول۔ ہلکا۔ قَصْدٌ سے اسم فاعل۔

الشُّقَّةُ: مسافت۔ دوری۔ یہاں غزوہ تبوک کی مسافت مراد ہے۔

تشریح: جب آپ نے تبوک کے لئے کوچ فرمایا تو بہت سے منافقوں نے تو مدینہ ہی میں عذر کرنے شروع کر دیئے۔ وہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے عذر پیش کر رہے تھے۔ دوران سفر جب کسی منزل پر پڑاؤ ہوتا تو بعض منافق کچھ نہ کچھ بہانہ کر کے جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت لے کر پیچھے رہ جاتے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہر حال میں جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دے کر منافقوں کے حیلوں بہانوں کا رد فرمادیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو تم اپنے اموال اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کے لئے نکلو۔ حالتِ خفاف اور ثقال کے معنی یہ ہیں کہ خواہ بوڑھے ہو یا جوان، خواہ ضعیف ہو یا توانا، تنگدست ہو یا فراخ دست، مشغول ہو یا غیر مشغول، ہتھیار بند ہو یا بغیر ہتھیار کے غرض ہر حال میں جہاد کے لئے نکلو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے غزوہ میں شرکت نہیں کی وہ مال کے حریص اور آرام طلب ہیں۔ تبوک کا سفر چونکہ طویل اور دشوار ہے اور اس میں مال غنیمت ملنے کی بھی امید نہیں اس لئے منافقین آپ کے ساتھ نہیں نکلے۔ جب آپ غزوہ تبوک سے واپس جائیں گے تو وہ جھوٹی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ان کو قدرت ہوتی تو وہ آپ کے ساتھ جہاد کے لئے ضرور نکلتے۔ وہ لوگ اپنے نفاق اور جھوٹی قسموں سے اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب

جانتا ہے کہ وہ اپنی قسموں میں جھوٹے ہیں اور انہیں کوئی عذر نہ تھا۔ انہوں نے غزوہ میں شرکت نہ کرکے اپنے آپ کو ہلاک و برباد کرلیا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸ ۳۴ / ۳، روح المعانی ۱۰۷ / ۱۰

عتابِ لطیف

۴۳۔۵ عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ ج لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَکَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ٥ لَايَسْتَاْذِنُکَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ٥ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُکَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ٥

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ آپ نے ان کو (ایسی جلدی) کیوں رخصت دے دی یہاں تک کہ سچ بولنے والے آپ پر ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹوں کو بھی جان لیتے۔ جو لوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں آپ سے رخصت نہیں مانگیں گے اور اللہ خوب جانتا ہے پرہیز گاروں کو۔ بیشک وہ لوگ آپ سے (جہاد میں نہ جانے کی) رخصت مانگتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں۔

اَذِنْتَ: تو نے رخصت دی۔ تو نے اجازت دی۔

ارْتَابَتْ: وہ شبہ میں پڑی۔ اِرْتِيَابٌ سے ماضی۔

يَتَرَدَّدُوْنَ: وہ تردد کرتے ہیں۔ وہ حیران ہوتے ہیں۔ تَرَدُّدٌ سے مضارع۔

تشریح: منافقوں کا جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت طلب کرنا حقیقت میں نفاق پر مبنی تھا۔ انہوں نے تو پہلے ہی سے یہ طے کر رکھا تھا کہ خواہ ان کو اجازت ملے یا نہ ملے وہ غزوہ میں نہیں

جائیں گے ۔ اس لئے ان کو اجازت دینا مناسب نہیں تھا ۔ اگر آپ ان کو اجازت نہ دیتے تو اطاعت گزار تو حاضر ہو جاتے اور نافرمان اجازت نہ ملنے پر بھی جہاد کے لئے نہ نکلتے ۔ اس طرح جائز عذر کرنے والوں اور جھوٹے حیلے بہانے کرنے والوں میں تمیز ہو جاتی ۔

پھر فرمایا کہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں وہ آپ سے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے سے رخصت طلب کریں کیونکہ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال تو ان کی دلی تمنا اور آرزو ہے ۔ ان کا جان و مال تو ہر وقت جہاد کے لئے حاضر ہے ۔ ایسے لوگ جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت کیسے طلب کر سکتے ہیں ۔ یہی لوگ متقی و پرہیزگار ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کی پرہیزگاری سے خوب واقف ہے ۔ وہ ایسے لوگوں کو ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کے مطابق اجر و ثواب عطا فرماتا ہے ۔

بلاشبہ جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت وہی لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ۔ ان کے دلوں میں آخرت کی کوئی تمنا نہیں جس کے حصول کے لئے وہ جہاد کریں ۔ ان کے دل تو اب تک دین حق کی طرف سے شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں ۔ یہ اسی میں حیران و سرگرداں ہیں ۔ ان کا ایک قدم آگے بڑھتا تو دوسرا قدم پیچھے ہٹتا ہے ۔ انہیں ثابت قدمی اور استقلال حاصل نہیں ۔ یہ نہ ادھر ہیں اور نہ ادھر ۔ یہ اللہ کے گمراہ کئے ہوئے ہیں اور ہلاک و برباد ہونے والے ہیں ۔ (ابن کثیر ۳۶۰ / ۲، روح المعانی ۱۰۷، ۱۰۸ / ۱۰)

منافقین متخلفین کے احوال

۴۶ ۔ ۴۸ ۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَ اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝

اور اگر وہ لوگ (جہاد کے لئے) نکلنا چاہتے تو اس کے لئے کچھ سامان بھی تیار

کرتے لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا (جانا) پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہیں دی اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ۔ اگر وہ (جہاد کے لئے) تمہارے ساتھ نکل بھی پڑتے تو تمہارے لئے فساد ہی بڑھاتے اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے ۔ اور (اب بھی) تم میں بعض لوگ ان کے جاسوس ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ۔ وہ تو پہلے بھی فتنہ پردازی کی فکر میں لگے رہے اور آپ کے کام الٹتے رہے یہاں تک کہ حق پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہو گیا اور وہ ناخوش ہی رہے ۔

اَعَدُّوْا: وہ تیار کرتے ۔ اِعْدَادٌ سے ماضی ۔

عُدَّةً: ساز و سامان ۔ ہتھیار ۔ جمع عُدَدٌ ۔

اِنْبِعَاثَهُمْ: ان کا اٹھنا ۔ ان کا جانا ۔ اِنْبِعَاثٌ مصدر ۔

فَثَبَّطَهُمْ: پس اس نے ان کو باز رکھا ۔ پس اس نے ان کو روک دیا ۔ تَثْبِيْطٌ سے ماضی ۔

اقْعُدُوْا: تم بیٹھو ۔ قُعُوْدٌ سے امر ۔

خَبَالًا: تباہ کرنا ۔ برباد کرنا ۔ خراب کرنا ۔ مصدر ہے ۔

اَوْضَعُوْا: انہوں نے گھوڑے دوڑائے ۔ وہ سازشیں کرتے پھرے ۔ اِيْضَاعٌ سے ماضی ۔

خِلٰلَكُمْ: تمہارے درمیان ۔ واحد خَلَلٌ ۔

سَمّٰعُوْنَ: خوب کان لگا کر سننے والے ۔ جاسوس ۔ سَمْعٌ سے مبالغہ ۔

تشریح: منافقین کا جہاد میں نہ جانے کے لئے رخصت طلب کرنا سب جھوٹ اور نفاق ہے ۔ اگر ان کا جہاد کے لئے نکلنے کا ارادہ ہوتا تو اس سفر کے لئے کچھ نہ کچھ سامان ضرور تیار کرتے لیکن یہ تو اعلان و حکم کے بعد بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا جہاد میں جانا، ان کی بزدلی اور سستی کے سبب پسند نہیں فرمایا ۔ اسی لئے ان کو جہاد میں جانے کی توفیق نہیں دی اور ان کے دلوں میں جہاد سے کراہت پیدا فرما دی اور ان کو کہہ دیا کہ تم بھی بچوں اور اپاہج لوگوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہو ۔ جہاد کے لئے نہ نکلو ۔

اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ جہاد میں شامل ہو جاتے تو جہاد کے وقت یا تو مسلمانوں کے لوں میں خوف ڈال کر بزدلی پیدا کرتے یا کافروں کی مدد کرتے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے اور یسے امور کی کوشش کرتے جس سے تمہارے اندر خلل اور بدنظمی پیدا ہوتی ۔ مثلاً شکست کھا کر

بھاگ کھڑے ہوتے اور کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد نہ کرتے وغیرہ ۔ اب بھی تمہارے اندر کچھ لوگ ایسے ہیں جو ان کی باتیں سنتے اور ان کا کہا مانتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کے باطنی حالات اور ان کی ظاہری حرکتوں سے خوب واقف ہے ۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ یہ لوگ تو اس غزوہ سے پہلے بھی فتنہ وفساد برپا کرنے اور آپ کے کاموں کو خراب کرنے کی تدبیریں کر چکے ہیں جیسا کہ انہوں نے معرکہ احد میں عین وقت پر مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کر لی تھی ۔ یہاں تک کہ حق واضح ہو گیا اور اللہ کا حکم غالب آگیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد واعانت سے مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہو گیا ۔ حالانکہ کافر اسلام کے غلبہ اور فتح وکامرانی کو پسند نہیں کرتے تھے ۔

(مظہری ۲۲۳، ۲۲۴ / ۴، روح المعانی ۱۱۱، ۱۱۳ / ۱۰)

جد بن قیس کا نفاق

۴۹ ۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سے وہ شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دو اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالو ۔ آگاہ ہو جاؤ! یہ لوگ فتنہ میں تو خود ہی پڑے ہوئے ہیں اور بیشک کافروں کو جہنم نے گھیر رکھا ہے ۔

اِئْذَنْ: تو اجازت دے ۔ تو رخصت دے ۔ اِذْنٌ سے امر ۔

سَقَطُوْا: وہ گر پڑے ۔ سُقُوْطٌ سے ماضی ۔

لَمُحِيْطَةٌ: البتہ احاطہ کرنے والی ۔ البتہ گھیرنے والی ۔ اِحَاطَةٌ سے اسم فاعل ۔

شانِ نزول: ابن المنذرؒ، طبرانیؒ، ابن مردویہؒ اور المعرفہ میں ابو نعیمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن ابی حاتمؒ و ابن مردویہؒ نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے حوالے سے اور محمد بن اسحاقؒ و محمد بن عمرو بن عقبہؒ نے اپنے مشائخ کی سند سے بیان کیا کہ جد بن قیس اپنے ساتھیوں کو لے کر (جن کی تعداد دس سے کم تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے یہیں رہ جانے کی اجازت

دے دیجئے میری کچھ کھیتی باڑی کی زمین ہے (جس کی دیکھ بھال ضروری ہے) میں اس کی وجہ سے معذور ہوں ۔ آپ نے فرمایا کہ تیاری کرو تم فراخ دست ہو شاید تمہیں (مال غنیمت میں) بنی الاصفر (اہل روم) کی کوئی عورت مل جائے ۔ جد نے عرض کیا مجھے تو اجازت ہی دے دیجئے اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالئے ۔ میری قوم والے واقف ہیں کہ مجھ سے زیادہ کوئی بھی عورتوں کا دلدادہ نہیں مجھے ڈر ہے کہ اگر میں رومی عورتوں کو دیکھ لوں تو اپنے آپ کو نہ روک سکوں گا ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا اور فرمایا کہ میں نے تجھے اجازت دے دی ۔

محمد بن عمرو نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جد بن قیس کا بیٹا عبد اللہ بدری صحابی (خالص مومن) اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا اخیافی بھائی (ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ) تھا ۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو کیوں رد کر دیا ۔ واللہ بنی مسلمہ میں آپ سے زیادہ مالدار کوئی نہیں ہے ۔ آپ نہ خود جا رہے ہیں اور نہ (اپنی طرف سے) کسی کو سواری دے رہے ہیں ۔ جد نے جواب دیا کہ بیٹے سخت گرمی (طوفانی) ہوا اور تنگ حالی کے زمانے میں رومیوں کے مقابلے پر کیسے جا سکتا ہوں اس وقت تو میں اپنے گھر میں ہوں پھر بھی رومیوں کے خوف سے خالی نہیں ہوں ۔ ایسے میں ان سے لڑنے کے لئے کیسے جا سکتا ہوں ۔ بیٹے خدا کی قسم میں زمانے کے چکروں سے واقف ہوں ۔

پھر بیٹے نے کچھ درشتی کے ساتھ کہا خدا کی قسم اور کوئی بات نہیں ہے یہ تو صرف نفاق ہے ۔ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت نازل ہو جائے گی اور آپ اس کو پڑھیں گے (تو تمہارا نفاق ظاہر ہو جائے گا) یہ سن کر جد نے جھنڈا اٹھا کر بیٹے کے منہ پر مارا اور بیٹا چلا گیا اور اس نے باپ سے کوئی بات نہیں کی ۔ پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی ۔

(روح المعانی ۱۱۳ / ۱۰، مظہری ۲۲۵ / ۴)

تشریح: منافقین میں سے ایک ایسا شخص بھی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا تھا کہ مجھے گھر ہی بیٹھے رہنے کی اجازت دے دیجئے اور مجھے جہاد کے لئے لے جا کر فتنہ میں نہ ڈالئے ۔ آگاہ ہو جاؤ! رومی عورتوں کا فتنہ تو بعد میں پیش آئے گا یہ لوگ تو پہلے ہی فتنے اور مصیبت میں مبتلا ہیں ان لوگوں کا جہاد میں نہ جانا اور پھر ان کے نفاق کا ظاہر ہونا ہی ان کی ہلاکت و بربادی ہے ۔ یہ لوگ دوزخ کی آگ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے ۔ بلاشبہ جہنم ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۔

(روح المعانی ۱۱۳، ۱۱۴ / ۱۰)

منافقین کا حسد و نفاق

۵۰-۵۲۔ اِنْ تُصِبْکَ حَسَنَۃٌ تَسُؤْھُمْ ج وَاِنْ تُصِبْکَ مُصِیْبَۃٌ یَّقُوْلُوْا قَدْ
اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَیَتَوَلَّوْا وَّھُمْ فَرِحُوْنَ ۝ قُلْ لَّنْ
یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَاکَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ج ھُوَ مَوْلٰنَا ج وَعَلَی اللّٰہِ
فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ ھَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَی
الْحُسْنَیَیْنِ ط وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِکُمْ اَنْ یُّصِیْبَکُمُ اللّٰہُ بِعَذَابٍ
مِّنْ عِنْدِہٖٓ اَوْ بِاَیْدِیْنَا زصلے فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝

اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ ان کو رنجیدہ کرتی ہے اور اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی سے اپنا کام ٹھیک کر رکھا تھا اور وہ خوش ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی۔ سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بھلائیوں (فتح یا شہادت) میں سے ایک ہی بھلائی (شہادت) کی امید لگائے رہتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب نازل کرے یا ہمارے ہاتھوں سے (سزا دلوائے)۔ سو تم انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

تُصِبْکَ: تجھ کو پہنچے۔ اِصَابَۃٌ سے مضارع۔

تَسُؤْھُمْ: وہ ان کو بری لگتی ہے۔ وہ ان کو رنجیدہ کرتی ہے۔ سُوْءٌ سے مضارع۔

فَرِحُوْنَ: خوش۔ اترانے والے۔ واحد فَرِحٌ۔ فَرْحٌ سے صفت شبہ۔

تَرَبَّصُوْنَ: تم منتظر رہتے ہو۔ تَرَبُّصٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں منافقین کی اندرونی خباثت و عداوت بیان کی گئی ہے کہ اگر آپ کے ساتھ کسی لڑائی میں کوئی بھلائی پیش آجائے مثلاً فتح یا مال غنیمت کا حاصل ہونا تو حسد و عداوت کی بنا پر ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور اگر خدا نخواستہ آپ کو دوسری حالت پیش آجائے مثلاً

شکست، کوئی دشواری تو خوب چہک چہک کر اپنی چالاکی وہوشیاری کا اظہار کرتے ہیں اور خوشی سے بغلیں بجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی انجام سے باخبر تھے، اسی لئے لڑائی میں شریک نہیں ہوئے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ ہر قسم کا رنج و راحت اور ہم خود اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی منشاء کے ماتحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لوح محفوظ میں جو کچھ لکھ دیا وہی ہمارے لئے خیر و خوبی کا باعث ہے۔ اہل ایمان کو تو اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ ہی نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ وہی ان کا کارساز ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

آپ کہہ دیجئے کہ لڑائی میں ہمیں یا تو فتح و غنیمت حاصل ہوگی یا پھر شہادت اور اجر ثواب ان دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور ہمیں حاصل ہوگی۔ سو تم ہمارے حق میں ان کے علاوہ اور کس چیز کے منتظر ہو۔ اور ہم تو تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ براہِ راست تم پر کوئی عذاب نازل کردے جیسے زلزلہ اور طوفان وغیرہ تاکہ تم سب اس عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جاؤ یا پھر اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں تمہیں قتل و قید کرا کے ذلیل و خوار کرے۔ پس تم ہمارے انجام کے منتظر رہو اور ہم تمہارے انجام کے منتظر رہتے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب انجام تمہارے سامنے آجائے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۵۱، ۳۵۲ / ۳، ابن کثیر ۳۶۱، ۳۶۲ / ۲)

منافقین کے نفقات کا مردود ہونا

۵۳۔۵۵ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۚ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۚ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ خواہ تم خوشی سے مال خرچ کرو یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول

نہ کیا جائے گا۔ بلاشبہ تم نافرمان قوم ہو اور ان کا خرچ کیا ہوا (مال) قبول نہ ہونے کی اس کے سوا کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نماز کے لئے آتے بھی ہیں تو کاہلی سے اور وہ کچھ خرچ بھی کرتے ہیں تو ناگواری سے۔ پس ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو تو صرف یہ منظور ہے کہ وہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیاوی زندگی میں عذاب میں مبتلا رکھے اور ان کی جانیں کفر کی حالت میں نکلیں۔

طَوْعًا: اطاعت کرنا۔ فرماں برداری کرنا۔ خوشی سے کرنا۔

کَرْهًا: ناپسندیدگی۔ سختی۔ جبر۔

نَفَقٰتُهُمْ: ان کا خرچ کرنا۔ ان کی خیرات۔

کُسَالٰی: سست۔ کاہل۔ واحد کَسِلٌ اور کَسْلَانٌ۔

تَزْهَقَ: وہ نکل جائے۔ وہ مٹ جائے۔ زُهُوْقٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان منافقوں سے کہہ دیجئے کہ تم تو فاسق وفاجر اور مسلمانوں کے گروہ سے خارج ہو اس لئے تمہاری طرف سے دی ہوئی مالی امداد اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول نہیں۔ خواہ تم خوش دلی سے دو یا بے دلی سے۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں، نماز میں سستی کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں ناگواری کے ساتھ محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اسی لئے ان کی خیرات اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک کہ وہ اللہ اور رسولؐ کے ساتھ تعلق قائم نہ کریں۔ سو آپ کو ان کے مال واولاد سے تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ جو مال و اولاد ہم نے ان کو عطا کیا ہے وہ پسندیدگی کے قابل نہیں۔ یہ تو ان کے لئے محض ایک مہلت اور ڈھیل ہے جو حقیقت میں وبال ہے۔ یہ لوگ دولت جمع کرنے اور اولاد کی دیکھ بھال کے لئے طرح طرح کی فریب کاریاں کرتے ہیں، دکھ اٹھاتے ہیں اور سختیاں جھیلتے ہیں، اس لئے اس مال کو خرچ کرنا انہیں ناگوار ہوتا ہے اور جس کے پاس مال نہیں وہ حسرت وافسوس کرتا ہے۔ غرض مال و اولاد کا ہونا یا نہ ہونا دونوں صورتوں میں ان پر عذاب ہی عذاب ہے۔ (مظہری ۲۲۷، ۲۲۸ / ۴)

منافقوں کی باطنی کیفیت

۵۶-۵۷ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۖ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ○ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ○

اور یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ بے شک وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ تو (ظاہر و باطن میں) فرق رکھنے والی قوم ہے۔ اگر ان لوگوں کو کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا گھس بیٹھنے کی ذرا جگہ مل جائے تو وہ اسی طرف رسیاں تڑاتے ہوئے بھاگ نکلیں۔

مَلْجَاً: پناہ کی جگہ۔ لَجَأٌ سے اسم ظرف۔

مَغٰرٰتٍ: غار۔ گڑھے۔ واحد مَغَارَةٌ۔

مُدَّخَلًا: داخل ہونے کی جگہ۔ اِدِّخَالٌ سے اسم ظرف۔

لَوَلَّوْا: البتہ انہوں نے منہ موڑا۔ البتہ انہوں نے پیٹھ پھیری۔ تَوْلِيَةٌ سے ماضی۔

يَجْمَحُوْنَ: وہ سرکشی کرتے ہیں۔ وہ سرپٹ دوڑتے ہیں۔ جَمْحٌ و جِمَاحٌ و جُمُوحٌ سے مضارع

تشریح: ان کی سراسیمگی اور پریشانی و بے اطمینانی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے کفر و نفاق پر پردہ برقرار رکھنے کے لئے لمبی چوڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ واللہ وہ تمہارے بھائی اور مسلمان ہیں حالانکہ حقیقت میں یہ مسلمان نہیں ہیں۔ یہ محض اپنے نفاق کو چھپانے کے لئے ایسا کہتے ہیں۔ وہ تم سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کا نفاق ظاہر ہو جانے سے تم ان کے ساتھ بھی قتل و قید کا برتاؤ نہ کرو جیسا کہ تم مشرکوں کے ساتھ کرتے ہو۔

اگر ان کو اپنے بچاؤ کے لئے کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا کوئی سر گھسانے کی جگہ مل جائے تو فوراً پشت پھیر کر سرپٹ دوڑتے ہوئے اسی طرف چلے جائیں گے اور ان میں سے ایک بھی آپ کے پاس نظر نہیں آئے گا، کیونکہ انہیں آپ سے ذرا بھی محبت نہیں۔ یہ تو محض ضرورت، مجبوری اور خوف کی بنا پر آپ کی چاپلوسی کرتے ہیں۔ (ابن کثیر ۳۶۳ / ۲، مواہب الرحمن ۱۴۳ / ۱۰)

تقسیمِ صدقات پر منافقین کا طعن

۵۸۔۵۹۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا
وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا
مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ○

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر الزام لگاتے ہیں۔ پھر اگر ان کو بھی ان صدقات میں سے ان کی خواہش کے مطابق مل جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو ان کی خواہش کے مطابق نہ ملے تو ناراض ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ اسی پر راضی ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے ہمیں اور دے گا۔ ہم تو اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

يَلْمِزُكَ: وہ تجھ کو طعنہ دیتا ہے۔ وہ تیرے اندر عیب نکالتا ہے۔ لَمْزٌ سے مضارع۔

يَسْخَطُوْنَ: وہ ناراض ہوتے ہیں۔ وہ ناخوش ہوتے ہیں۔ سَخَطٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: بعض منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگائی کہ آپ صدقات کی تقسیم صحیح نہیں کرتے۔ اس تہمت سے ان کا مقصد اپنے لئے نفع حاصل کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگر انہیں کچھ مل جائے تو راضی ورنہ ناراض۔ ابن جریج، داؤد ابن ابی عاصمؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدقات کا مال تقسیم کرنے کے لئے تشریف لائے اور جب آپ نے مال تقسیم فرما دیا تو انصار میں سے کسی نے آواز لگائی کہ یہ عدل نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (ابن کثیر ۳۶۳ / ۲)

تشریح: منافقوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ صدقات کا مال عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم نہیں کرتے، حالانکہ آپ تمام مخلوق سے بڑھ کر عادل اور جور و ظلم سے دور ہیں۔ ان لوگوں کی نکتہ چینی محض حرص اور طمع کی بنا پر ہے۔ جب آپ ان کو ان کی خواہش اور حرص کے مطابق دے دیتے ہیں تو وہ

آپ کے فعل سے خوش ہو جاتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کرتے کیونکہ ان کی غرض اور مقصد یہی تھا۔ اگر ان کو ان کی خواہش کے مطابق حصہ نہ دیا جائے تو یہ لوگ فوراً بگڑ جاتے ہیں اور زبان درازی کرنے لگتے ہیں۔

اگر یہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات اور مال غنیمت میں سے ان کو حصہ دیا تھا اور یہ کہتے کہ ہمارے لئے تو بس اللہ تعالیٰ کافی ہے، وہی ہماری کفایت کرنے والا ہے، آئندہ بہت جلد وہ اپنے فضل وکرم سے اور اس کا رسول اپنے لطف وعنایت سے ہمیں اور دے دیں گے، تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

(مظہری ۲۲۹، ۲۳۰ / ۴، مواہب الرحمن ۱۴۴، ۱۴۵ / ۱۰)

مصارفِ صدقات (زکوٰۃ)

۶۰۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭفَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭوَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ؀

زکوٰۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کارکنوں اور جن کی دلجوئی منظور ہے اور غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کے راستہ (یعنی جہاد) اور مسافروں (کی مدد) کے لئے ہے۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

اَلْمُؤَلَّفَةِ: دلجوئی۔ کئے ہوئے۔ تالیفِ قلب کئے ہوئے۔ تَأْلِیْفٌ سے اسم فاعل

اَلرِّقَابِ: گردنیں۔ مراد غلاموں کو آزاد کرانا۔ واحد رَقَبَۃٌ۔

اَلْغٰرِمِیْنَ: قرضدار۔ تاوان دینے والا۔ غُرْمًا و غَرَامَۃٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اس سے پہلی آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقات کی تقسیم کے بارے میں منافقوں کی نکتہ چینی اور اس کے جواب کا ذکر تھا۔ منافقین کہتے تھے کہ آپ صدقات کی تقسیم میں (معاذ اللہ) انصاف نہیں کرتے۔ جس کو جتنا چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرما دیا کہ زکوٰۃ کی تقسیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی

مرضی پر موقوف نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مصارف میں ہی خرچ ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کسی کے سپرد نہیں کی بلکہ اس کی تقسیم کا طریقہ اس نے خود مقرر فرمادیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے بلکہ وہ تو اللہ کے حکم کے مطابق اس کو لوگوں میں تقسیم فرماتے ہیں۔ (ابن کثیر ۳۶۴ / ۲)

باجماع صحابہ و تابعین اس آیت میں صدقہ، واجبہ یعنی زکوٰۃ کے مصارف کا بیان ہے جو آٹھ ہیں۔

۱۔ **فقراء**: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس نصابِ زکوۃ نہ ہو بلکہ نصاب سے کم مال ہو یا دوسرے لفظوں میں فقیر وہ ہے جو غنی نہ ہو خواہ اس کے پاس مال بالکل نہ ہو یا کچھ مال ہو مگر اتنا نہ ہو کہ غنی ہو جائے۔ فقیر عالم کو زکوۃ دینا فقیر جاہل کو دینے سے افضل ہے۔

بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا کہ تم ایسے لوگوں کی طرف جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ پہلے ان کو **لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ** کی شہادت کی طرف دعوت دینا۔ اگر وہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے غنی (صاحبِ نصاب) لوگوں سے لی جائے گی اور انہی کے فقراء (جو صاحبِ نصاب نہ ہوں) میں تقسیم کی جائے گی۔ زکوۃ میں سب سے بڑھیا جانور نہ لینا، مظلوم کی بددعاء سے ڈرتے رہنا، مظلوم کی بددعاء (براہِ راست اللہ تک پہنچتی ہے اس کے) اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی رو سے زکوۃ لینے والے کا مسلم ہونا ضروری ہے۔ باجماع علماء غیر مسلم کو زکوۃ نہیں دی جا سکتی، خواہ وہ غیر مسلم ذمی ہو (جزیہ دینے والا کافر جو مسلم حکومت میں رہتا ہو) یا حربی (وہ کافر جو غیر مسلم ریاست میں رہتا ہو)۔ (مظہری ۲۳۱ / ۴، عمدۃ الفقہ ۱۲۷ / ۳)

۲۔ **مساکین**: مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ وہ اپنے کھانے یا بدن ڈھانپنے کے لئے مانگنے کا محتاج ہو اور بخلاف فقیر کے اس کے لئے سوال کرنا حلال ہو۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مسکین وہ نہیں جو مارا مارا پھرے۔ایک دو لقموں کی طلب یا ایک دو چھوہاروں کی خواہش اس کو لئے لئے پھرے، بلکہ مسکین وہ ہے جس کو بقدرِ کفایت نہ ملتا ہو اور کوئی اس کی حالت سے واقف بھی نہ ہو کہ کچھ خیر خیرات ہی اس کو دے دے اور وہ خود بھی کھڑا ہو کر کسی سے نہ مانگتا ہو۔

(مظہری ۲۳۲ / ۴)

زکوٰۃ کے حکم کے اعتبار سے فقراء اور مساکین دونوں یکساں ہیں کہ جس شخص کے پاس اس کی ضروریاتِ اصلیہ سے زائد بقدرِ نصاب مال نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے۔ضروریات میں رہنے کا مکان، ضرورت کا گھریلو سامان، کپڑے، خادم، سواری، ہتھیار اور کتابیں وغیرہ سب داخل ہیں۔جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو یا اس کی قیمت کے برابر نقد رقم ہو اور وہ قرض دار بھی نہ ہو تو ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض ہے۔

جو شخص صاحبِ نصاب نہیں مگر تندرست، قوی اور کمانے کے قابل ہے اور اس کے پاس ایک دن کا گزارہ موجود ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔مگر ایسے شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے۔اس کے لئے لوگوں سے سوال کرنا حرام ہے۔

(معارف القرآن ۳۹۶ / ۴)

۳۔ عاملین: عاملین سے مراد وہ کارکن ہے۔جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوٰۃ اور عشر وغیرہ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔یہ لوگ چونکہ اپنا سارا وقت اسی کام میں صرف کرتے ہیں، اس لئے ان کی ضروریات کو پورا کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ان لوگوں کا حق الخدمت زکوٰۃ ہی کی مد سے دیا جائے گا۔عاملین کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ان کے کام کی اجرت اور معاوضہ نہیں بلکہ وہ ان کی خدمت کا صلہ اور انعام ہوتا ہے

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کسی غنی (مال دار) کے لئے حلال نہیں، سوائے پانچ شخصوں کے: ۱۔وہ جو جہاد کے لئے نکلا ہو اور وہاں اس کے پاس بقدرِ ضرورت مال نہ ہو اگرچہ گھر میں وہ مال دار ہو۔۲۔وہ شخص جو صدقہ وصول کرنے کی خدمت انجام دیتا ہو۔۳۔کسی کے پاس مال تو ہو مگر وہ اس مال سے زیادہ مقروض ہو۔۴۔جو

شخص صدقہ کا مال کسی غریب مسکین سے پیسے دے کر خرید لے۔ ۵۔ وہ شخص جس کو کسی غریب فقیر نے صدقہ کا حاصل شدہ مال بطور ہدیہ پیش کر دیا ہو۔ (معارف القرآن ۳۹۷/ ۴)

امام ابو حنیفہؒ اور اکثر ائمہ نے فرمایا کہ صدقہ وصول کرنے والے نے جتنی مدت کام میں صرف کی ہو اس کو اتنی مدت کی ضروریات پوری کرنے کے بقدر (معاوضہ) دیا جائے گا۔ مثلاً کسی نے اس کام میں ایک دن صرف کیا تو اس کو ایک دن کا معاوضہ بقدرِ کفایت دیا جائے گا اور اگر اس نے ایک سال صرف کیا تو اسے ایک سال کا معاوضہ بقدرِ کفایت دیا جائے گا۔

اگر اس کی اجرت بقدرِ کفایت اتنی ہو کہ وہ وصول شدہ زکوۃ کے کل مال کا حقدار ہو جاتا ہو تو علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوۃ کا کل مال اس کو نہیں دیا جائے گا بلکہ آدھا دیا جائے گا۔ نصف سے زائد مال کل مال کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس لئے اگر نصف سے زیادہ مال دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے فقراء کے لئے زکوۃ وصول نہیں کی بلکہ اپنے لئے وصول کی۔ اس طرح اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ (مظہری ۲۳۳، ۲۳۴/ ۴)

۴۔ مؤلفۃُ القلوب: ان کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے تالیفِ قلب کی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

۲۔ وہ جو مسلمان تو ہو چکے تھے مگر ان کا ایمان قوی نہ تھا۔ جیسے عیینہ بن حصنؓ، اقرع بن حبسؓ، عباس بن مرداس اسلمیؓ۔ ایسے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے عطا کیا کہ ان کا اسلام قوی ہو جائے۔

۳۔ وہ لوگ جنہیں اس لئے عطا کیا گیا تاکہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں۔ اس تیسری قسم میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں کفار اور مانعین زکوۃ سے قتال کے لئے صدقات وغیرہ عطا کر کے ان کی تالیفِ قلب کی گئی۔ یہ (تالیفِ قلب) ختم ہو چکی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا کر دی ہے اور اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے۔

(ہدایہ کتاب الزکوۃ ۱۸۴/ ۱)

ایک روایت میں ہے کہ عیینہ اور اقرع زمین کا مطالبہ لے کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے

حضرت ابو بکرؓ نے ان کے لئے تحریر لکھ دی مگر حضرت عمرؓ نے وہ تحریر پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں اسلام پر قائم رکھنے کے لئے دیا کرتے تھے اور آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمادیا ہے اور تمہاری طرف سے (مسلمانوں کو) بے نیاز کر دیا ہے۔ پس اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہتے ہو تو ٹھیک ورنہ تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی۔ وہ لوٹ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ؟ (رضی اللہ عنہما)۔ آپ نے ہمیں ایک خط دیا اور (حضرت) عمرؓ نے اسے پھاڑ ڈالا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اگر وہ چاہیں (تو وہی خلیفہ ہیں)۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی توثیق کردی اور صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کے فیصلے پر اعتراض نہیں کیا۔

(روح المعانی ۱۲۲ / ۱۰)

۵۔ رِقاب: جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک رقاب سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے مال کی ایک خاص مقدار متعین کر کے کہہ دیا کہ اگر اتنا مال کما کر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو۔ شرعی اصطلاح میں اس کو مکاتب کہا جاتا ہے۔ اس شخص کو اس کا آقا اجازت دے دیتا ہے کہ وہ تجارت یا مزدوری کے ذریعہ مال کمائے اور آقا کو لا کر دے۔ اس آیت میں رقاب سے مراد یہ ہے کہ ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم میں سے حصہ دے کر آزادی حاصل کرنے میں اس کی مدد کی جائے۔ غلام کی گلو خلاصی کے لئے دینا عام فقراء و مساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے۔

۶۔ غارِم: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ذمہ کسی کا قرض ہو اور ان کے پاس اس کو ادا کرنے کے لئے کچھ نہ ہو۔ غلام کی گلو خلاصی کی طرح قرض دار کو قرض کی ادائیگی کے لئے دینا بھی عام فقراء و مساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے، بشرطیکہ اس قرض دار کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکے۔ اگر کسی نے گناہ کے کام کے لئے قرض لیا جیسے شراب وغیرہ، شادی کی ناجائز رسمیں، تو ایسے قرض دار کو زکوٰۃ میں سے نہیں دیا جائے گا تاکہ اس کی معصیت اور اسراف کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ (معارف القرآن ۴۰۶ / ۴)

۷۔ فی سبیل اللہ: امام ابو یوسف کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی ہیں جو فقیری کی وجہ سے لشکرِ اسلام کے غازیوں سے جدا ہیں۔ یعنی جو اپنے فقیر ہونے کی وجہ سے خرچہ یا

سواری وغیرہ نہ ہونے کی بنا پر لشکر اسلام کے ساتھ ملنے سے عاجز رہ گئے ہوں تو ان کو صدقہ (زکوۃ) لینا حلال ہے۔ اگرچہ وہ کسب کر سکتے ہوں۔ اس لئے کہ وہ کسب میں مشغول ہوں گے تو جہاد سے رہ جائیں گے۔ یہی صحیح اور اظہر ہے۔

بعض نے کہا کہ فی سبیل اللہ سے طالبِ علم مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ حاملین قرآن مراد ہیں جبکہ وہ فقراء ہوں۔ بعض نے سفر حج میں قافلے سے بچھڑا ہوا حاجی وغیرہ مراد لیا ہے جبکہ وہ خرچ نہ ہونے کی وجہ سے قافلے میں نہ مل سکے۔ (عمدۃ الفقہ ۱۳۱ / ۳)

۸۔ مسافر: ابن السبیل سے مراد مسافر ہے۔ مسافر اگرچہ اپنے وطن میں مالدار ہو۔ لیکن سفر میں اس کے پاس خرچ ختم ہو گیا ہو یا کوئی اور ایسی وجہ ہو گئی کہ گھر تک پہنچنے کا خرچ نہیں ہے یا حاجی کا خرچ ختم ہو گیا اگرچہ وہ اپنے وطن میں مالدار ہو تو ایسے مسافر یا حاجی کو زکوۃ دینا جائز ہے۔

فقیرِ مسافر کو اپنی ضرورت کے مطابق لینا جائز ہے۔ ضرورت سے زیادہ لینا حلال نہیں، لیکن جو شخص اپنے وطن میں بھی فقیر ہے اس کو ضرورت سے زیادہ لینا درست ہے۔ مسافر فقیر کو زکوۃ لینے سے قرض لینا اولیٰ ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۱۳۲ / ۳)

منافقین کی حرکاتِ بد

۶۱۔ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کانوں کا کچا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ دھیان دے کر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔ وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور مومنوں کی بات مانتا ہے اور تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے حق میں رحمت ہے

اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یُؤْذُوْنَ: وہ ایذا دیتے ہیں۔ وہ تکلیف دیتے ہیں۔ اِیْذَاءٌ سے مضارع۔

اُذُنٌ: ہر کسی کی بات سن کر قبول کرنے والا۔

شانِ نزول: ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ رحمہم اللہ نے مجاہدؒ کا بیان اور ابن ابی حاتمؒ نے سدیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت منافقوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہیں میں سے حلاس بن سوید بن صامت، رفاعہ بن عبدالمنذر اور ودیعہ بن ثابت بھی تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ نامناسب باتیں کہیں تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ایسامت کہو۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ بات جو تم کہتے ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ جائے گی۔ پھر حلاس نے کہا کہ ہم جو چاہیں گے کہیں گے پھر ہم ان کے پاس چلے جائیں گے سو وہ ہماری بات کو سچ مان لیں گے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف کان ہیں (ہر ایک کا عذر سن لیتے ہیں)۔

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت منافقوں میں سے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس کو نبتل بن حارث کہا جاتا تھا۔ یہ شخص سرخ آنکھوں اور بھدے گالوں والا بدشکل آدمی تھا۔ یہ آپ کی باتیں سنتا اور جاکر منافقوں کو چپکے چپکے بتاتا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ ایسامت کر تو وہ کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو سراسر کان ہیں، جو کوئی ان سے کچھ بیان کرتا ہے تو وہ اس کو سچ مان لیتے ہیں۔ ہم جو چاہیں گے کہیں گے، پھر ان کے پاس جاکر (جھوٹی) قسمیں کھالیں گے (اور اپنی بات سے منکر ہو جائیں گے) تو وہ ہماری بات کو سچ مان لیں گے۔

یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو شخص شیطان کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ نبتل بن حارث کو دیکھ لے۔

(روح المعانی ۱۲۵، ۱۲۶ / ۱۰)

تشریح: منافقوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی باتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نبی تو کانوں کے بہت کچے ہیں۔ جو بات ان سے کہی جاتی ہے اس کو سن لیتے ہیں اور اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ جھوٹ اور سچ میں فرق نہیں کرتے، سو لوگوں کی باتوں سے دھوکہ کھاجاتے ہیں۔ ہم بھی ان کے پاس جاکر جھوٹی قسمیں کھالیں گے اور ان باتوں سے انکار کر دیں گے جو ہم نے ان کے بارے میں کہی ہیں۔ وہ ہماری باتوں کا بھی یقین کر

لیں گے۔

اس آیت میں ان کی انہیں باتوں کا جواب دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو آپ کے حلم و بردباری اور چشم پوشی سے دھوکہ لگا اسی لئے وہ آپ کے بارے میں نامناسب باتیں کہتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ آپ خیر کے کان ہیں شر کے کان نہیں، حق و باطل اور خیر و شر کا فرق آپ پر مخفی نہیں۔ آپ نورِ نبوت سے سچ اور جھوٹ پہچان لیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم پوشی اور نرمی ان منافقوں کے حق میں ایک قسم کی رحمت ہے کہ علم کے باوجود آپ نے ان کو برملا رسوا نہیں کیا اور ان کا پردہ فاش نہیں کیا۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے ہیں۔ ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ (مواہب الرحمن ۱۵۳ / ۱۰)

منافقوں کی بد بختی

۶۲۔۶۳ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝

وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی رکھیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ یہ ان کو راضی کریں۔ اگر یہ ایمان رکھتے ہوں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

يُحَادِدِ: وہ دشمنی کرتا ہے۔ وہ مخالفت کرتا ہے۔ محاددة سے مضارع۔

الْخِزْيُ: ذلت۔ خواری۔ رسوائی۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: منافقوں میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ ہمارے سردار اور رئیس، ہم میں سے بہترین لوگ ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ سچ ہے تب تو یہ لوگ سب سے زیادہ بیوقوف ہیں۔ یہ بات ایک سچے مومن صحابی نے سن لی۔ وہ کہنے لگے کہ واللہ رسول صلی اللہ

علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں وہ سب بالکل سچ ہے ۔ تمہیں لوگ بیوقوف ہو کہ ان پر ایمان نہیں لاتے ۔

پھر یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا ۔ آپؐ نے اس شخص کو بلوا کر پوچھا کہ تجھے یہ بات کہنے پر کس چیز نے ابھارا ۔ وہ قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں ۔ وہ صحابی اللہ سے دعاء کرنے لگے کہ اے پروردگار! تو سچے کا سچ اور جھوٹے کا جھوٹ ظاہر فرمادے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

(روح المعانی ۱۲۸ / ۱۰، ابن کثیر ۳۶۶ / ۲)

مقاتلؒ اور کلبیؒ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول منافقوں کی ایک جماعت کے بارے میں ہوا جو غزوہء تبوک سے پیچھے رہ گئی تھی ۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے واپس تشریف لائے تو وہ مومنوں کے پاس آکر اپنے پیچھے رہ جانے کے بارے میں عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے ۔ (روح المعانی ۱۲۸ / ۱۰، مظہری ۲۵۵ / ۴)

تشریح: منافقین اپنی خلوتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں پر طعن و تشنیع کرتے تھے ۔ پھر جب ان کے کہے ہوئے نازیبا کلمات آپ تک پہنچتے تو یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بات کا انکار کرتے اور حلفیہ کہتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی اسی حالت سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ منافق محض تمہیں راضی کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی گستاخیوں کا انکار کرتے ہیں ۔ حالانکہ اگر یہ لوگ واقعی سچے ایماندار ہیں تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ یہ لوگ ان کو راضی کریں ۔ ان کو راضی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ سچے دل سے ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں، ان کے بارے میں اپنے دلوں سے شیطانی خیالات کو نکال دیں اور زبان سے ان کے بارے میں گستاخانہ کلمات نہ کہیں ۔ ان لوگوں کو اتنی بھی عقل نہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کو دھوکہ نہیں دے سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ۔ وہ اپنے رسول کو بھی ان کے کرتوتوں اور بداعمالیوں سے وحی کے ذریعہ مطلع کر دیتا ہے ۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک زمانے سے لوگوں کو وعظ و نصیحت اور احکام دین سکھا رہے ہیں اور ان کو جزا و سزا کے بارے میں بتا رہے ہیں تو کیا یہ منافق اب بھی نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت

کرے گا، جس طرح یہ لوگ کرتے ہیں، تو بلاشبہ اس کو دوزخ کے عذاب کی سزا ملے گی ۔ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد یہ ہمیشہ اس عذاب میں مبتلا رہے گا اور کبھی اس سے نجات نہیں پائے گا یہ سزا بڑی سخت اور ذلت ورسوائی کی ہے ۔ (مواہب الرحمن ۱۵۳، ۱۵۴ / ۱۰)

منافقوں کی خود فریبی

۶۴۔ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ○

منافق اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ مسلمانوں پر ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دل کی بات ظاہر کر دے ۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم استہزاء کرتے رہو ۔ اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس سے تم ڈرتے ہو ۔

یَحْذَرُ: وہ ڈرتا ہے ۔ وہ بچتا ہے ۔ حَذَرٌ سے مضارع ۔

تُنَبِّئُھُمْ: وہ ان کو خبر دے گا ۔ تَنْبِئَۃٌ سے مضارع ۔

تشریح: یہ عجیب بات ہے کہ منافقین اپنی باطنی حالت کے بارے میں قرآن کے نزول کا تو خوف کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآنی آیات کے ذریعہ مسلمان ان کی باطنی حالات سے باخبر ہو جائیں اور اس طرح وہ دنیا ہی میں ان کے سامنے ذلیل ورسوا ہو جائیں، مگر وہ اپنے دلوں سے نفاق اور شک کو دور نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر مستعد اور پختہ تھے اور دین کے تمسخر اور استہزاء میں لگے ہوئے تھے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم دین کے ساتھ خوب تمسخر اور استہزاء کرتے رہو ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسد وعناد اور وہ تمام باتیں جو تم نے دل میں چھپائی ہوئی ہیں سب کے سامنے ظاہر کرنے والا ہے تاکہ جس ذلت ورسوائی کا تمہیں خوف واندیشہ ہے وہ تمہاری نظروں کے سامنے آجائے ۔

(مواہب الرحمن ۱۵۵ / ۱۰)

اسلام پر طعن و تشنیع

۶۵-۶۶ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۚ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○

اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ کہہ دیں گے کہ ہم تو بات اور دل لگی کرتے تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے۔ اب (یہ بے ہودہ) عذر مت کرو۔ بے شک تم تو ایمان لانے کے بعد کفر کرنے لگے۔ اگر ہم تم میں سے بعض کو معاف بھی کر دیں تو بعض کو اس لئے عذاب دیں گے کہ وہ تو تھے ہی گنہگار۔

نَخُوْضُ: ہم بحث کرتے ہیں۔ ہم باتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ خَوْضٌ سے مضارع۔

نَلْعَبُ: ہم کھیلتے ہیں۔ ہم دل لگی کرتے ہیں۔ لَعْبٌ سے مضارع۔

طَآئِفَةٌ: گروہ۔ جماعت۔ طَوْفٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: ابن المنذرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف جا رہے تھے۔ آپ سے آگے آگے کچھ فاصلے پر منافقوں کا ایک گروہ یہ کہتے ہوئے جا رہا تھا کہ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھو۔ ان کا خیال ہے کہ وہ شام کے محلات اور قلعے فتح کر لیں گے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس گفتگو سے مطلع فرما دیا۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ ان سواروں کو روک لو۔ جب ان کو آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے ایسے ایسے کہا تھا وہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی! ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۳۰ / ۱۰، ابن کثیر ۳۶۷ / ۲)

ابن جریرؒ اور ابن مردویہؒ وغیرہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے غزوہ تبوک میں کہا کہ ہم نے اپنے ان قرآن پڑھنے والوں کی طرح کسی کو ان سے زیادہ کھانے کا حریص، زبان کا جھوٹا اور دشمن سے مقابلے کے

وقت بزدلی کا مظاہرہ کرنے والا نہیں دیکھا۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے اور تو منافق ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ضرور کروں گا۔ چنانچہ یہ بات آپ تک پہنچی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۳۱ / ۱۰، مظہری ۲۶۰ / ۴)

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس منافق کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے کجاوہ کے پچھلے حصے کو پکڑ کر لٹکا ہوا جارہا تھا اور اس کی دونوں ٹانگوں پر پتھر لگ رہے تھے۔ اسی حالت میں وہ کہتا جارہا تھا کہ **اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ**، ہم تو سفر طے کرنے کے لئے ہنسی مذاق کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے **اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ**۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ آیت رأس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۳۱ / ۱۰، مواہب الرحمن ۱۵۶ / ۱۰)

تشریح: منافقین دین سلام اور مومنوں پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ جب آپ نے بلا کر ان سے باز پرس کی کہ تم کیوں دین اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہو تو وہ قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ ہم دل سے ایسی باتیں نہیں کرتے بلکہ ہم تو محض دل لگی کے طور پر زبان سے ایسی باتیں کر رہے تھے تاکہ باتوں باتوں میں سفر کٹ جائے۔ دین میں عیب جوئی ہرگز ہمارا مقصد نہ تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ، اس کے احکام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسخر کرتے ہو۔ تم لوگ بہانے مت بناؤ۔ تمہارے دل تو کفر و نفاق سے لبریز ہیں۔ اب تک تو تم ظاہر میں مسلمان تھے مگر تمہارے اس استہزاء اور تمسخر سے تمہارا ظاہری اسلام بھی جاتا رہا اور تمہارا باطنی کفر ظاہر ہو گیا۔ لہٰذا اب جھوٹے عذر تراشنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب جرم کی سزا مل کر رہے گی۔ البتہ تم میں سے جو لوگ صدق دل سے توبہ کرلیں گے ان کا قصور معاف کر دیا جائے گا اور جو لوگ اپنے کفر و نفاق اور حسد و عناد سے توبہ نہیں کریں گے اور اس پر بدستور قائم رہیں گے تو ان کو ضرور سزا ملے گی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷، ۳۷۲،۳ / ۳)

منافقین کی بد باطنی

۶۷-۶۸ **اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ**

بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ
نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَعَدَ
اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں (جو) بری باتوں (کفر) کا حکم کرتے ہیں اور اچھی باتوں (ایمان و اسلام لانے) سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو (خیرات دینے سے) بند رکھتے ہیں۔ وہ اللہ کو بھول بیٹھے۔ سو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔ بلاشبہ منافق بڑے ہی نافرمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لئے یہی (سزا) کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کر دی اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

يَقْبِضُوْنَ: وہ بند کرتے ہیں۔ وہ روکتے ہیں۔ وہ بخل کرتے ہیں۔ قَبْضٌ سے مضارع۔

نَسُوا وہ بھول گئے۔ انہوں نے چھوڑ دیا۔ نِسْيَانٌ سے ماضی۔

مُقِيْمٌ: دائمی۔ اٹل۔ ابدی۔

تشریح: منافق مرد اور عورتیں بد باطنی، شرک و نفاق اور ایمان سے دور ہونے میں سب برابر اور ایک جیسے ہیں۔ یہ سب لوگ مسلمانوں کی عداوت و مخالفت پر طبعی طور پر متفق ہیں۔ ان کے احوال مسلمانوں کے بالکل برعکس ہیں، اس لئے یہ مسلمانوں میں سے نہیں ہیں۔ ان آیتوں میں تفصیل کے ساتھ ان کی بد خصلتوں کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ شرک و نافرمانی اور اسلام کی مخالفت کی تلقین کرتے ہیں، ایمان و اسلام اور اتباع رسول سے لوگوں کو روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سخت گرمی میں جہاد کے لئے نہ نکلو۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں اللہ کو اس طرح بھول گئے ہیں گویا کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کا کوئی خالق بھی ہے جو ایک روز ان سے ان کے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو فراموش کر دیا۔ دنیا میں ان کو ایمان کی توفیق اور ہدایتِ اسلام سے محروم کیا اور آخرت میں ان کو اپنی رحمت سے دور کر کے عذاب میں ڈال کر چھوڑ دے گا اور پھر خبر بھی نہ لے گا۔ بلاشبہ یہ لوگ ایمان و اسلام کے دائرہ سے بالکل خارج ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور عورتوں اور علانیہ کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو دنیا میں عذاب دینے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے کفر و نفاق کی سزا کے لئے دوزخ کا عذاب ہی کافی ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا۔

(روح المعانی ۱۳۲، ۱۳۳ / ۱۰، مظہری ۲۶۲ / ۴)

منافقوں کا حال

۶۹۔ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

اے منافقو! تمہاری عادت بھی ان لوگوں کی مانند ہے جو تم سے پہلے ہو چکے۔ وہ تم سے زیادہ قوت اور زیادہ مال و اولاد والے تھے۔ وہ اپنے دنیوی حصے سے خوب فائدہ اٹھا گئے۔ سو تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصے سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے والوں نے اپنے حصوں سے فائدہ حاصل کیا۔ اور تم بھی برائی میں ایسے ہی پڑے جیسے وہ لوگ پڑے تھے۔ یہی ہیں وہ لوگ جن کے اعمال (حسنہ) دنیا اور آخرت میں ملیامیٹ ہو گئے اور یہی لوگ خسارے میں پڑے ہوئے ہیں۔

اِسْتَمْتَعُوْا: انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ اِسْتِمْتَاعٌ سے ماضی۔

بِخَلَاقِهِمْ: اپنے حصے سے۔

خُضْتُمْ: تم نے بیہودہ گوئی کی۔ تم گھسے۔ تم نے بحث کی۔ خَوْضٌ سے ماضی۔

حَبِطَتْ: وہ ضائع ہو گئے۔ وہ ناپید ہو گئے۔ حَبْطٌ سے ماضی۔

تشریح: یہاں منافقوں کو بتایا جا رہا ہے کہ تمہاری حرکتیں بھی ویسی ہی ہیں جیسی تم سے پہلے کافروں کی تھیں۔ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈالا تھا۔ اس لئے اللہ نے ان پر

لعنت فرمائی ۔ تم نے بھی انہی کی طرح سرکشی کی اس لئے اللہ نے تم پر بھی لعنت کی ۔

گزشتہ لوگ جسمانی قوت اور مال و اولاد میں تم سے بہت زیادہ تھے، اس لئے دنیاوی اعتبار سے انہوں نے اپنے مال و اولاد سے خوب فائدہ اٹھایا، مگر آخرت کی کچھ پرواہ نہ کی ۔ پس ان کے بعد تم نے بھی اپنے سے پہلے والوں کی طرح اس دنیا سے خوب فائدہ حاصل کیا ۔ تم بھی لہو ولعب اور بری باتوں میں بالکل انہی کی مانند ہو اور انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہو ۔ جیسے انہوں نے رسولوں کے ساتھ استہزاء، سرکشی اور نافرمانی کی، تم بھی ویسے ہی کر رہے ہو ۔ لہٰذا جس طرح ان کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور وہ بڑے نقصان میں رہے، اسی طرح تمہارے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے اور تم بھی دنیا و آخرت دونوں اعتبار سے خسارے میں رہو گے ۔

(مظہری ۲۶۳ / ۴، مواہب الرحمن ۱۶۱، ۱۶۳ / ۱۰)

گزشتہ انبیاء کی تکذیب کا انجام

۷۰۔ اَلَمۡ یَاۡتِہِمۡ نَبَاُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ۬ۙ وَ قَوۡمِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اَصۡحٰبِ مَدۡیَنَ وَ الۡمُؤۡتَفِکٰتِ ؕ اَتَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظۡلِمَہُمۡ وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ○

کیا ان لوگوں کو ان کے (عذاب وہلاکت) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے قوم نوح و قوم عاد و ثمود اور قوم ابراہیم و اصحاب مدین اور الٹی ہوئی بستیوں والے ۔ ان کے رسول ان کے پاس معجزے لے کر آئے ۔ سو اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ تو خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ۔

نَبَاٌ: خبر ۔ اطلاع ۔ واقعہ ۔ اسم ہے ۔

اَلْمُؤْتَفِکٰتِ: الٹی ہوئی ۔ منقلب ۔ اِیْتِفَاکٌ سے اسم فاعل ۔

اَتَتْھُمْ: وہ ان کے پاس آئی ۔ اِتْیَانٌ سے ماضی ۔

تشریح: کیا ان منافقوں کو گزشتہ نافرمانوں کے حال کی خبر نہیں ملی جو عذاب آنے سے پہلے دنیاوی لذتوں میں غرق اور آخرت سے بے فکر تھے ۔ انہوں نے ہمارے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور

ہمارے احکام کو پس پشت ڈالا تو ہم نے ان پر عذاب بھیج کر ان کو تباہ کر ڈالا۔ ان منافقوں کو چاہئے کہ گزشتہ اقوام کے حال سے عبرت پکڑیں مثلاً:

۱۔ **قومِ نوح:** پانی کے طوفان سے ہلاک کی گئی۔
۲۔ **قومِ عاد:** آندھی کے طوفان سے ہلاک کی گئی
۳۔ **قومِ ثمود:** زلزلے سے تباہ ہو گئی۔
۴۔ **قومِ ابراہیم:** اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے اپنی نعمت چھین کر اس کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا اور ایک حقیر مچھر یا چیونٹی سے ان کے بادشاہ نمرود کو ہلاک کر دیا اور اس کے ساتھیوں کو غارت کر دیا۔
۵۔ **اصحابِ مدین:** مدین والے یا حضرت شعیبؑ کی قوم۔ ان پر بادل کا عذاب آیا جس سے آگ برسی اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔
۶۔ **مؤتفکٰت:** الٹی ہوئی بستیاں یا قومِ لوط کی بستیاں جن کو الٹ دیا گیا۔ زمین کو زیروزبر کر دیا گیا اور پھر اوپر سے نوکیلے پتھر برسائے گئے۔

اللہ تعالیٰ جرم کے بغیر کسی کو ہلاک نہیں کرتا بلکہ تمہاری طرح انہوں نے بھی اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ ان کے پیغمبر بالکل کھلے کھلے اور واضح معجزے لے کر ان کے پاس آئے تھے اور ان کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا تھا، مگر انہوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ان کی نافرمانی کی جس کے نتیجہ میں وہ تباہ و برباد ہوئے۔ تمہیں بھی ڈرنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی طرح تم پر بھی عذابِ الٰہی آجائے۔ (روح المعانی ۱۳۳۔ ۱۳۵ / ۱۰)

مومنوں کے لئے بشارت

۷۱-۷۲۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے (دینی) مدد گار ہیں ۔ وہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ۔ ان لوگوں پر اللہ ضرور رحمت کرے گا ۔ بلاشبہ اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اور (اللہ نے) نفیس مکانوں کا (بھی وعدہ کر رکھا ہے) جو عدن کے باغوں میں ہوں گے اور اللہ کی رضا سب سے بڑی (نعمت) ہے ۔ یہ (جزا اور اجر) بڑی کامیابی ہے ۔

عَدْنٍ: عدن جنت میں ایک خاص مقام کا نام ہے ۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۔

(سورہ مریم، آیت ٦١)

(نیک لوگ رہیں گے) عدن کے باغات میں، جن کا رحمن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کیا ہے ۔

اور بزار و دارِ قطنی نے اور ابن مردویہ نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عدن اللہ کا گھر ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گذرا ۔ اس میں صرف تین طرح کے لوگ رہ سکیں گے، انبیاء، صدیقین اور شہداء ۔

اور عطاء بن سائب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عدن جنت میں ایک نہر کا نام ہے، جس کے دونوں کناروں پر باغات ہیں ۔ ایک قول یہ ہے کہ عدن اصل میں ٹھہرنے اور قرار پکڑنے کو کہتے ہیں اور اس آیت میں، ہمیشہ کا قیام مراد

ہے۔ (روح المعانی، ۱۳۶ / ۱۰ ۔ نسفی، ۳۵ ۔ ۳۶ / ۲ ۔ لسان العرب، ۲۷۹ / ۱۳)

تشریح: ان آیتوں میں مسلمانوں کی نیک صفتوں کا بیان ہے کہ مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں۔ وہ اللہ کی اطاعت اور اللہ کے دین کو سربلند کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ بھلائی کا درس دیتے اور بری باتوں سے امکان بھر روکتے ہیں۔ تمام شرائط کے ساتھ نماز پابندی سے پڑھتے اور زکوۃ ادا کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ مخلوق کی دلجوئی بھی ہوتی رہے۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکام پر دل و جان سے عمل کرتے ہیں۔ یہی لوگ جن میں مذکورہ بالا صفات پائی جائیں رحمتِ خداوندی کے مستحق ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی عزت و حکمت والا ہے۔ نہ کوئی اس سے سرتابی کی طاقت رکھتا ہے اور نہ کوئی اس کی حکمت کی تہ کو پہنچ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے مومن مردوں اور عورتوں سے، جن کی صفات ابھی اوپر بیان ہوئی ہیں، ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور عدن کے باغوں میں ان کے لئے نہایت عمدہ اور پاکیزہ مکان ہیں۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ نے یہ بھی وعدہ کر رکھا ہے کہ جنت میں ان لوگوں کو اللہ کی رضا اور خوشنودی بھی ملے گی جو سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس کے مقابلے میں ہر کامیابی حقیر ہے۔

(مظہری ۲۶۴ ۔ ۲۶۶ / ۴، ابن کثیر ۳۶۹ / ۲)

ایک حدیث میں ہے کہ مومن، مومن کے لئے دیوار کی مانند ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے۔ آپؐ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر دکھایا۔ (ابن کثیر ۳۶۹ / ۲)

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کی تمام چیزیں چاندی کی ہیں اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور تمام چیزیں سونے کی ہیں اور جنتِ عدن کے اندر اہل جنت اور ان کے رب کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا۔ صرف (اللہ کی) کبریائی کی چادر ہو گی جو اللہ تعالیٰ کے چہرے پر پڑی ہو گی۔

طبرانی نے اوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تمہیں کسی اور چیز کی طلب ہے

جو میں عطا کروں ۔ جنتی عرض کریں گے کہ اے ہمارے مالک! جو کچھ تو نے ہمیں عطا فرما دیا اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اللہ کی رضامندی ان سب سے بڑھ کر ہے ۔
(مظہری ۲۶۵، ۲۶۶ / ۴)

کفار و منافقین سے سختی کا حکم

۷۳۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے ۔

اُغْلُظْ: تو سختی کر ۔ غِلْظَۃٌ سے امر ۔

بِئْسَ: برا ۔ خراب ۔ فعل ذم ہے ۔

اَلْمَصِيْرُ: لوٹنے کی جگہ ۔ ٹھکانا ۔ اسم ظرف و مصدر میمی ۔

جَاهِدِ: تو جہاد کر ۔ تو اللہ کی راہ میں لڑائی کر ۔ مُجَاهَدَةٌ سے امر ۔ جہاد کے معنی کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے کے لئے اپنی انتہائی طاقت اور کوشش خرچ کرنے کے ہیں، خواہ یہ کوشش سیف و سینان سے ہو یا زبان اور حجت و برہان سے یا قلم سے ۔ غرض جس وقت جیسی مصلحت ہو جہاد کیا جائے ۔ کیونکہ آیت میں لفظ عام ہے ۔ (عثمانی ۵۶۷ / ۱)

تشریح: منافقین کے ناشائستہ اعمال و افعال کے ذکر کے بعد اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ منافقوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہ کریں جیسا کہ آپ کی عادتِ حمیدہ ہے بلکہ آپ ان کے ساتھ شدت اور سختی سے پیش آئیے ۔ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ اور مسلمانوں جیسا معاملہ کرنے کا حکم اس وقت تک تھا جب تک کہ ان کا نفاق پوشیدہ تھا ۔ اب چونکہ ان کا نفاق ظاہر ہو گیا ہے، اس لئے یہ بدبخت سختی اور شدت ہی کے مستحق ہیں ۔ آخرت میں بھی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کفار سے جہاد کا جو حکم آیا

ہے اس سے جہاد بالسیف والسنان مراد ہے اور منافقین سے جو جہاد کا حکم آیا ہے اس سے زبان اور برہان کے ذریعے جہاد کرنا مراد ہے۔ منافقین اپنے آپ کو مسلمان بتاتے تھے اور دوسرے لوگ بھی ان کو ظاہر کے اعتبار سے مسلمان ہی سمجھتے تھے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے قتل سے اعراض فرمایا اور ان کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ نہیں فرمایا۔ اسی لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں منافقین کے ساتھ زبان وقلم اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے۔ یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک نفاق پوشیدہ رہے۔ جب نفاق ظاہر ہو جائے تو پھر منافقین کے ساتھ بھی جہاد بالسیف ہو گا۔ منافقین چونکہ بظاہر مسلمان تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نرمی برتتے تھے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جب ان کا نفاق ظاہر اور واضح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ ان کے ساتھ سختی کرنے کا حکم نازل فرمایا۔

(روح المعانی ۱۳۸،۱۳/۱۰، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸/۳۷۹،۳)

منافقین کی احسان فراموشی

۴۷۔ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا ۭ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا اِلَّا اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے (وہ باتیں) نہیں کہیں حالانکہ وہ کفر کا کلمہ کہہ چکے ہیں اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو چکے اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جس کو وہ پا نہ سکے۔ اور انہوں نے یہ اسی کا بدلہ نکالا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہو گا اور اگر روگردانی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا وآخرت میں دردناک عذاب دے گا اور روئے زمین پر نہ ان کا کوئی حمایتی ہو گا اور نہ مددگار۔

ھَمُّوا: انہوں نے ارادہ کیا۔ انہوں نے قصد کیا۔ ھَمٌّ سے ماضی۔

یَنَالُوْ: وہ پہنچتے ہیں۔ وہ پاتے ہیں۔ نَیْلٌ سے مضارع۔

نَقَمُوْا: انہوں نے ناپسند کیا۔ انہوں نے بدلہ دیا۔ نَقْمٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ دو افراد میں لڑائی ہوئی، جن میں سے ایک قبیلہ جہینہ سے تعلق رکھتا تھا اور دوسرا قبیلہ غفار سے۔ جہینہ والے انصار مدینہ کے حلیف تھے۔ اس لڑائی میں غفاری اپنے مدِمقابل پر غالب آ گیا۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن ابی (منافق) قبیلہ اوس کو کہنے لگا کہ تم اپنے بھائی (جہنی) کی مدد کرو۔ واللہ ہماری اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے کتے کو موٹا تازہ کرے اور کتا اسے کھا جائے اور واللہ جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو ہم میں سے عزت والے ذلت والوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ ایک شخص نے اس کی یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادیں۔ آپ نے جب اسے بلوایا تو وہ اللہ کی قسمیں کھانے لگا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۳۸/۱۰، مواہب الرحمٰن ۱۷۱،۱۷۲/ ۱۰)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ جو منافق پیچھے رہ گئے تھے (اور غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے) اور جن کے بارے میں قرآن کریم بھی نازل ہوا، ان میں سے بعض حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ انہیں میں سے جلاس بن سوید بن صامت بھی تھا۔ حضرت عمیر بن سعد کی والدہ اس کے گھر میں تھیں اور خود عمیر بن سعد بھی اس کی پرورش میں تھے۔ چنانچہ جب قرآن نازل ہوا اور منافقین کا نفاق ظاہر ہوا تو جلاس کہنے لگا کہ واللہ اگر یہ شخص (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے تو ہم تو گدھے سے بھی بدتر ہیں۔ یہ بات عمیرؓ نے بھی سنی اور کہنے لگے۔ خدا کی قسم اے جلاس! تو مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھا اور تیری تکلیف مجھ پر اپنی تکلیف سے بھی زیادہ شاق تھی۔ لیکن تو نے ایسی بات کہہ دی ہے جسے میں اگر ذکر کرتا ہوں تو میری رسوائی ہے اور اگر میں اسے چھپاتا ہوں تو اس میں میری ہلاکت ہے۔ لیکن ان میں سے ایک (یعنی رسوائی) مجھ پر دوسری بات (ہلاکت) سے زیادہ آسان ہے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جلاس کی بات بیان کی۔ جب یہ بات جلاس کو معلوم ہوئی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی اور عمیر نے اس پر جھوٹ بولا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے

یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۳۷۱)

اس آیت کے شان نزول میں منافقین کے اور بھی واقعات ہیں۔ اور اس میں کوئی تضاد اور بعد نہیں کہ اس آیت میں سب ہی واقعات مراد ہوں۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ منافقین اپنی مجلسوں میں مومنوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازیبا کلمات کہتے رہتے ہیں۔ پھر جب مسلمانوں کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچتی ہے تو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی برأت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے ظاہری اسلام کے بعد کھلا کفر کر چکے ہیں اور زبان سے نازیبا کلمات کہہ چکے ہیں اور انہوں نے ایک ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جس کو وہ پورا نہ کر سکے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ تبوک سے واپسی میں آپ لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک پہاڑی راستہ پر جا رہے تھے۔ حضرت حذیفہ اور حضرت عمار آپ کے ساتھ تھے۔ بارہ منافق ایک گھاٹی میں (چھپ کر) کھڑے ہو گئے تھے تاکہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑی سے گرا دیں (نعوذ باللہ)۔ جبرائیل امین نے آکر آپ کو اطلاع دی اور اللہ کا حکم پہنچایا کہ آپ کسی آدمی کو بھیج دیں تاکہ وہ ان کی اونٹنیوں کے رخ پلٹ دے۔ آپ نے حضرت حذیفہ کو بھیج دیا۔ انہوں نے مار مار کر ان کی اونٹنیوں کے رخ پھیر دیئے۔ منافقین چونکہ اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھے اس لئے حضرت حذیفہ ان کو پہچان نہ سکے۔ بعد میں آپؐ نے حضرت حذیفہ کو ان منافقوں کے نام اور پتے بتا دیئے مگر ان کو کسی پر ظاہر کرنے سے منع فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے منافقوں کو دولت مند بنا دیا، قرضوں کے بار سے سبکدوش کر دیا اور آپ کی برکت سے ان کی زمینوں میں پیداوار اچھی ہوئی۔ انہوں نے ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دغا بازی کرنے لگے، آپؐ کو اور مسلمانوں کو ستانے پر ہمہ وقت کمربستہ رہنے لگے۔ اگر یہ لوگ اب بھی کفر و نفاق سے توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر انہوں نے توبہ سے منہ موڑا اور اپنے کفر و نفاق پر جمے رہے تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی ذلت و رسوائی اور قتل کی صورت میں سخت سزا دے گا اور آخرت میں بھی دوزخ کے ناقابلِ برداشت عذاب سے دوچار کرے گا۔ دنیا میں ان کا کوئی یار و مددگار اور طرف دار نہیں جو ان کے کچھ کام آئے اور ان کو قتل و رسوائی سے بچا سکے۔ یہ لوگ یونہی بے یار و مددگار رہیں گے۔ (مظہری ۲۶۸، ۲۶۹/ ۴، مواہب الرحمٰن ۱۷۲، ۱۷۴/ ۱۰، عثمانی ۵۶۷/ ۱)

منافقین کی عہد شکنی کا انجام

۷۵-۷۸۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○

اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، اگر اللہ اپنے فضل سے ہمیں دے تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور نیک ہو کر رہیں گے۔ پھر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دے دیا تو وہ اس میں (سے خیرات کرنے میں) بخل کرنے لگے اور روگردانی کرنے لگے۔ اور وہ تو تھے ہی روگردانی کے عادی۔ سو اس وعدہ خلافی کی سزا میں اور ان کے جھوٹ بولنے کی بنا پر، اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا جو اللہ کے پاس جانے کے دن تک رہے گا کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کا بھید اور خفیہ مشورہ جانتا ہے اور یہ کہ اللہ بڑا غیب دان ہے۔

فَاَعْقَبَهُمْ: پس اس نے ان میں اثر رکھ دیا۔ پس اس نے ان میں ڈال دی۔ اِعْقَابٌ سے ماضی۔

نَجْوٰىهُمْ: ان کی سرگوشیاں۔ ان کے خفیہ مشورے۔ اسم بھی ہے مصدر بھی

شانِ نزول: حضرت امامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ ثعلبہ بن حاطب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے (کثیر) مال عطا کرے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے ثعلبہ تجھ پر افسوس ہے! کیا تجھے میرا طریقہ پسند نہیں۔ اگر میں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو سونے کا بنا کر میرے ساتھ چلائے تو یہ ضرور چل پڑتے۔ اس نے (پھر) کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ میرے لئے دعاء کریں کہ وہ مجھے (کثیر) مال عطا کر دے پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال عطا

کر دیا تو میں ہر حق دار کو اس کا حق ضرور دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ افسوس ہے تجھ پر اے ثعلبہ! وہ قلیل مال بہتر ہے جس کا تو شکر ادا کر سکے اس کثیر مال سے، جس کا شکر ادا کرنے کی تم طاقت نہ رکھ سکو۔ مگر اس نے پھر بھی یہی کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں۔ اس پر آپؐ نے اس کے لئے دعاء فرمائی کہ اے اللہ! اس کو مال عطا فرما۔ چنانچہ اس دعاء کے بعد اس نے بکریاں پالیں اور ان میں اتنی برکت ہوئی کہ وہ اس تیزی سے بڑھتی تھیں، جیسے کیڑے بڑھ رہے ہوں۔ یہاں تک کہ اس کے لئے مدینہ میں جگہ تنگ پڑ گئی اور وہ شہر سے باہر جا بسا۔ اب وہ دن کی نمازیں تو آپؐ کے ساتھ پڑھتا تھا مگر رات کی نمازوں میں آپ کے ساتھ شرکت نہیں کرتا تھا۔

پھر جانوروں میں اور اضافہ ہوا اور وہ مزید دور چلا گیا۔ اب وہ آپؐ کے ساتھ نہ تو دن کی نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور نہ رات کی نمازوں میں۔ البتہ جمعہ کی نماز میں حاضر ہوتا تھا۔ پھر (بکریوں میں) مزید اضافہ ہوا اور موجودہ جگہ بھی تنگ ہوئی اور وہ مزید دور چلا گیا۔ اب وہ نہ جمعہ کی نماز میں آپ کے ساتھ حاضر ہوتا تھا اور نہ جنازے کی نماز میں شریک ہوتا تھا۔ مگر وہ سواروں سے مل کر خبریں دریافت کر لیا کرتا تھا۔

آپؐ نے اس کو نہ پاکر صحابہ سے پوچھا تو بتایا گیا کہ اس نے بکریاں خرید لی ہیں اور مدینے میں (اس کی بکریوں کے لئے) جگہ تنگ پڑ گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا افسوس ہے ثعلبہ بن حاطب! افسوس ہے ثعلبہ بن حاطب!! پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقات وصول کرنے کا حکم دیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ (التوبہ آیت ۱۰۳)

آپ ان کے مال میں سے صدقہ لے لیں تاکہ اس سے آپ ان (کے ظاہر و باطن) کو پاک اور صاف فرمائیں اور ان کے لئے دعاء فرمائیں۔ بے شک آپ کی دعاء ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے۔

چنانچہ آپؐ نے صدقات کی وصولی کے لئے دو اشخاص کو روانہ فرمایا۔ ان میں سے ایک جہینہ کا تھا اور دوسرا بنی سلمہ کا، اور انہیں ایک خط دیا جس میں آپ نے اونٹوں اور بکریوں کی عمریں لکھوا دیں اور یہ بھی لکھ دیا کہ صدقہ کس طرح وصول کرنا ہے اور ان دونوں کو ثعلبہ اور بنی سلیم کے ایک شخص کے پاس جانے کا حکم دیا۔

پھر وہ دونوں وہاں سے روانہ ہو کر (پہلے) ثعلبہ کے پاس پہنچے اور اس سے زکوۃ طلب کی۔ اس نے کہا کہ کیا تم مجھے اپنا خط دکھاؤ گے۔ پھر وہ خط دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ (کافروں پر عائد ہونے والا ٹیکس) ہے۔ تم (دوسرے شخص سے) فارغ ہو کر میرے پاس آنا۔ پھر وہ دونوں بنی سلیم کے شخص کے پاس چلے گئے۔ جب اس کو ان کی آمد کا مقصد معلوم ہوا تو اس نے بہترین اونٹ نکال کر سامنے دیئے۔ ان دونوں نے کہا کہ تم پر ایسے (بہترین) جانور دینا لازم نہیں۔ اس نے کہا کہ میں اللہ کے تقرب (رضا) کے لئے اپنا بہترین مال دے رہا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے وہ قبول کر لئے۔

وہاں سے فراغت پا کر وہ پھر ثعلبہ کے پاس آئے۔ اس نے پھر کہا کہ تم مجھے خط دکھاؤ۔ خط دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ تم جاؤ میں ذرا سوچ لوں۔ پھر وہ وہاں سے روانہ ہو کر مدینے آئے جب آپؐ نے ان دونوں کو دیکھا تو آپ نے ان کے بات کرنے سے پہلے ہی فرمایا: افسوس ہے ثعلبہ بن حاطب! اور سلیمی شخص کے حق میں برکت کی دعا فرمائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: **وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ** ..... تین آیات (روح المعانی ۱۴۳ / ۱۰، مظہری ۲۶۹، ۲۷۰ / ۴)

جب یہ آیات ثعلبہ کے قریبی عزیزوں نے سنیں تو انہوں نے اس کے پاس جا کر اس سے کہا کہ تجھ پر افسوس ہے ثعلبہ، تیرے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ پھر وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی زکوۃ پیش کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرا مال قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ سن کر وہ رونے لگا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تیرے اعمال کی سزا ہے۔ میں نے تو تجھے حکم دیا تھا مگر تو نے میری اطاعت نہیں کی۔ سو آپؐ نے اس کا مال قبول نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ چلا گیا۔ پھر وہ (حضرت) ابو بکرؓ کے (دور میں ان کے) پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری زکوۃ قبول کر لیں۔ انصار میں میرا جو مرتبہ ہے وہ آپ جانتے ہی ہیں۔ (حضرت) ابو بکرؓ نے فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری زکوۃ قبول نہیں فرمائی تو میں کیسے قبول کر لوں۔ چنانچہ انہوں نے اس کا مال قبول نہیں فرمایا۔

پھر جب حضرت عمرؓ امیر مقرر ہوئے تو وہ ان کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابو حفص! اے امیر المؤمنین! آپ میرا مال قبول فرمایئے۔ مگر انہوں نے کہا کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور نہ (حضرت) ابو بکرؓ نے تو میں کون ہوں؟ اس طرح حضرت عمرؓ نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر (حضرت) عثمانؓ امیر بنے تو انہوں نے بھی اس کا مال قبول نہیں

کیا اور وہ ان کی خلافت کے دوران ہلاک ہو گیا۔

(روح المعانی ۱۴۳، ۱۴۴ / ۱۰، مظہری ۲۷۰، ۲۷۱ / ۴)

حسن بصریؒ اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس آیت کا نزول ثعلبہ اور معتب بن قشیر کے بارے میں ہوا۔ یہ دونوں بنی عمرو بن عوف کے خاندان سے تھے۔ قبیلے کے سرداروں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ دونوں ادھر سے گزرے اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں (مال) عطا فرمائے تو ہم ضرور صدقہ کریں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرما دیا تو انہوں نے بخل کیا (اور زکوۃ بھی نہیں دی)۔

(مظہری ۲۷۱ / ۴، روح المعانی ۱۴۴ / ۱۰)

تشریح: منافقین میں سے کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و مہربانی سے ہمیں مال عطا فرما دے تو ہم خوب سخاوت کریں گے، اس میں سے فرض و مستحب صدقات بھی دیں گے، لوگوں کی بھلائی کے کام بھی کریں گے اور حقداروں کو ان کا حق بھی دیں گے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و عنایت سے ان کو بہت سا مال دے دیا اور ان کو خوشحال بنا دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے۔ اپنے عہد و پیمان سے پھر گئے اور اللہ کی اطاعت و فرماں برداری سے روگردانی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ انہوں نے فرض زکوۃ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے بخل و نافرمانی، عہد شکنی اور جھوٹ کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق پختہ کر دیا، جو قیامت تک قائم رہے گا۔ یعنی اللہ نے قیامت تک ان کو توبہ سے محروم کر دیا۔ قیامت کے روز جب وہ اللہ سے ملیں گے اس وقت بھی وہ منافق ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ ارادوں اور ان کی کانا پھوسی کو جو وہ اسلام کی مخالفت میں کرتے رہتے ہیں خوب جانتا ہے۔ اسے تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ لوگ محض زبانی دعوے کرتے ہیں کہ اگر ہم مالدار ہو جائیں تو یوں شکر گزاری کریں گے، یوں خیراتیں کریں گے، یوں نیکیاں کریں گے۔ بلاشبہ وہ عالم الغیب ہے وہ ہر حاضر و غائب اور ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۳ / ۳، مواہب الرحمن ۱۷۵، ۱۷۸ / ۱۰)

صدقات پر منافقوں کی طعنہ زنی

۷۹۔۸۰ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ز وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○

(یہ منافقین ایسے ہیں) جو ان مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور (خصوصیت کے ساتھ) ان لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جن کو محنت و مزدوری کے سوا کچھ میسر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر ہنسے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ آپ ان (منافقین) کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش طلب کریں گے تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ ایسی نافرمان قوم کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔

يَلْمِزُوْنَ: وہ طعنہ دیتے ہیں۔ وہ عیب نکالتے ہیں۔ لَمْزٌ سے مضارع۔

اَلْمُطَّوِّعِيْنَ: نفلی صدقات دینے والے۔ خیرات کرنے والے۔ تَطَوُّعٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: بغویؒ نے اپنی معجم میں اور ابو الشیخ نے حسنؒ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! صدقہ دو۔ اے لوگو! صدقہ دو۔ میں قیامت کے روز تمہارے لئے اس کی گواہی دوں گا۔ آگاہ رہو! شاید تم میں سے کوئی شخص بہت مالدار ہو اور اس کا پڑوسی مسکین ہو، کسی چیز کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ آگاہ رہو! ایک آدمی اپنی اونٹنی کے دودھ کا ایک بڑا پیالہ صبح کو (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے اور ایک پیالہ شام کو (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے اور صبح کے وقت اپنے گھر والوں کو ایک پیالہ دیتا ہے اور ایک پیالہ شام کے وقت ان کو دیتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! البتہ ان کا اجر بہت بڑا ہے۔

پس ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس چار اونٹ ہیں ۔ پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہو جو چھوٹے قد کا اور بدشکل تھا اور اس نے اپنی خوبصورت اونٹنی آگے بڑھ کر پیش کی ۔ پھر منافقین میں سے ایک شخص نے آہستہ سے کہا اور اس کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات نہیں سنی کہ اس سے تو اس کی اونٹنی اچھی ہے ۔ پس آپ نے اس کی بات سن لی اور فرمایا کہ تو جھوٹ کہتا ہے، وہ تجھ سے بھی بہتر ہے اور اس اونٹنی سے بھی ۔

پھر عبدالرحمنؓ بن عوف کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آٹھ ہزار (درہم یا دینار دونوں روایتیں آئی ہیں) ہیں جن میں سے چار ہزار میں اپنے گھر والوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں اور چار ہزار اللہ تعالیٰ کے لئے پیش کرتا ہوں ۔ انہوں نے جو کچھ پیش کیا منافقین نے اسے کثیر خیال کیا ۔ پھر عاصمؓ بن عدی انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس کھجور کے ستر وسق (ایک پیمانہ جو تقریباً پانچ من پانچ سیر کا ہوتا ہے) ہیں (میں وہ پیش کرتا ہوں) ۔ منافقوں نے اسے بھی کثیر سمجھا اور کہا کہ اس نے چار ہزار ریاکاری کے لئے دیئے ہیں اور اس نے بھی ستر وسق ریاکاری اور شہرت کے لئے دیئے ہیں ۔ پس ان دونوں نے خفیہ طور پر کیوں نہیں دیا؟ انہوں نے الگ الگ کیوں نہیں دیا؟

پھر ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے جن کا نام حجاب اور کنیت ابو عقیل تھی ۔ ابن کثیر نے ان کا نام حباب لکھا ہے ۔ ان کے نام میں کافی اختلاف ہے ۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کچھ مال نہیں سوائے اس کے کہ گزشتہ شب میں نے فلاں قبیلے میں دو صاع کھجور کے بدلے مزدوری کی تھی (صاع ایک پیمانہ ہے جو ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے) اور اپنی گردن پر بوجھ اٹھایا تھا ۔ پس میں نے اس میں سے ایک صاع اپنے گھر والوں کے لئے چھوڑ دیا اور ایک صاع لے آیا ہوں اور اس کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں ۔ منافقین نے اس کا بھی مذاق اڑایا اور کہا کہ اونٹوں والے اونٹ لائے اور چاندی والے چاندی لے کر آئے اور یہ چند کھجوریں اٹھا کر لایا ہے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔

(روح المعانی ۱۳٦ / ۱۰، ابن کثیر ۳۷۵ / ۲)

تشریح: یہ منافق نہایت بدخصلت ہیں ۔ ہر شخص میں عیب نکالتے ہیں خواہ کوئی سخی ہو یا بخیل ۔ اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں ایک بڑی رقم صدقہ کرتا ہے تو یہ اس کو ریاکار کہتے ہیں اور اگر

کوئی غریب و مسکین آدمی مالی وسعت نہ ہونے کی بنا پر تھوڑی سی چیز صدقہ کرتا ہے تو یہ لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو کنجوس ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے صدقے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی تو بعض صحابہ نے تو بہت سامال پیش کیا۔ ان لوگوں کے بارے میں منافقوں نے کہا کہ یہ تو دکھاوے اور شہرت کے لئے لائے ہیں۔ بعض لوگ غریب و نادار تھے، محنت و مزدوری کرتے تھے، اس لئے وہ بہت کم مال لے کر حاضر ہوئے۔ ایک صحابی صرف ایک صاع (ساڑھے تین سیر) کھجور لے کر حاضر ہوئے، اس پر منافقین نے ان پر طعنہ زنی کی اور کہا کہ اللہ اور رسول کو ایک صاع کی کیا ضرورت ہے۔ جس طرح یہ منافقین یہاں غریب مومنوں کا مذاق اڑاتے ہیں اسی طرح قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان منافقوں کا مذاق اڑائے گا اور ان کو دردناک عذاب سے دوچار کرے گا۔

لہٰذا ان تمسخر کرنے والے منافقوں کے حق میں آپ دعائے مغفرت نہ کریں، کیونکہ اگر آپ ان کے حق میں ستر دفعہ بھی مغفرت طلب کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور مومنوں کا تمسخر اڑایا۔ اللہ تعالیٰ ایسے بدکاروں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

(ابن کثیر ۵، ۳۷۳،٦ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۴ / ۳)

متخلفین منافقین کا دردناک انجام

۸۱-۸۲۔ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

رسول اللہ کے (غزوۂ تبوک کے لئے) جانے کے بعد پیچھے رہ جانے والے اپنے (بہانہ کرکے) بیٹھے رہنے پر خوش ہوگئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان

سے جہاد کرنا ان کو ناگوار ہوا اور (دوسروں کو بھی) کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو۔ آپ کہہ دیجئے کہ دوزخ کی آگ تو (اس سے) بہت زیادہ گرم ہے۔ کاش وہ (اس بات کو) سمجھتے۔ سو وہ (دنیا میں) تھوڑا سا ہنس لیں اور ان کاموں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے (آخرت میں) بہت رونا ہو گا۔

فَلْيَضْحَكُوْا: پس ان کو ہنسنا چاہئے۔ ضِحکٌ سے امر غائب۔

لْيَبْكُوْا: ان کو چاہئے کہ وہ روئیں۔ بُکَاءٌ سے امر غائب۔

جَزَآءً: جزا دینا۔ بدلہ دینا۔ سزا دینا۔ مصدر ہے۔

تشریح: غزوۂ تبوک کے موقع پر، کچھ لوگ سخت گرم موسم کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ انہوں نے جھوٹے عذر بنا کر آپؐ سے رخصت لے لی تھی۔ پھر وہ اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہنے پر خوش تھے۔ وہ اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے سے نہ صرف یہ کہ خود پہلو تہی کر رہے تھے بلکہ وہ دوسروں کو بھی موسم کی شدت اور سفر کی طوالت کا خوف دلا کر جہاد سے روک رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ تم اپنی بدکرداری اور بدباطنی سے جہنم کی جس آگ کے مستحق ہو رہے ہو وہ موسم کی شدت و حرارت سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ اگر یہ لوگ اس بات کو سمجھ لیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور نافرمانی کے نتیجہ میں دوزخ کی جس آگ میں جلنا پڑے گا وہ موسم کی گرمی اور دنیا کی آگ سے بہت زیادہ گرم ہو گی تو وہ دوزخ کی آگ سے بچنے کے لئے خوشی خوشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نکلتے اور اپنی جان و مال کو اللہ کی راہ میں فدا کرتے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری یہ آگ دوزخ کے ستر اجزا میں سے ایک جزو ہے۔ پھر بھی یہ سمندر کے پانی میں دو دفعہ بجھائی ہوئی ہے ورنہ تم اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکتے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اہل دوزخ میں سب سے کم عذاب والا وہ ہو گا جس کے دونوں پاؤں میں تسمے سمیت آگ کی دو جوتیاں ہوں گی، جس سے اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح کھول رہا ہو گا اور وہ سمجھ رہا ہو گا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اسی کو ہو رہا ہے، حالانکہ حقیقت میں سب سے ہلکا عذاب اسی کا

ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ دنیاوی زندگی تو بہت تھوڑی سی ہے، لہٰذا اس میں یہ لوگ جتنا چاہیں ہنس لیں، پھر آخرت کی زندگی میں تو ان کے لئے رونا ہی رونا ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا۔ یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا ہے۔

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو دنیا میں کم ہنسنا چاہئے، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور دنیا میں اللہ کے خوف سے زیادہ رونا چاہئے تاکہ گناہوں کی تلافی ہو جائے۔ کیونکہ رونے سے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مومن بندہ اللہ کے خوف سے اپنی آنکھوں سے آنسو نکالتا ہے خواہ وہ آنسو مکھی کے سر کے برابر ہوں پھر آنسو نکلنے سے اس کو دکھ پہنچتا ہے تو اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔

(ابن کثیر ۳۷۷ / ۲، مظہری ۲۷۵ / ۴)

منافقوں کو جہاد میں لے جانے کی ممانعت

۸۳۔ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝

سو (اے رسول) اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان (منافقین) کے کسی گروہ کی طرف پھر لے جائے اور یہ لوگ (کسی جہاد میں) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ کبھی نہ چلو گے اور نہ میرے ساتھ مل کر کبھی کسی دشمن سے لڑو گے تم نے تو پہلے بھی بیٹھے رہنے کو ہی پسند کیا تھا۔ سو تم اب بھی پیچھے رہ جانے والوں ہی کے ساتھ بیٹھے رہو۔

تشریح: اس آیت میں منافقوں کو آئندہ کسی جہاد میں لے جانے کی ممانعت فرما دی گئی۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو اس غزوہ سے امن و سلامتی اور خیر و عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ واپس پہنچادے اور اس کے بعد کوئی دوسرا امر پیش آجائے اور ان منافقوں میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آکر اس دوسرے غزوے میں جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان کو سزا دینے کے لئے صاف صاف بتا دیجئے کہ تم لوگ نہ تو میرے ساتھ جہاد کے لئے نکل سکتے ہو اور نہ میرے ساتھ رہ کر دشمنوں سے لڑ سکتے ہو۔ جب تم پہلی دفعہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش رہے تو اب بھی بلاعذر پیچھے رہنے والوں کے ساتھ عورتوں کی طرح گھر میں ہی بیٹھے رہو۔ اب تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔

منافقوں کی نمازِ جنازہ کی ممانعت

۸۴-۸۵۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰىٓ اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○

اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ کبھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر (جاکر) کھڑے ہونا۔ (کیونکہ) بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور وہ نافرمانی کرتے کرتے مر گئے اور ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ (ان چیزوں سے) ان کو دنیا میں عذاب دے اور ان کا دم بھی کفر کی حالت میں نکلے۔

تُصَلِّ: تو نماز پڑھ۔ تو دعا کر۔ تَصْلِيَةٌ سے مضارع۔

تَقُمْ: تو کھڑا ہو۔ قِيَامٌ سے مضارع۔

تَزْهَقَ: وہ نکل جائے۔ وہ مٹ جائے۔ زُهُوْقٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہو کر اپنے باپ کے کفن کے لئے ایک کرتہ عطا فرمانے کی درخواست کی۔ آپؐ نے اس کو عطا فرما دیا۔ پھر انھوں نے (اپنے باپ کی) نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپؐ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے آپ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ نے تو آپ کو اس کی نماز پڑھانے سے منع فرما دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ نے مجھے اختیار دے دیا ہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً.....

اور میں ستر دفعہ سے زیادہ اس کے لئے دعاء مغفرت کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یہ تو منافق تھا مگر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۵۳، ۱۵۴/ ۱۰، مظہری ۲۷۶/ ۴)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں سے بالکل بے تعلق ہو جانے کا حکم دیا ہے۔ چونکہ یہ لوگ کفر و فسق اور نافرمانی و سرکشی کی حالت پر زندہ رہے اور اسی حالت میں مرے، اس لئے ان کا معاملہ مسلمانوں جیسا نہیں۔ گو ظاہری اعتبار سے وہ مسلمان تھے۔ ان کی قبریں اللہ کے غضب اور قہر کا محل ہیں۔ اس لئے مومن کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسی جگہ جہاں اللہ کا قہر نازل ہو رہا ہو وہاں ایک منٹ کے لئے بھی کھڑا ہو۔ لہٰذا نہ تو ایسے بدبختوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ ان کی قبروں پر جا کر ان کے لئے مغفرت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد منافق کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہو گیا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ نے کبھی کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

ان منافقوں کا مال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالے کہ مغضوب خدا ہونے کے باوجود ان کو یہ نعمتیں کیسے عطا ہوئیں۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو مال و اولاد میں جو ترقی دے رکھی ہے وہ اس لئے نہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقبول و منتخب بندے ہیں بلکہ یہ تو ان کے لئے محض ایک ڈھیل اور مہلت ہے جو حقیقت میں وبال ہے۔ یہ لوگ دولت جمع کرنے اور اولاد کی دیکھ بھال کے لئے طرح طرح کی فریب کاریاں کرتے ہیں، دکھ اٹھاتے ہیں اور سختیاں جھیلتے ہیں۔ اس لئے اس مال کو خرچ کرنا انہیں ناگوار ہوتا ہے۔ اور جس کے پاس مال نہیں وہ حسرت و افسوس کرتا ہے۔ غرض مال و اولاد کا ہونا یا نہ ہونا دونوں صورتوں میں ان پر عذاب ہی عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و محبوب ہونے کا ذریعہ صرف اس کی کامل اطاعت ہے

نہ کہ مال و دولت ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۷، ۳۸۹ / ۳، مواہب الرحمن ۱۸۵، ۱۸۶ / ۱۰)

جہاد سے جی چرانے والے

۸۶-۸۹ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ○ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ (کافروں سے) جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے آپ سے (جہاد میں شرکت سے) رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے تاکہ ہم بھی یہاں بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہیں ۔ وہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئے اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی سو وہ سمجھتے ہی نہیں ۔ لیکن رسول اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انہی کے لئے سب بھلائیاں ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۔ یہی بڑی کامیابی ہے ۔

الطَّوْلِ: مال ۔ دولت ۔ مہر ۔ وسعت
ذَرْنَا: تو ہم کو چھوڑ دے ۔ وَذْرٌ سے امر ۔
الْخَوَالِفِ: پیچھے رہنے والیاں ۔ واحد خَالِفَةٌ

طُبِعَ: مہر کر دی گئی۔ بندش کر دی گئی۔ طَبْعٌ سے ماضی مجہول۔

اَعَدَّ: اس نے تیار کیا۔ اِعْدَادٌ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں بھی ان منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے جو غزوۂ تبوک میں شریک ہونے سے حیلے بہانے کر کے رک گئے تھے۔ جو لوگ طاقت وقوت اور وسعت ہونے کے باوجود جہاد کے لئے نکلنے سے جی چراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم سننے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر جہاد سے پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہمیں تو گھر میں بیٹھے رہنے والوں ہی کے ساتھ چھوڑ دیجئے۔ یہ لوگ راحت پسندی کی بنا پر گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے پر خوش ہیں۔ اگر یہ لوگ اطاعت گزار ہوتے اور جہاد کی برکات وسعادت کو سمجھتے تو جہاد کے لئے ضرور نکلتے۔ یہی ان کے لئے بہتر تھا۔ مگر ان کے دلوں پر تو بداعمالیوں کی مہر لگ چکی ہے۔ اب ان میں اپنے نفع ونقصان کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ ان کے گھروں میں بیٹھے رہنے اور جہاد کے لئے نہ نکلنے سے اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہوا، اس لئے کہ ان سے بہتر اور افضل لوگوں نے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا۔ انہی لوگوں کے لئے دونوں جہان میں ہر قسم کی خیر وخوبی اور بھلائی ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ انہی کے لئے ایسے باغات تیار کئے گئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ (ابن کثیر ۳۸۰/۲)

منافقین کا عذرِ کاذب

۹۰۔ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

اور صحرا نشینوں میں سے بھی کچھ بہانہ کرنے والے آئے تاکہ ان کو بھی (گھر میں رہنے کی) اجازت مل جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا وہ تو بالکل ہی بیٹھے رہے (آئے تک نہیں) سو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب ہوگا۔

تشریح: غزوۂ تبوک کے وقت کچھ لوگ دیہاتوں سے آئے جنہوں نے قلتِ مال اور کثرتِ عیال کا عذر پیش کیا، تاکہ ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت مل جائے۔ یہ قبیلہ بنو غفار کے لوگ تھے۔ ان دیہاتیوں میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے گھروں پر ہی بیٹھے رہے۔ انہوں نے آپؐ کے پاس آکر اپنے نہ جانے کا عذر بھی پیش نہیں کیا کیونکہ انہوں نے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا تھا۔ ان میں سے جو لوگ آخر تک اپنے کفر پر قائم رہے ان کو آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اور جو لوگ توبہ کر لیں گے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ (روح المعانی ۱۵۷/۱۰)

مومنین کا عذرِ صادق

۹۱-۹۳۔ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ
لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ
مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّلَا
عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ
اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا
اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ
وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ضعیفوں اور مریضوں پر کوئی الزام نہیں اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے) جن کو سفر خرچ میسر نہیں۔ بشرطیکہ وہ گھر بیٹھ کر اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے ہوں۔ ان نیکو کاروں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور نہ ان پر کچھ الزام ہے جو آپ کے پاس سواری لینے کے لئے آئے تھے اور آپ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ میرے پاس تمہیں سوار کرانے کے لئے کچھ نہیں تو وہ آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہاتے ہوئے واپس لوٹ گئے کہ ان کو سفر خرچ میسر نہیں۔ الزام تو صرف ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہونے کے باوجود آپ

سے رخصت مانگتے ہیں۔ وہ لوگ تو خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی سو وہ جانتے ہی نہیں۔

لِتَحْمِلَهُمْ: تاکہ تو ان کو سوار کردے۔ حَمْلٌ سے مضارع۔

اَجِدُ: میں پاتا ہوں۔ وِجْدَانٌ سے مضارع۔

تَفِيْضُ: وہ بہتی ہے۔ وہ جاری ہوتی ہے۔ فَيْضٌ سے مضارع۔

الدَّمْعِ: آنسو۔ جمع دُمُوْعٌ۔

حَزَنًا: رنج دینے والا۔ غم دینے والا۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتمؒ اور دار قطنیؒ نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا اور سورۂ برأت لکھ رہا تھا۔ پس (اس وقت) میں نے قلم کو اپنے کان پر رکھا ہوا تھا جب ہمارے لئے قتال کا حکم نازل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے منتظر تھے کہ آگے کیا حکم نازل ہوتا ہے کہ اتنے میں ایک نابینا شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نابینا ہوں۔ میرے بارے میں کیا حکم ہے۔ اس وقت یہ آیت لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ..... نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۵۸ / ۱۰، مظہری ۲۷۹ / ۴)

بغویؒ نے لکھا ہے کہ قتادہؒ نے کہا کہ اس آیت کا نزول حضرت عابد بن عمروؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں ہوا تھا۔ ضحاکؒ نے کہا کہ یہ آیت حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ کے بارے میں نازل ہوئی جو نابینا تھے۔ (مظہری ۲۷۹ / ۴)

تشریح: ان آیتوں میں شرعی عذروں کا بیان ہے۔ اگر کوئی شخص ان عذروں کے ہوتے ہوئے جہاد میں نہ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس آیت کی رو سے جو لوگ کسی شرعی عذر کی بنا پر جہاد میں شرکت سے مستثنیٰ ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ کمزور و ناتواں لوگ۔ یعنی بوڑھے، بچے، عورتیں اور نحیف و کمزور لوگ جو جہاد کی مشقت کو برداشت نہیں کرسکتے۔

۲۔ بیمار، معذور۔ اس میں اندھے، لنگڑے اور لولے بھی داخل ہیں۔

۳۔ غریب و نادار۔ جن کے پاس سواری اور ہتھیار نہ ہوں اور نہ ان کے پاس اتنے پیسے ہوں کہ وہ ان سے سامان جہاد مہیا کرسکیں۔

ایسے لوگوں پر جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ دل و جان سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کرتے رہیں، مجاہدین کے اہل و عیال کی حفاظت کرتے رہیں اور دوسرے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے رہیں۔ ان لوگوں کو جہاد سے پیچھے رہ جانے پر اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ الزام و ملامت تو صرف ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہیں اور زادِ راہ اور سواری ہونے کے باوجود آپ سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ یہ لوگ تو گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے پر ہی خوش ہیں۔ اگر یہ لوگ جہاد کی برکات کو سمجھتے تو ضرور اس کے لئے نکلتے، مگر اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اب ان میں اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔

ابن جریرؒ اور ابن مردویہؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نیز ابن جریرؒ نے محمد بن کعب قرظیؒ کی روایت سے اور ابن اسحاقؒ اور ابن المنذرؒ نے زہری بن یزید رومانؒ، عبداللہ بن ابی بکرؒ اور قتادہؒ کے حوالے سے بیان کیا کہ صحابہ کی ایک جماعت (غزوۂ تبوک کے موقع پر) سواریاں طلب کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی یہ سب تنگ دست اور محتاج تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی سے رہ جانا بھی نہیں چاہتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سواریاں نہیں ہیں کہ سوار ہونے کے لئے تمہیں دے سکوں۔ یہ لوگ روتے ہوئے اس رنج کے ساتھ واپس چلے گئے کہ ان کے پاس خرچ کے لئے کچھ بھی نہیں ہے (اور رسول اللہ کے پاس بھی کوئی زائد سواری نہیں ہے)۔ مظہری ۲۸۰ / ۴۔

منافقین کا عذر قبول کرنے کی ممانعت

۹۴-۹۶ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ
لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ
وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ
اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ز
وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ يَحْلِفُوْنَ

لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○

جب تم (جہاد سے لوٹ کر) ان کے پاس جاؤ گے تو یہ لوگ تم سب کے سامنے عذر پیش کریں گے ۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم عذر پیش نہ کرو ۔ ہم ہرگز تمہاری بات نہیں مانیں گے ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سب حالات ہمیں بتا چکا ہے اور ابھی تو اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھے گا ۔ پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے ۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے ۔ جب تم ان کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو ۔ سو تم ان سے منہ پھیر لینا کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے ۔ (یہ) ان کاموں کا بدلہ ہے جو وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے ۔ تمہیں راضی کرنے کے لئے وہ قسمیں کھائیں گے ۔ پھر اگر تم ان سے خوش ہو بھی جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا ۔

تُرَدُّوْنَ : تم لوٹائے جاؤ گے ۔ تمہیں پھیرا جائے گا ۔ رَدٌّ سے مضارع مجہول ۔

اِنْقَلَبْتُمْ : تم لوٹ گئے ۔ تم پھر گئے ۔ اِنْقِلَابٌ سے ماضی ۔

لِتُعْرِضُوْا : تاکہ تم اعراض کرو ۔ تاکہ تم ان سے درگزر کرو ۔ اِعْرَاضٌ سے مضارع ۔

رِجْسٌ : ناپاک ۔ گندہ ۔ عذاب ۔ جمع اَرْجَاسٌ

مَاْوٰىهُمْ : ان کے رہنے کی جگہ ۔ ان کا ٹھکانا ۔ اُوِیٌّ سے اسم ظرف ۔

تشریح : یہ آیتیں غزوۂ تبوک سے واپس آنے سے پہلے نازل ہوئیں ۔ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ آپ کی واپسی کے بعد آپ کے پاس آکر غزوۂ تبوک میں اپنے شریک نہ ہونے کے بارے میں عذر پیش کریں گے اور قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلائیں گے ۔ مگر آپ ان کو صاف صاف بتا دیجئے کہ اب کسی قسم کے عذر کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری باطنی حالت سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے ۔ لہٰذا اب ہم تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کریں گے اور نہ تمہارا کوئی عذر قبول کریں گے ۔

اگر تم اپنے سچا ہونے پر اصرار کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول آئندہ تمہارے طرز

عمل کو دیکھیں گے کہ آیا تم اپنے نفاق سے توبہ کر کے سچے مومن بنتے ہو یا اپنے نفاق پر قائم رہتے ہو اور اسی کے مطابق تمہارے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ پھر قیامت کے روز تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو تمہارے اعمال اور تمام پوشیدہ خیالوں سے واقف ہے۔ پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کرے گا اور تمہارا نفاق ظاہر کر دے گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ غزوہ سے لوٹ کر ان کے پاس جائیں گے تو وہ آپ کے پاس آکر قسمیں کھائیں گے اور اپنے عذر بیان کریں گے تاکہ آپ ان سے اعراض کر لیں اور ان پر غصہ نہ کریں۔ سو آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ بلاشبہ وہ نہایت پلید اور گندے ہیں۔ ان کے راہِ راست پر آنے کی امید نہیں اس لئے ان کے کفر و نفاق کی سزا میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے سو ایسے لوگوں سے میل جول کی ضرورت نہیں۔

یہ لوگ تمہارے سامنے اس لئے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان کی باتوں پر یقین کر کے ان سے راضی ہو جاؤ اور ان کے ساتھ پہلے جیسا سلوک کرنے لگو۔ اگر بالفرض تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تب بھی اللہ تعالیٰ ان بدکاروں سے راضی نہ ہو گا کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دے سکتے اور نہ اس سے اپنی حالت چھپا سکتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کی ناراضگی کے ہوتے ہوئے تمہاری رضا مندی ان کو کچھ فائدہ نہ دے گی۔ ان پر دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ضرور آئے گا۔

(معارف القرآن ۴۴۴، ۴۴۵ / ۴، مواہب الرحمٰن ۱، ۳ / ۱۱)

دیہات کے منافقین کی مذمت

۹۷-۹۸۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

دیہات کے لوگ کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہئے کہ وہ ان احکام کو نہ جانیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ خبردار (اور) حکمت والا ہے۔ اور دیہات کے بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو

کچھ وہ خرچ کرتے ہیں تو اس کو تاوان سمجھتے ہیں۔ اور تمہارے لئے زمانے کی گردشوں کے منتظر رہتے ہیں۔ اور برا وقت انہی (منافقین) پر پڑنے والا ہے اور اللہ خوب سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

اَعْرَابٌ: یہ لفظ عرب کی جمع نہیں بلکہ یہ اسم جمع ہے جو دیہات کے باشندوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کا مفرد اَعْرَابِیٌّ ہے۔

اَجْدَرُ: زیادہ اہل۔ زیادہ لائق۔ جَدَارَۃٌ سے اسم تفضیل۔

مُغْرَمًا: جرمانہ۔ تاوان۔ غرم سے مصدر میمی۔ جمع مَغَارِمُ۔

یَتَرَبَّصُ: وہ راہ دیکھتا ہے۔ وہ انتظار کرتا ہے۔ تَرَبُّصٌ سے مضارع۔

الدَّوَآئِرُ: گردشیں۔ مصائب۔ دائرے۔ واحد دَائِرَۃٌ۔

السَّوْءِ: برا ہونا۔ مصدر ہے۔

تشریح: مدینہ کے مضافات و دیہات کے رہنے والوں میں منافقین بھی تھے اور مومنین بھی ان آیتوں میں دیہات کے منافقین کا ذکر ہے کہ ان کا کفر و نفاق دوسروں کے مقابلے میں بہت زیادہ اور شدید ہوتا ہے۔ وہ لوگ علم سے بھی دور ہوتے ہیں اور علماء کرام کی صحبت بھی ان کو میسر نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کے دل سخت ہوتے ہیں اور وہ اللہ کی نازل کردہ حدود اور احکام سے بے خبر رہتے ہیں۔

اگر یہ لوگ اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو اس کو تاوان اور نقصان سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں۔ یہ لوگ محض اپنے کفر و نفاق کو چھپانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ بھی دیتے ہیں۔ مگر دل میں کڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ مال ضائع ہو گیا۔ اس لئے یہ لوگ اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں پر کوئی مصیبت آجائے یا وہ کسی حادثے سے دوچار ہو جائیں اور دشمن ان پر غلبہ پالے تاکہ وہ اس تاوان سے نجات حاصل کر لیں۔ لیکن یہ حوادث و مصائب گھوم پھر کر انہی پر نازل ہوں گے اور یہ اپنے افعال و اقوال کی بنا پر اور زیادہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پکار کو سننے والا ہے۔ وہ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ ذلت و نامرادی کا مستحق کون ہے اور نصرت و کامیابی کا سزاوار کون۔

(معارف القرآن ۴۴۷ / ۴، ابن کثیر ۳۸۳ / ۲)

بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت بنی اسد، بنی غطفان اور بنی تمیم کے صحرانشینوں کے حق میں

نازل ہوئی۔ ابو الشیخؒ نے کلبیؒ کا بھی بیان نقل کیا ہے، مگر اس میں بنی تمیم کا ذکر نہیں۔
(مظہری ۲۸۴ / ۴)

رحمتِ خداوندی کی بشارت

۹۹۔ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور دیہات کے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے خرچ کرنے کو اللہ کا قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعاء کا وسیلہ شمار کرتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! ان کا یہ خرچ کرنا ان کے لئے موجبِ تقرب ہے۔ بہت جلد اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔

تشریح: دیہات کے تمام باشندے ایک جیسے نہیں ہوتے ان میں مخلص مسلمان اور سمجھ دار لوگ بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور زکوٰۃ و صدقات اس امید پر دیتے ہیں کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حاصل کریں۔ ان لوگوں کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا یقیناً قربِ خداوندی کا سبب ہو گا اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

یہ آیت قبائل مزینہ، اسلم، غفار اور جہینہ کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے اور ثواب کی نیت سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۹۸ / ۳)

سبقت والے مہاجرین و انصار

۱۰۰۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) مقدم ہیں اور (باقی امت میں سے) جو لوگ نیکی میں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ اس (اللہ) سے راضی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

تشریح: السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ میں اکثر مفسرین نے حرف "من" کو تبعیض کے لئے قرار دیا ہے۔ جس سے صحابہ کرام کے دو طبقے ہو گئے۔ ایک سابقین اولین کا طبقہ جو پہلے درجے میں ہیں اور دوسرا باقی صحابہ کرام کا جو دوسرے درجے میں ہیں سابقین اولین کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ سعید بن مسیب، قتادہ اور ابن سیرین وغیرہ کے نزدیک مہاجرین میں سے سابقین اولین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ یعنی جو لوگ تحویل قبلہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ سابقین اولین ہیں ان کے علاوہ باقی لوگ دوسرے درجے میں ہیں۔

عطا بن ابی رباحؒ کے نزدیک سابقین اولین سے وہ صحابہ مراد ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ ان کے بعد باقی لوگ دوسرے درجے میں ہیں۔

علامہ شعبی فرماتے ہیں کہ جو صحابہ واقعہ حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے وہ سابقین اولین ہیں۔ باقی لوگ دوسرے درجے میں ہیں۔

بعض کے نزدیک صرف وہ آٹھ صحابی مراد ہیں جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ یعنی حضرت ابو بکر، حضرت زید بن حارثہ، حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت علی، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم

اسحاق بن ابراہیم حنظلیؒ نے ان مختلف اقوال میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ مردوں میں سابق الاسلام حضرت ابو بکرؓ تھے، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، لڑکوں میں حضرت علیؓ اور (آزاد کردہ)

غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ ۔ مذکورہ بالا تمام اقوال مہاجرین صحابہ کے بارے میں ہیں ۔ جہاں تک سابقین انصار کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے لیلتہ العقبہ (گھاٹی والی رات) میں آپؐ سے بیعت کی، یہ چھ یا سات آدمی تھے ۔

(معارف القرآن ۴۴۹ / ۴، مظہری ۲۸۵، ۲۸۶ / ۴)

تفسیر مظہری میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت میں حرف "من" تبعیض کے لئے نہیں بلکہ بیان کے لئے ہے ۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تمام صحابہ کرام باقی امت کے مقابلے میں سابقین اولین ہیں کیونکہ ان کا ایمان باقی امت سے اول اور سابق ہے ۔ (مظہری ۲۸۷ / ۴)

والذین اتبعوھم باحسان ۔ وہ لوگ مراد ہیں جو سابقین اولین کے بعد آئے اور ان کے نقش قدم پر چلے، خواہ وہ صحابہ ہوں یا تابعین ہوں یا تبع تابعین یا ان سے بھی بعد کے لوگ یعنی وہ تمام لوگ مراد ہیں جو مہاجرین و انصار کی پیروی کریں، خواہ وہ کسی زمانے میں ہوں، وہ سب جنت کے مستحق ہیں ۔ وہ اللہ سے خوش اور اللہ ان سے خوش ۔

پس یہ آیت قیامت تک جملہ مسلمانوں کو شامل ہے جو صحابہ کرام کے طریقے پر ہوں اور اپنے تمام اقوال و افعال میں ان کی پوری پوری اتباع کرتے ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے اپنی رضا، مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے ۔ یہی عظیم کامیابی ہے کہ اس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ نہیں ۔ صحابہ کرام کی اتباع اور پیروی کے بغیر اللہ کی رضا اور جنت نہیں مل سکتی ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۰۰ / ۳)

کامل منافقین کا ذکر

۱۰۱۔ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝

اور کچھ تمہارے گرد و پیش والے دیہاتی بھی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں ۔ آپ ان کو نہیں جانتے ۔ ہم ان کو جانتے ہیں ۔ جلد ہم ان کو دہری سزا دیں گے ۔ پھر (آخرت میں) وہ بڑے عذاب کی طرف

لوٹائے جائیں گے۔

مَرَدُوْا: انہوں نے ضد کی۔ انہوں نے سرکشی کی۔ مَرَدٌ سے ماضی۔

مَرَّتَیْنِ: دو مرتبہ۔ دو بار۔ واحد مَرَّةٌ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کے حال سے مطلع فرمایا کہ مدینے کے اطراف میں رہنے والے قبائل میں سے بعض لوگ منافق ہیں۔ اسی طرح کچھ مدینے کے رہنے والے مسلمان بھی حقیقت میں منافق ہیں۔ یہ لوگ اپنے نفاق میں نہایت پختہ اور کامل ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمال فراست سے منافقوں کو ان کے اندازِ گفتگو سے پہچان لیا کرتے تھے۔ مگر یہ منافق ایسے چال باز تھے کہ ان کا نفاق آپؐ پر ظاہر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان کے بارے میں مطلع فرمایا۔ پھر فرمایا کہ بہت جلد ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے، ایک مرتبہ دنیا میں ذلیل و رسوا کرکے اور دوسری مرتبہ عذابِ قبر سے دوچار کریں گے۔

ابن ابی حاتمؒ اور طبرانیؒ نے اپنی اوسط میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ ایک روز جمعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے فلاں! کھڑے ہو اور نکل جاؤ، اس لئے کہ تم بلاشبہ منافق ہو۔ اے فلاں! تم نکل جاؤ کیونکہ تم منافق ہو۔ سو آپؐ نے ان منافقین کو ان کے ناموں سے پکار پکار کر نکالا اور ان کو رسوا کیا۔

حضرت عمرؓ اس جمعہ میں اپنی کسی مصروفیت کی وجہ سے (اس وقت تک) حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ وہ منافقین کو (راستے میں) ملے، جب وہ مسجد سے نکل کر آرہے تھے۔ سو حضرت عمرؓ اس بات پر شرم محسوس کرتے ہوئے کہ وہ جمعہ میں حاضر نہیں ہو سکے ان منافقین سے چھپنے لگے اور ان کا خیال تھا کہ وہ (منافقین نماز سے) لوٹ رہے ہیں (اور نماز ہو چکی ہے) اور منافقین بھی یہ گمان کرتے ہوئے حضرت عمرؓ سے چھپنے لگے کہ ان کو ان کے معاملے کا علم ہو گیا ہے۔

پھر جب حضرت عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو (دیکھا کہ) لوگ واپس نہیں لوٹے تھے، یعنی ابھی جمعہ کی نماز ادا نہیں کی تھی۔ پس انہیں (دیکھ کر) ایک شخص نے کہا کہ اے عمرؓ! تمہیں خوش خبری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آج منافقین کو رسوا کر دیا۔ یہ پہلا عذاب ہے اور عذابِ ثانی قبر کا عذاب ہو گا۔

ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس روز جب آپؐ منبر پر تھے تو آپ نے چھتیس آدمیوں (منافقوں) کو نکالا تھا۔ (روح المعانی ۱۱ / ۱۱، ابن کثیر ۳۸۴ / ۲)

مومنین متخلفین کا ایک گروہ

۱۰۲۔ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور بعض لوگ اور بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ انہوں نے ملے جلے عمل کئے ہیں۔ کچھ نیک اور کچھ بد۔ کچھ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا (نہایت) مہربان ہے۔

شانِ نزول: ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ نے دلائل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے نیز بیہقی نے سعید بن مسیبؒ کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں کی تعداد دس تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک پر نہیں گئے تھے۔ انہیں میں سے ابولبابہؓ بھی تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات آدمیوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے بندھوا دیا۔ مسجد سے واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گزر گاہ اسی طرف تھی۔

جب آپؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو باندھا ہوا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ ابولبابہ اور ان کے ساتھی ہیں جو آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ انھوں نے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک آپؐ ان سے راضی نہیں ہو جائیں گے اور ان کو اپنے دستِ مبارک سے نہ کھولیں گے، یہ خود کھلنے پر تیار نہ ہوں گے۔ انہوں نے اپنی خطاء کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں بھی اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کو نہیں کھولوں گا اور نہ ان کا عذر قبول کروں گا، یہاں تک کہ اللہ ہی ان کو کھولے۔ یہ لوگ مجھ سے منحرف ہو کر مسلمانوں

کے ساتھ جہاد پر نہیں گئے ۔ جب ان لوگوں کو آپ کا یہ فرمان پہنچا تو کہنے لگے کہ ہم بھی اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے جب تک کہ اللہ ہی نہ کھولے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

(روح المعانی ۱۲ / ۱۱، مظہری ۲۹۰ / ۴)

ایک اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں کی تعداد تین تھی ۔ ابن ابی حاتم نے حضرت زید کی روایت سے بیان کیا کہ وہ آٹھ آدمی تھے ۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی تعداد پانچ تھی ۔ اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ ابو لبابہ بن عبد المنذر ان میں شامل تھے ۔ (روح المعانی ۱۲ / ۱۱)

تشریح: مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو کاہلی اور سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے، مگر اپنی غیر حاضری پر نہایت نادم تھے ۔ ان لوگوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوہ تبوک سے واپسی کے بارے میں سنا تو شرم و ندامت کی وجہ سے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا ۔ منافقوں کی طرح جھوٹے عذر پیش کرنے کی بجائے انہوں نے صاف اقرار کر لیا کہ وہ سستی اور غفلت کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے ۔ انہوں نے ملاجلا کام کیا، ایک نیک عمل اور دوسرا برا عمل ۔ برے عمل سے مراد غزوہ تبوک سے پیچھے رہنا ہے جو منافقوں سے مشابہ تھا اور نیک عمل سے مراد ان کے دیگر اعمالِ صالحہ ہیں ۔ مثلاً ان میں ایمان بھی تھا، یہ لوگ نماز، روزے کے بھی پابند تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں بھی شرکت کرتے رہے ۔ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے میں جو غفلت و سستی ان سے ہوئی اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

مومنین متخلفین کا صدقہ قبول کرنے کا حکم

۱۰۳-۱۰۵۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو (گناہوں سے) پاک و صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعاء خیر کیجئے۔ بلاشبہ آپ کی دعاء ان کے لئے باعث تسکین (قلب) ہے اور اللہ خوب سنتا (اور) جانتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی تو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان سے صدقہ لیتا ہے اور یہ کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور آپ کہہ دیجئے تم عمل کئے جاؤ، پھر بہت جلد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان تمہارا عمل دیکھ لیں گے اور تم بہت جلد اس کے پاس لوٹائے جاؤ گے، جو چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کو کھولا اور قبولِ توبہ کی بشارت سنائی۔ ستونوں سے کھلنے کے بعد یہ لوگ اپنا کچھ مال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مالوں ہی نے ہمیں غزوہ میں جانے سے روکا تھا۔ اب ہم توبہ قبول ہونے کے شکریہ میں اپنا یہ مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتے ہیں۔ آپؐ اس کو قبول فرمائیے اور اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے مغفرت طلب کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے تمہارے مال لینے کی اجازت نہیں۔ اس پر آیت **خذ من اموالھم ....** نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۴/ ۱۱)

تشریح: پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مومنین متخلفین، اپنے گناہوں کے کفارے میں جو مال اور صدقہ و خیرات لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں وہ آپ لے لیجئے تاکہ وہ گناہوں کی نجاست سے پاک و صاف ہو جائیں اور آپ ان کے حق میں دعاء خیر کیجئے۔ بلاشبہ آپ کی دعاء سے ان کے دلوں کا اضطراب دور ہو کر ان کو سکون و طمانیت حاصل ہو گی کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعاء کو سننے والا اور ان کی توبہ اور ندامت کو جاننے والا ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے ان کا ایک تہائی مال قبول فرما لیا اور دو تہائی مال ان کو واپس فرما دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ان کے مال میں سے کچھ لے لیجئے اور یہ نہیں فرمایا کہ صدقہ میں ان کا تمام مال لے لیجئے۔

پھر فرمایا کہ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور

جو لوگ توبہ کے بعد صدق دل سے صدقہ و خیرات دیتے ہیں وہ اس کو قبول فرمالیتا ہے۔ پس اگر کوئی خطاء سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرنی چاہئے اور حسبِ توفیق اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات دینا چاہئے۔ منافقوں کو بھی چاہئے کہ وہ بھی ان مخلص مومنوں کی طرح صدق دل سے توبہ کریں اور اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کریں۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ خوب توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم جو چاہو عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ، اس کا رسولؐ اور مومنین تمہارے عمل کو دیکھ لیں گے۔ جو چیز تم چھپاؤ گے، اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ اس کو اپنے رسول پر ظاہر فرما دے گا۔ پھر مسلمان بھی اس سے واقف ہو جائیں گے۔ پھر قیامت کے روز تمہیں ایسی ذات کے پاس لے جایا جائے گا جو تمہارے ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے۔ پھر وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں سزا دے گا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۰۳۔۴۰۵/ ۴)

مومنین متخلفین کا دوسرا گروہ

۱۰۶۔ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

اور بعض وہ لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے۔ یا تو وہ ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔

اٰخَرُوْنَ: دوسرے لوگ۔ واحد آخَرُ۔

مُرْجَوْنَ: ڈھیل دئے ہوئے۔ مہلت دیئے ہوئے۔ اِرْجَاءٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اس آیت میں اہلِ مدینہ کی ایک چھوٹی سی جماعت کا ذکر ہے۔ اصل میں غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے والے تین قسم کے لوگ تھے: ۱۔ منافقین جو شک اور نفاق کی وجہ سے علیحدہ رہے۔ ۲۔ بعض مومنین جو محض سستی اور تن آسانی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہوئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کی اطلاع پاکر اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ ان کا بیان پچھلی آیت میں گزر چکا۔ ۳۔ سستی اور تن آسانی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہونے والے تین آدمی عبداللہ بن کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال

بن امیہ واقفی ایسے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں باندھا تھا اور نہ ہی کوئی عذر تراشا تھا بلکہ جو بھی بات تھی وہ صاف صاف آپ سے بیان کر دی تھی ۔ یہ آیت انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان کا معاملہ ابھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں التوا میں رکھا گیا ہے چاہے تو وہ ان کو جہاد سے پیچھے رہ جانے کی سزا دے اور چاہے وہ اپنی رحمت سے ان کو معاف کر دے ۔ وہ چاہے تو صغیرہ گناہ پر گرفت فرمالے اور چاہے تو کبیرہ گناہ بھی معاف فرمادے ۔ کوئی چیز اس پر لازم نہیں ۔ لہذا بندوں کو امید بھی رکھنی چاہئے اور اس سے ڈرتے بھی رہنا چاہئے کیونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے ۔ وہ خوب جانتا ہے کہ غضب و ناراضگی کا مستحق کون ہے اور معافی و درگزر کا مستحق کون ۔ وہ اپنے تمام افعال و اقوال میں حکیم ہے ۔

(ابن کثیر ۳۸۷ / ۳، عثمانی ۵۸۰،۵۷۹ / ۱)

مسجدِ ضرار

۱۰۷-۱۰۸- وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○

اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے (مدینے میں) ایک مسجد بنائی ہے (تاکہ) اسلام کو ضرر پہنچائیں اور (اس میں بیٹھ کر) کفر کی باتیں کریں اور مومنوں میں پھوٹ ڈالیں اور اس شخص کے لئے پناہ کا سامان کریں جو پہلے ہی سے اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کر رہا ہے ۔ اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو محض خیر کا ارادہ کیا تھا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں آپ اس مسجد میں (نماز کے لئے) کبھی کھڑے نہ ہوں ۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے

لئے) کھڑے ہوں اور اس میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ضِرَارًا: ضرر پہنچانا۔ ایذا دینا۔ تکلیف دینا۔ مصدر ہے۔

اِرْصَادًا: گھات لگانا۔ پناہ دینا۔ مصدر ہے۔

حَارَبَ: اس نے جنگ کی۔ اس نے لڑائی کی۔ اس نے مخالفت کی۔ مُحَارَبَۃٌ سے ماضی۔

اُسِّسَ: اس کی بنیاد رکھی گئی۔ تَاسِیْسٌ سے ماضی مجہول۔

شانِ نزول: ابن اسحاق اور ابن مردویہ نے (حضرت) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مسجد ضرار بنانے والے افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اس وقت آپؐ تبوک کی طرف جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ پس وہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ان لوگوں کے لئے مسجد بنائی ہے جو کسی بیماری اور ضرورت کی وجہ سے یا بارش کی راتوں اور سرد راتوں میں مسجد نبوی میں حاضر نہ ہو سکتے ہوں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس آئیں اور اس میں نماز پڑھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تو ابھی سفر درپیش ہے اور میں اب مصروف ہوں یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر اللہ نے چاہا تو واپسی پر تمہارے پاس آکر تمہارے ساتھ اس میں نماز پڑھوں گا۔ پھر جب آپؐ سفر سے واپس ہوئے اور مقام ذی اوان پر قیام فرمایا جو مدینے سے کچھ فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے تو آپ کو اس مسجد کے بارے میں معلوم ہوا آپؐ نے مالک بن الدخشمؓ اور معن بن عدیؓ کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ اس مسجد میں جاؤ جس کے بنانے والے ظالم ہیں، اس کو منہدم کر دو اور جلا ڈالو۔ چنانچہ وہ تیزی سے اس کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہ بنی سالم بن عوف میں پہنچے جو مالک کا قبیلہ تھا تو مالک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ٹھہرو میں اپنے گھر سے آگ لے کر آتا ہوں۔ سو وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور کھجور کی ایک خشک شاخ لے کر اس کو جلایا۔ پھر وہ دونوں تیزی سے نکلے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہو گئے اور مسجد میں منافقین موجود تھے۔ پھر انہوں نے اس کو جلا دیا اور منہدم کر دیا اور منافق وہاں سے منتشر ہو گئے انہی منافقوں کے بارے میں مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس مسجد کو بنانے والے بارہ آدمی تھے۔ (روح المعانی ۱۸ / ۱۱)

ابن جریر نے (حضرت) ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ابو عامر نے انصار کے ایک

گروہ سے کہا کہ تم ایک مسجد بناؤ اور جس قدر ممکن ہوسکے اس میں اسلحہ جمع کر لو۔ میں روم کے بادشاہ قیصر کے پاس جارہا ہوں وہاں سے رومیوں کا ایک لشکر لاکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو نکال باہر کروں گا۔

پھر جب وہ لوگ مسجد بنا کر فارغ ہوگئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ ہم اپنی مسجد بنا کر فارغ ہوگئے ہیں۔ سو ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس میں نماز ادا کریں اور برکت کی دعاء کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۸ / ۱۱)

تشریح: جن لوگوں نے مسجد ضرار کو بنایا تھا وہ قسمیں کھا کر کہہ رہے تھے کہ انہوں نے تو نیک ارادے سے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ ان کے پیش نظر تو صرف لوگوں کی خیر خواہی تھی۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ انہوں نے تو یہ مسجد اس لئے تعمیر کی ہے تاکہ اس سے مسجد قباء کی اہمیت کم کر کے اس کو نقصان پہنچائیں اس میں بیٹھ کر کفر کی اشاعت کریں، مسلمانوں میں تفرقہ ڈالیں اور اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے اس کو کمین گاہ کے طور پر استعمال کریں اور اس میں بیٹھ کر مشورے کریں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس مسجد میں کبھی جاکر بھی کھڑے نہ ہوں چہ جائیکہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی روز سے تقویٰ و پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اور اس میں نماز پڑھیں۔ اس سے مراد مسجد قباء ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز کبھی پیدل اور کبھی سواری پر مسجد قبا تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد قباء میں نماز پڑھنا ایک عمرے کے ثواب کے برابر ہے۔ (ابن کثیر ۳۸۸، ۳۸۹ / ۲)

پھر فرمایا کہ اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک و صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی پاک و صاف رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے جو اپنے ظاہر و باطن کی طہارت و پاکی میں لگے رہتے ہیں۔

ابن مردویہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت **فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ** نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم مہاجرین کو ساتھ لے کر پیدل روانہ ہوئے اور مسجد قباء کے دروازے پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔ مسجد کے اندر انصار بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ مومن ہو؟ انصار خاموش رہے۔ آپؐ نے پھر یہی فرمایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یہ یقیناً مومن ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم قضاء (الٰہیٰ) پر راضی ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم مصیبت پر صبر کرتے ہو؟ انہوں نے جواباً کہا۔ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم راحت پر شکر کرتے ہو؟ انہوں نے کہا۔ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم تم مومن ہو۔ پھر آپؐ (ان کے پاس) بیٹھ گئے اور فرمایا اے انصار کے لوگو! اللہ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے۔ تم وضو اور رفع حاجت کے وقت کیا کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے بعد ہم تین پتھر استعمال کرتے ہیں پھر پتھروں کے بعد پانی استعمال کرتے ہیں۔ اس پر آپ نے آیت **فیہ رجال یحبون ان یتطھر وا** تلاوت فرمائی۔ (مظہری ۲۹۹ / ۴)

اہلِ ضرار کا انجام

۱۰۹۔۱۱۰ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

بھلا جو اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضا پر رکھے وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی کھائی کے کنارے پر رکھی جو گرنے ہی والی ہے۔ پھر وہ (عمارت) اس (بنانے والے) کو لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔ جو عمارت انہوں نے بنائی ہے وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی۔ یہاں تک کہ ان کے دل ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ بڑے علم والا (اور) حکمت والا ہے۔

شَفَا: کنارہ۔ آخری حصہ۔ جمع اَشْفَاءٌ۔

جُرُفٍ: غار۔ کھائی۔ کھو کھلی جگہ۔ واحد جُرُفَۃٌ۔

ھَارٍ: گرنے والی۔ گرنے کے قریب۔ ھَوْرٌ سے اسم فاعل۔

رِیْبَۃٌ: شک۔ شبہ۔ کھٹک۔ جمع رِیَبٌ

تشریح: مسجد ضرار اپنی ناپائیداری اور انجام کے لحاظ سے ایسی ہی ہے جیسے کوئی عمارت پانی کی کمزور کھائی کے کنارے پر بنائی گئی ہو کہ جب پانی کا تھپیڑا لگے تو ساری عمارت ایک دم سے گر پڑے اور اس کے رہنے والے سب تباہ و برباد اور ہلاک ہوجائیں۔ اسی طرح مسجدِ ضرار کی بنیاد جہنم کے کنارے پر ہے۔ وہ ان منافقوں کو جنہوں نے اس کو بنایا اپنے ساتھ لے کر جہنم میں جا گرے گی۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو نجات کا راستہ نہیں دکھاتا جس کے ذریعہ وہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں یا کم از کم ہلاکت و بربادی ہی سے محفوظ ہوجائیں۔ جب تک وہ زندہ رہیں گے ان کی بنائی ہوئی مسجد ہمیشہ ان کے دلوں میں شک و شبہ اور حسرت و اضطراب پیدا کرتی رہے گی۔ ان کی حسرت اور اضطراب مرنے کے بعد ہی ختم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ انہوں نے کس نیت سے یہ عمارت بنائی تھی۔ وہ خیر و شر کا بدلہ دینے میں بڑا حکیم ہے۔ (ابن کثیر ۳۹۱/ ۲)

مجاہدین کے فضائل

۱۱۱۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ۔ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ؕ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔ وہ (کافروں کو بھی) قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہوتے ہیں۔ اس نے اپنے اوپر سچا وعدہ قائم کر لیا ہے جو توریت اور انجیل اور قرآن میں (لکھا گیا) ہے۔ اور اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔ سو تم اپنے اس سودے پر جو تم نے کیا ہے خوشی

مناؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے ۔

شانِ نزول: اکثر مفسرین کے مطابق یہ آیتیں بیعتِ عقبی کے شرکاء کے بارے میں نازل ہوئیں ۔ یہ بیعت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں مدینے کے انصار سے لی گئی تھی ۔ عقبہ، پہاڑی حصے کو کہتے ہیں ۔ یہاں وہ جگہ مراد ہے جو منیٰ میں جمرہ عقبی کے ساتھ پہاڑ کا حصہ ہے ۔ آج کل پہاڑ کا یہ حصہ صاف کر کے میدان بنا دیا گیا ہے اور اب یہاں صرف جمرہ باقی رہ گیا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھاٹی میں مدینے کے انصار سے تین مرتبہ بیعت لی ۔ پہلی بیعت بعثتِ نبوی کے گیارہویں سال ہوئی جس میں چھ آدمی بیعت و اسلام سے مشرف ہوئے جب یہ لوگ مدینے واپس گئے تو وہاں گھر گھر اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہونے لگا ۔ اگلے سال جو بعثتِ نبوی کا بارہواں سال تھا، حج کے موسم میں انصار مدینہ کے بارہ آدمی پھر اسی جگہ جمع ہوئے ۔ ان میں سے پانچ تو وہی تھے جو گزشتہ سال بیعت کر چکے تھے اور سات نئے تھے ۔ جب یہ لوگ مدینے جانے لگے تو انہوں نے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کسی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم اس سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر سکیں ۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت معصب بن عمیرؓ کو ان کے ہمراہ مدینے بھیج دیا ۔ انہوں نے مسلمانوں کو قرآن بھی پڑھایا اور تبلیغِ اسلام بھی کرتے رہے جس کے نتیجہ میں مدینے کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ۔

پھر بعثتِ نبوی کے تیرہویں سال بہتر مرد اور دو عورتیں اسی گھاٹی میں جمع ہوئے ۔ یہ تیسرا اور آخری موقع تھا کہ مدینے کے لوگوں نے آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی ۔ عموماً بیعت عقبی سے یہی بیعت مراد ہوتی ہے ۔ اس بیعت کے موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت معاہدہ ہو رہا ہے، آپؐ اپنے رب کے متعلق یا اپنے بارے میں، ہم سے جو چاہیں شرائط طے کر لیں (ہم سب کو ماننے کے لئے تیار ہیں) ۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے تو یہ شرط رکھتا ہوں کہ تم سب اسی کی عبادت کرنا، کسی کو اس کا شریک قرار نہ دینا اور اپنے لئے یہ شرط رکھتا ہوں کہ جس طرح تم اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح میری بھی حفاظت کرنا ۔ انصار کے لوگوں نے کہا کہ اگر ہم یہ دونوں شرطیں پوری کر دیں تو اس کے بدلے میں ہمیں کیا ملے گا ۔ آپؐ نے فرمایا کہ جنت ملے گی ۔ انصار نے کہا کہ یہ نفع کا سودا ہے ۔ اب ہم اس سودے کو نہ تو خود فسخ کریں گے اور نہ اس کو فسخ کرنے دیں گے ۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ (مظہری ۳۰۱، ۳۰۲ / ۴، ابن کثیر ۳۹۱ / ۲)

تشریح: اللہ تعالیٰ تمام عالم دنیا اور آخرت کا خالق و مالک ہے۔ اس نے روئے زمین کے تمام مومنوں سے قیامت تک جنت کے بدلے میں ان کی جانوں اور اموال کو خرید لیا ہے۔ یہ خریداری محض نفع اور سراسر فائدہ ہے۔

مومن اپنی جانوں اور اموال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد و قتال کریں گے اور اللہ تعالیٰ اس کی جزا کے طور پر ان کو جنت عطا فرمائے گا۔ یہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو مومنوں سمیت تمام مخلوق کا خالق و مالک ہے۔ مومن کی نہ جان اپنی ہے اور نہ مال، بلکہ جان بھی اسی کی دی ہوئی ہے اور مال بھی اسی نے عطا فرمایا ہے۔ اس لئے مومن کا اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال فدا کرنا بہت ہی حقیر فدیہ ہے۔ اس لئے اس حقیر جان و مال کو اللہ کی راہ میں فدا کرنے کا بدلہ جنت نہیں ہو سکتی۔ یہ تو محض اللہ کا فضل و انعام ہے کہ اس نے مومن کو اس کی راہ میں جان و مال کا نذرانہ دینے پر جنت کا مستحق قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس خرید و فروخت پر مومنوں سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ سچا اور پکا وعدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کا یہ وعدہ اپنی بڑی بڑی کتابوں مثلاً توریت، انجیل اور قرآن مجید وغیرہ میں لکھ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کوئی نہیں۔ لہٰذا اے اہل ایمان، تم اس بات پر خوش ہو جاؤ کہ تم نے نفع کی تجارت کی ہے کہ ایک بے قیمت اور فانی چیز دے کر ایک قیمتی اور باقی رہنے والی چیز حاصل کر لی۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۳۰-۳۲\۱۱)

مجاہدین کی صفاتِ فاضلہ

۱۱۲- اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

وہ (گناہوں سے) توبہ کرنے والے، (اللہ کی) عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے والے، برائی روکنے والے اور حدود اللہ (احکام الٰہی)

کی حفاظت کرنے والے ہیں اور آپ (ان صفات کے حامل مومنوں کو)
خوشخبری سنادیجئے۔

تشریح: اس آیت میں ان مومنوں کی صفات کا بیان ہے جن کے جان و اموال کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ ان اوصاف کے بیان سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جنت کے اہل لوگ ان اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔

۱۔ **التَّآئِبُوْنَ:** (شرک سے) توبہ کرنے والے۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرلی اور رسول اللہ کے تمام احکام کی تعمیل کا عہد کرلیا وہ ان تمام اوصاف کے حامل ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔

۲۔ **اَلْعَابِدُوْنَ:** شرک جلی و خفی کو چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرنے والے۔

۳۔ **اَلْحَامِدُوْنَ:** راحت ہو یا تکلیف ہر حال میں اللہ کی تعریف کرنے والے۔

طبرانی، حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ (تکلیف و راحت ہر حال میں) اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں سب سے پہلے ان کو جنت کی طرف بلایا جائے گا۔

۴۔ **السَّآئِحُوْنَ:** سیاحت کرنے والے، روزے رکھنے والے۔ اصل میں یہ لفظ سیاحت سے ماخوذ ہے۔

اسلام سے پہلے نصرانیت میں سیاحت ایک عبادت سمجھی جاتی تھی کہ انسان اپنا گھر بار چھوڑ کر عبادت کے لئے نکل کھڑا ہو۔ اسلام نے اس کو رہبانیت قرار دے کر اس سے منع کر دیا اور اس کے بدلے میں روزے کی عبادت مقرر کردی کیونکہ سیاحت کا مقصد ترکِ دنیا تھا اور روزے کی حالت میں اپنے گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک خاص وقت میں تمام دنیاوی خواہشات کو ترک کر دینا ہوتا ہے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں سائحون سے مراد روزے رکھنے والے ہیں۔ ابن جریر نے حضرت عبید بن عمیر اور بغویؒ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سائحون کے معنی دریافت کئے گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ روزے رکھنے والے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ آدم زاد کے ہر نیک عمل کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے ۔ سوائے روزے کے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا ۔ بندہ میرے لئے ہی اپنی خواہش صنفی اور کھانا پینا ترک کرتا ہے ۔ متفق علیہ ۔

بعض نے کہا کہ سائحون سے مراد غازی ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ۔ جیسا کہ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے

حضرت عکرمہؓ نے کہا کہ سیاحت کرنے والوں سے مراد طالبِ علم ہیں جو طلبِ علم میں ملکوں میں پھرتے ہیں ۔

۵۔ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ : رکوع و سجود کرنے والے یعنی نماز پڑھنے والے ۔

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے ؟ آپؐ نے فرمایا کہ وقت پر نماز پڑھنا ۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا ؟ آپؐ نے فرمایا کہ ماں باپ کی فرماں برداری کرنا ۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا ؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ۔ (بخاری و مسلم)

مسلم، ابو داؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب سے سب حالتوں سے زیادہ قریب ہوتا ہے ۔ سو تم سجدے کی حالت میں دعا زیادہ کیا کرو ۔

۶۔ اٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ : بھلائی کا حکم دینے والے یعنی ایمان و اطاعت کا حکم دینے والے ۔

۷۔ النَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ : برے کاموں سے روکنے والے ۔

۸۔ الْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ : اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں کے اندر یہ صفات موجود ہوں ان کے لئے ایسی نعمتوں کی خوشخبری ہے جن کو نہ تو الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی دماغ میں ان کا تصور آسکتا ہے اور نہ کسی کان نے ان کو سنا ہے ایسی نعمتوں سے مراد جنت ہے ۔

(مظہری ۳۰۴، ۳۰۵ \ ۴، معارف القرآن ۴۶۸، ۴۶۹ \ ۴)

مشرکین کے لئے دعاء مغفرت کی ممانعت

۱۱۳-۱۱۴۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ
وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ
الْجَحِيْمِ ○ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ
مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ
اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○

نبی اور مومنوں کو زیب نہیں کہ مشرکوں کے لئے بخشش طلب کریں اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں، جبکہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہو کہ یہ لوگ دوزخی ہیں اور (حضرت) ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے بخشش طلب کرنا صرف ایک وعدہ کی بنا پر تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا۔ پھر جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گئے۔ بیشک (حضرت) ابراہیم بڑے نرم دل اور تحمل والے تھے۔

تَبَرَّاَ: وہ بری ہوا۔ وہ الگ ہوا۔ وہ بیزار ہوا۔ تَبَرُّءٌ سے ماضی۔

لَاَوَّاہٌ: البتہ بہت آہ کرنے والا۔ دردمند۔ نرم دل۔ اَوْہٌ سے مبالغہ۔

شانِ نزول: مسندِ امام احمد میں سعید ابن المسیبؒ سے روایت ہے کہ جب ابو طالب بستر مرگ پر تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ابو طالب سے فرمایا کہ اے چچا! آپ **لا الہ الا اللہ** کہہ دیجئے۔ میں اس جملے کی وجہ سے اللہ کے پاس آپ کی بخشش کے لئے حجت پیش کروں گا۔ ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا کہ اے ابو طالب کیا تم ملت عبد المطلب سے روگردانی کرو گے؟ تھوڑی دیر ان کے درمیان (اسی طرح) گفتگو ہوتی رہی۔ پھر ابو طالب نے ان سے سب سے آخر میں جو بات کی وہ یہ تھی کہ میں ملت عبد المطلب پر جان دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک آپ کی مغفرت کی دعاء کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے منع نہ کر دے۔
چنانچہ آیت **ماکان للنبی** ..... تا آخر نازل ہوئی۔ (مسندِ احمد ۶۰۳ / ۶)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہوئے سنا تو میں نے اس سے کہا کہ کیا تم اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعاء کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیم نے بھی تو اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعاء مغفرت کی تھی۔ میں نے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اس پر آیت **مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ** ..... نازل ہوئی۔ (ابن کثیر ۲\۳۹۳)

تشریح: کفر و شرک کسی حال میں بھی قابل مغفرت نہیں۔ اس لئے مرنے کے بعد نہ تو کسی کافر کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور نہ اس کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا جائز ہے اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا جائز ہے۔ خواہ وہ کسی مسلمان کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے برخلاف مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہو، اس کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا جائز ہے۔

حضرت ابراہیم کا اپنے مشرک باپ کے لئے دعاء مغفرت کرنا ایک وعدہ کی بنا پر ان کی زندگی میں تھا۔ جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْکَ سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ۔ (سورہ مریم، آیت ۴۷)

ابراہیمؑ نے کہا: اے باپ! تم پر سلام ہو، میں تمہارے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا۔

حضرت ابراہیم اس امید میں تھے کہ شاید میرا باپ ایمان لے آئے۔ اسی بنا پر انہوں نے اس کے لئے دعاء کی تھی۔ زندہ مشرک کے لئے مغفرت کی دعاء کے معنی دعاء ہدایت کے ہیں کہ اللہ اس کو ہدایت دے۔ پھر جب حضرت ابراہیمؑ پر ظاہر ہو گیا کہ ان کا باپ حالت کفر میں مرا اور اس کو ایمان کی توفیق نہیں ملی یا وحی کے ذریعہ ان کو بتا دیا گیا کہ ان کا باپ آزر ایمان نہیں لائے گا تو حضرت ابراہیمؑ اس سے بیزار ہو گئے اور اس کے لئے مغفرت کی دعاء موقوف کر دی۔

مومنوں کو تسلی

۱۱۵-۱۱۶ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ ھَدٰھُمْ حَتّٰی یُبَیِّنَ لَھُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ اِنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○

اور اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ ان کو صاف صاف بتا دے وہ چیزیں جن سے ان کو بچنا چاہئے ۔ بیشک اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے ۔ بیشک آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے ۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار ۔

تشریح: جب آیت مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ نازل ہوئی تو ان مسلمانوں کو جو اس سے پہلے مشرکوں کے لئے استغفار کر چکے تھے، اللہ کی طرف سے اپنے مواخذہ کا ڈر ہوا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی اور اطمینان کے لئے مَاكَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ نازل فرمائی اور ان کو بتا دیا کہ تم گمراہی پر نہیں ہو اور نہ تمہارا مواخذہ ہو گا ۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی کو گمراہ قرار نہیں دیتا جب تک کہ وہ اس کو اس چیز سے آگاہ نہ کر دے جس سے اس کو پرہیز کرنا ہے ۔ چونکہ اب تک مشرکین کے لئے استغفار کی ممانعت نہیں کی گئی تھی اس لئے ان کا مواخذہ نہ ہو گا ۔ البتہ اب ممانعت کے بعد، مشرکوں کے لئے دعاء استغفار کرنا گمراہی اور قابل مواخذہ ہے ۔ بلاشبہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے کہ کس نے ناواقفیت اور عدم صلح کی بنا پر ایسا کیا اور کس نے سرکشی کے تحت ایسا کیا ۔ وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، زندگی اور موت بھی وہی دیتا ہے ۔ لہذا تم اسی کے احکام کی پیروی کرو ۔ اس کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی یار و مددگار جو تمہیں اس کے قہر کے بچا سکے ۔ اس لئے تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم مشرکوں سے قلبی دوستی کرو یا ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو ۔

مومنین مخلصین کا ذکر

۱۱۷۔ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

البتہ اللہ تعالیٰ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مہاجروں اور انصار پر مہربان ہوا جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے

بعضوں کے دل پھر جانے کو تھے ۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی ۔ بلاشبہ اللہ ان پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہے ۔

سَاعَةِ: گھڑی ۔ وقت ۔ قیامت

الْعُسْرَةِ: تنگی ۔ مفلسی ۔ اسم ہے ۔

یَزِیْغُ: وہ منحرف ہوتے ہیں ۔ وہ پھر جاتے ہیں ۔ زَیْغٌ سے مضارع ۔

کَادَ: وہ قریب ہے ۔ کَوْدٌ سے ماضی ۔

تشریح: اس آیت میں مومنین مخلصین کے دو گروہ بتائے گئے ہیں ۔ ایک وہ جو جہاد کا حکم ملتے ہی فوراً جہاد کے لئے تیار ہو گئے ۔ آیت میں **اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ** سے یہی لوگ مراد ہیں ۔ دوسرے وہ جو جہاد کا حکم ملنے کے بعد پہلے تو کچھ تردد میں پڑے ۔ مگر پھر سنبھل گئے اور سب کے ساتھ جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے ۔ آیات میں **مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ** انہیں کے لئے آیا ہے ۔

یہاں توبہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب مہاجرین و انصار کو گناہ سے بچا دیا جو جہاد کا حکم ملتے ہی فوراً جہاد کے لئے تیار ہو گئے یا کچھ تردد کے بعد اس میں شریک ہو گئے ۔ قرآن کریم نے اس جہاد کے موقع کو ساعۃ العسرت کہا ہے کیونکہ مسلمان اس وقت افلاس و تنگی میں تھے مسلمانوں کے پاس نہ تو سواری تھی اور نہ زادِ راہ، ادھر سخت گرمی کے دن تھے اور راستہ میں پانی بھی بہت کم دستیاب تھا ۔

توبہ مؤخر کئے جانے والے انصار کا مقاطعہ

۱۱۸۔ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۠

اور اس نے ان تینوں پر بھی (مہربانی کی) جو پیچھے رہ گئے تھے ۔ یہاں تک کہ کشادہ ہونے کے باوجود ان پر زمین تنگ ہو گئی اور وہ اپنی جانوں سے بھی

تنگ آگئے اور وہ سمجھ گئے کہ اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں۔ پھر اللہ نے ان پر بھی مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا (اور) مہربان ہے۔

ضَاقَتْ : وہ تنگ ہو گئی۔ ضَیْقٌ و ضِیْقٌ سے ماضی

رَحُبَتْ : وہ کشادہ ہوئی۔ وہ فراخ ہوئی۔ رُحْبٌ سے ماضی۔

مَلْجَاً : پناہ کی جگہ۔ لَجَأٌ سے اسم ظرف۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ بن کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ کعب بن مالک نے تبوک میں شریک نہ ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ غزوہ تبوک کے سوا کسی غزوہ میں ایسا نہیں ہوا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہ ہوا ہوں۔ البتہ غزوہ بدر میں بھی میں شریک نہیں ہوا تھا مگر جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے ان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا تھا، کیونکہ آپ اس وقت قریش کے قافلے کی تلاش میں نکلے تھے (جنگ کے ارادے سے نہیں)۔ مگر اللہ تعالیٰ نے دشمن سے آپؐ کا آمنا سامنا کرا دیا اور میں لیلۂ عقبہ میں بھی (انصار کے لوگوں کے ساتھ) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اسی رات میں، ہم نے (مکہ میں) اسلام کے لئے عہد کیا تھا اور وہ رات مجھے غزوہ بدر سے بھی زیادہ عزیز ہے اگرچہ لوگوں میں بدر کا چرچا بہت ہے۔

حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی زندگی میں کبھی اتنا قوی اور اتنا صاحبِ مال نہیں ہوا تھا جتنا اس غزوہ کے موقع پر تھا۔ میں پیچھے رہ گیا تھا۔ خدا کی قسم اس سے پہلے میرے پاس کبھی دو اونٹ جمع نہیں ہوئے تھے مگر اس غزوہ کے موقع پر میرے پاس دو اونٹ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ اس کو مبہم الفاظ میں بیان فرماتے (تاکہ معاملہ راز میں رہے) مگر جب اس غزوہ کا موقع آیا تو گرمی بڑی شدید تھی، سفر طویل تھا، دشمن کی کثیر تعداد اور دیگر تمام مشکلات کے پیش نظر آپؐ نے مسلمانوں کو صاف الفاظ میں خبر دی تھی اور سمت کی بھی تعین کر دی تھی جس کی طرف جانے کا ارادہ تھا تاکہ لوگ پوری طرح تیاری کر لیں۔ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد آپؐ کے ساتھ تھی کہ کسی رجسٹر میں ان سب ناموں کا اندراج مشکل تھا۔ حضرت کعبؓ نے بیان کیا کہ اگر کوئی شخص اس غزوہ میں شریک نہ ہونا چاہتا تو یہ خیال کر سکتا تھا کہ (لشکر کی کثرت کی وجہ سے) اس کی غیر حاضری کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا،

سوائے اس کے کہ اس کے متعلق وحی نازل ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس غزوہ کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو اس وقت پھل پکنے کا زمانہ تھا اور سائے میں بیٹھنے کے دن تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مسلمان (جنگ کی) تیاریوں میں مصروف تھے، لیکن میں روزانہ یہ سوچتا تھا کہ کل سے تیاری کروں گا۔ اس طرح میں ہر روز اسے ٹالتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ میں تیاری کر لوں گا اور مجھے اس کے ذرائع بھی میسر تھے۔ یونہی وقت گزرتا رہا آخر لوگوں نے اپنی تیاریاں مکمل کر لیں اور آپؐ مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوگئے۔ اس وقت تک میں نے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ کل پرسوں تک تیاری کر لوں گا اور لشکر سے جا ملوں گا۔ پھر دوسرے دن میں نے تیاری کا ارادہ کیا اور اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی۔ پھر میں نے تیسرے دن کے لئے سوچا اور اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی۔ وقت یونہی گزرتا رہا اور اسلامی لشکر بہت آگے نکل گیا اور میرے لئے غزوہ میں شرکت بہت مشکل ہو گئی اور میں یہی سوچتا رہا کہ میں یہاں سے روانہ ہو کر ان کو پالوں گا۔ کاش میں نے ایسا کر لیا ہوتا لیکن یہ میرے مقدر میں نہیں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد کبھی میں باہر نکل کر لوگوں میں جاتا تو مجھے بڑا رنج ہوتا کیونکہ مجھے یا تو وہ لوگ نظر آتے جن کے چہروں سے نفاق ظاہر ہوتا تھا یا پھر وہ لوگ ملتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور اور ضعیف قرار دے دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے متعلق کسی سے کچھ نہیں پوچھا یہاں تک کہ آپ تبوک پہنچ گئے۔ تبوک میں آپؐ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ کعب نے کیا کیا۔ پھر بنی سلمہ کے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو اس کے کبر اور غرور نے آنے سے روک دیا۔ (یہ سن کر) حضرت معاذ بن جبل نے (بنو سلمہ کے اس شخص سے) کہا کہ تم نے بری بات کہی۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم ہمیں ان کے متعلق بھلائی کے سوا اور کچھ معلوم نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ خبر ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے تشویش ہوئی اور میرا ذہن کوئی ایسا جھوٹا بہانہ تلاش کرنے لگا جس سے میں آپؐ کی ناراضگی سے بچ سکوں۔ میں نے اپنے گھر کے ہر ذی رائے سے اس کے متعلق مشورہ لیا۔ پھر جب مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں تو میرے

ذہن سے تمام باطل خیالات دور ہوگئے اور میں سمجھ گیا کہ اس معاملے میں جھوٹ بول کر میں اپنے آپ کو کبھی نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ میں نے سچ بات کہنے کا ارادہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت تشریف لائے۔ آپ کی عادت تھی کہ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھتے۔ چنانچہ حسبِ عادت جب آپؐ (نماز سے) فارغ ہو چکے تو وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ وہ لوگ قسمیں کھا کھا کر اپنے عذر بیان کرنے لگے۔ ان لوگوں کی تعداد تقریباً اسی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کو قبول فرمایا اور ان سے بیعت کی اور ان کے لئے مغفرت کی دعاء کی اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ پھر میں حاضر ہوا۔ جب میں نے سلام کیا تو آپؐ مسکرائے اور آپ کی مسکراہٹ میں غصہ تھا۔ پھر فرمایا "آؤ"۔ میں چند قدم چل کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا: "تجھے کس چیز نے روکے رکھا؟ کیا تو نے سواری نہیں خریدی تھی؟" میں نے عرض کیا کہ میرے پاس سواری موجود تھی۔ خدا کی قسم اگر میں آپ کے سوا دنیا کے کسی اور شخص کے سامنے بیٹھا ہوا ہوتا تو میں کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے بچ سکتا تھا۔ مجھے اچھی گفتگو کا سلیقہ حاصل ہے۔ لیکن خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں آپ کے سامنے کوئی جھوٹا عذر بیان کر کے آپ کو راضی کر لوں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ سے سچی بات کر دوں تو یقیناً آپ کو میری طرف سے ملال ہو گا مگر مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے معاف فرمائے گا۔ خدا کی قسم مجھے کوئی عذر نہیں تھا۔ خدا کی قسم اس سے پہلے میں کبھی اتنا قوی اور صاحبِ مال نہیں تھا۔ پھر بھی میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے (اور فرمایا کہ) اچھا اب جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ فرمادے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں اٹھ گیا اور میرے پیچھے پیچھے بنی سلمہ کے کچھ لوگ بھی آئے اور مجھ سے کہنے لگے خدا کی قسم ہمیں تمہارے بارے میں یہ معلوم نہیں تھا کہ تم نے اس سے پہلے کوئی گناہ کیا ہے اور تم نے بڑی کوتاہی کی کہ تم نے ویسا ہی کوئی عذر بیان نہیں کیا جیسا دوسرے پیچھے رہ جانے والوں نے بیان کیا تھا۔ تمہارے گناہ کی معافی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہارے لئے طلبِ مغفرت ہی کافی تھی۔ خدا کی قسم مجھے ان لوگوں نے اتنی ملامت کی

کہ مجھے خیال آیا کہ میں واپس جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی جھوٹا عذر پیش کروں پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا میرے علاوہ کسی اور نے بھی مجھ جیسا عذر بیان کیا ہے ؟ انہوں نے کہاہاں دو اور آدمیوں نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح تم نے بیان کیا اور ان کو بھی وہی جواب ملا جو تمہیں ملا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ دونوں کون ہیں ؟ انہوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ واقفی ہیں۔ انہوں نے ایسے دو نیک آدمیوں کا نام لیا تھا جو بدر کی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کا طرزِ عمل میرے لئے نمونہ بن گیا اور میں ان کا نام سن کر اپنے گھر چلا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو، ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ لوگ، ہم سے الگ رہنے لگے اور سب لوگ بھول گئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ساری کائنات بدل گئی۔ پچاس دن تک ہم اسی طرح رہے۔ میرے دو ساتھی مرارہ اور ہلال تو اپنے گھروں سے ہی نہیں نکلتے تھے، بس روتے رہتے تھے۔ مگر میں، ہمت کرکے باہر نکلتا تھا، مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا اور مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا۔ جب آپؐ نماز کے بعد مجلس میں بیٹھتے تھے تو میں آپ کو سلام کرتا تھا اور اپنے دل میں سوچتا کہ میرے سلام کے جواب میں کیا آپ کے ہونٹ مبارک ہلے۔ پھر میں آپؐ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگ جاتا اور آپ کو کنکھیوں سے دیکھنے لگتا۔ جب میں نماز میں مشغول ہو جاتا تو آپ میری طرف دیکھتے مگر جو نہی میں آپ کی طرف دیکھتا آپ رخ انور پھیر لیتے۔

آخر جب لوگوں کی بے رخی بڑھتی ہی گئی تو (ایک دن) میں ابو قتادہ کے باغ میں دیوار پر چڑھ گیا۔ وہ میرے چچازاد بھائی تھے اور مجھے بہت عزیز تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا مگر خدا کی قسم انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابو قتادہ! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے خدا کا واسطہ دے کر دوبارہ یہی سوال کیا مگر وہ اب بھی خاموش تھے میں نے پھر اللہ کا واسطہ دے کر ان سے یہی سوال کیا انہوں نے (جواب میں) صرف اتنا کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے۔ اس پر میرے آنسو نکل آئے اور میں دیوار پر سے اتر کر واپس چلا آیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز میں مدینے کے بازار میں جارہا

تھا کہ شام کا ایک کاشتکار جو غلہ فروخت کرنے مدینے آیا تھا وہ لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کہاں رہتے ہیں ۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے اس کو بتایا تو وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا جس میں تحریر تھا ۔

"اما بعد ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلیل پیدا نہیں کیا ہے کہ تمہارا حق ضائع کیا جائے ۔ تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہارے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کریں گے ۔"

میں نے خط پڑھ کر اپنے آپ سے کہا کہ یہ ایک اور مصیبت آگئی ۔ پھر میں نے اس خط کو تنور میں جلا دیا ۔ ان پچاس دنوں میں سے جب چالیس دن گزر چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس آیا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی کے بھی قریب نہ جاؤ ۔ میں نے پوچھا کہ میں اسے طلاق دے دوں یا پھر کیا کروں ۔ اس نے بتایا کہ نہیں صرف اس سے جدا رہو ۔ اس کے قریب نہ جاؤ ۔ آپؐ نے میرے ان دونوں ساتھیوں کو بھی (جنہوں نے میری طرح معذرت کی تھی) یہی حکم بھیجا ۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اب تم اپنے میکے چلی جاؤ اور اس وقت تک وہیں رہو جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ کا فیصلہ فرمائیں ۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ (میرے دوسرے ساتھیوں میں سے) ہلال بن امیہ کی بیوی نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال بن امیہ بہت بوڑھے اور کمزور ہیں، ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے ۔ اگر میں ان کی خدمت کروں تو کیا آپ ناپسند فرمائیں گے ؟ آپؐ نے فرمایا کہ صرف ان سے صحبت نہ کرنا ۔ اس نے عرض کیا خدا کی قسم وہ تو کسی چیز کے لئے حرکت بھی نہیں کر سکتے ۔ جب سے ان پر یہ عتاب ہوا ہے اس وقت سے آج تک ان کے آنسو نہیں رکے ۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ میرے گھر کے بعض افراد نے مجھ سے کہا کہ جس طرح آپؐ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کی اجازت عطا فرما دی ہے، آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کی اجازت لے لیجئے ۔ میں نے کہا نہیں، خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی اجازت نہیں لوں گا ۔ میں جوان ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ جب میں آپؐ سے اجازت لینے جاؤں تو آپ کیا فرمائیں ۔ اس طرح دس راتیں اور گزر گئیں اور ممانعت کی پچاس راتیں پوری ہو گئیں ۔

پھر جب میں نے پچاسویں رات کی صبح کی نماز پڑھی اور میں اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال یہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ میرا دم گھٹا جارہا تھا اور زمین میرے لئے تنگ ہوتی جارہی تھی۔ اس وقت میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو جبلِ سلع پر چڑھ کر بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔ اے کعب بن مالک! تمہیں بشارت ہو۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ یہ آواز سن کر میں سجدے میں گر پڑا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب معاملہ آسان ہو جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد اللہ کی بارگاہ میں، ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمادیا تھا۔ لوگ ہمیں بشارت دینے کے لئے آنے لگے اور انہوں نے میرے دونوں ساتھیوں کو بھی جاکر بشارت دی۔ ایک صاحب اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے آرہے تھے۔ ادھر قبیلہ اسلم کے ایک صحابی نے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی تھی۔ جب وہ بشارت دینے کے لئے میرے پاس آئے تو میں نے بشارت کی خوشی میں اپنے دونوں کپڑے اتار کر انہیں دے دیئے خدا کی قسم اس وقت ان دو کپڑوں کے سوا میری ملکیت میں اور کوئی چیز نہیں تھی۔ پھر میں نے (ابو قتادہ سے) دو کپڑے مانگ کر پہنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ لوگ جوق در جوق مجھ سے ملاقات کر رہے تھے اور مجھے توبہ کی قبولیت پر بشارت دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی قبولیت مبارک ہو۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ آخر میں مسجد میں داخل ہوا۔ آنحضرتؐ تشریف رکھتے تھے۔ چاروں طرف صحابہ کا مجمع تھا۔ طلحہ بن عبید اللہؓ دوڑ کر میری طرف آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ خدا کی قسم میرے آنے پر ان کے سوا مہاجرین میں سے کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا۔ میں طلحہ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔

حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو اس وقت آپؐ کا چہرہ انور خوشی سے دمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس مبارک دن کے لئے تمہیں بشارت ہو جو تمہاری عمر کا سب سے بہترین دن ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بشارت آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بات پر خوش ہوتے تو چہرہ انور منور ہو جاتا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ آپؐ کی مسرت ہم آپ کے چہرہ مبارک سے سمجھ جاتے تھے۔ پھر جب میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

راہ میں صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا کہ کچھ مال اپنے پاس بھی رکھ لو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا پھر میں خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھ لوں گا۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی۔ اب میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ اپنی بقیہ زندگی میں سچ کے سوا کوئی اور بات زبان پر نہیں لاؤں گا۔ خدا کی قسم جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولنے کا عہد کیا ہے۔ میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جس پر اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اتنے انعام فرمائے ہوں جتنے سچ بولنے کی وجہ سے اس نے مجھ پر فرمائے ہیں اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل کی۔ (بخاری شریف ۶۲۔ ۶۴ / ۳)

تشریح: غزوہ تبوک کے موقع پر بعض لوگ کاہلی و سستی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے مگر بعد میں نادم و تائب ہوئے اور بالآخران سب کی توبہ قبول ہو گئی۔ یہ کل دس آدمی تھے جن میں سے سات آدمیوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد فوراً اپنی ندامت و توبہ کا اظہار اس طرح کیا کہ اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا کہ جب تک توبہ قبول نہ ہو گی اسی طرح بندھے رہیں گے۔ ان کی توبہ کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ان میں سے تین آدمی وہ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں باندھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ان کے مقاطعہ کا حکم دیا کہ کوئی ان کے ساتھ سلام و کلام نہ کرے۔ اس سے یہ حضرات سخت پریشان ہو گئے۔ اس آیت میں انہی کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے۔

جن لوگوں کا معاملہ وحی کے انتظار میں موقوف اور ملتوی رکھا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر بھی توجہ فرمائی۔ جب ان تینوں کے ساتھ مسلمانوں کے مقاطعہ کے پچاس دن پورے ہو گئے اور ان کے اضطراب کی حالت یہ ہو گئی کہ کشادہ و فراخ ہونے کے باوجود زمین ان پر تنگ ہو گئی اور انتظار کی شدت اور غم کی وحشت سے ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں، ان کا باہر آنا جانا تک رک گیا۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں، سوائے اس کے کہ صبر کریں اور اپنی ذلت و رسوائی پر راضی رہیں اور ان کو یقین ہو گیا کہ مغفرت کی دعا کے سوا اللہ کی ناراضگی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر بھی توجہ فرمائی اور ان کی توبہ قبول فرما

لی تاکہ وہ آئندہ بھی اسی طرح اللہ کی طرف رجوع کرتے رہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ جو شخص ان توبہ کرنے والوں کے طریقے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرمالے گا۔ (ابن کثیر ۳۹۹ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۱۸ / ۳)

صادقین کی معیت کا حکم

۱۱۹۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایمان کے بعد تقویٰ و پرہیز گاری اور سچے لوگوں کی صحبت ضروری ہے۔ جس طرح علم حاصل کرنے کے لئے کتاب کا مطالعہ کافی نہیں بلکہ کسی عالم کی صحبت میں رہ کر علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اعمال و افعال میں اخلاص و پرہیز گاری کے لئے کسی سچے اور پرہیز گار کی صحبت ضروری ہے۔ چونکہ حضرت کعب بن مالکؓ وغیرہ کی معافی پرہیز گاری اور سچ بولنے کی وجہ سے ہوئی، اس لئے مسلمانوں کو منافقوں کی صحبت سے بچتے رہنا چاہئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی معیت و صحبت اختیار کرنی چاہئے۔

متخلفین کو ملامت

۱۲۰-۱۲۱۔ مَاکَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَمَنْ حَوْلَھُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَۃً صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○

اہلِ مدینہ اور ان کے آس پاس کے دیہاتیوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے تھا اور نہ یہ کہ وہ اپنی جانوں کو رسول کی جان سے زیادہ عزیز جانیں۔ یہ اس لئے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی اور محنت کی اور بھوک کی اور یا ان کا ایسی جگہ جانا جو کفار کو ناگوار گزرتا ہو اور ان کا دشمنوں سے کوئی چیز چھین لینا۔ ان سب باتوں پر ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اور جو میدان وہ طے کرتے ہیں تو سب کچھ ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کام کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا کرے۔

یَرْغَبُوْا: وہ رغبت کریں گے۔ وہ عزیز سمجھیں گے۔ رَغْبٌ و رَغْبَۃٌ سے مضارع۔

ظَمَاٌ: پیاسا ہونا۔ تشنگی۔ مصدر ہے۔

نَصَبٌ: محنت۔ تکلیف۔ مشقت۔ جمع اَنْصَابٌ۔

مَخْمَصَۃٌ: سخت بھوک۔ اسم ہے۔

یَطَئُوْنَ: وہ پامال کریں گے۔ وہ چلیں گے۔ وہ جائیں گے۔ وَطْاٌ سے مضارع۔

یَنَالُوْنَ: وہ لیتے ہیں۔ وہ پاتے ہیں۔ وہ پہنچتے ہیں۔ نَیْلٌ سے مضارع۔

یَقْطَعُوْنَ: وہ قطع کرتے ہیں۔ وہ کاٹتے ہیں۔ وہ طے کرتے ہیں۔ قَطْعٌ سے مضارع۔

نَیْلاً: پانا۔ کامیاب ہونا۔ مصدر ہے۔

تشریح: جو اہل مدینہ اور اعراب، غزوہ تبوک میں آرام طلبی اور سستی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے وہ ان برکات اور اجر و ثواب سے محروم رہے۔ جو آپ کے ساتھ جانے والوں کو نصیب ہوا کیونکہ متخلفین کو نہ تو بھوک و پیاس سے سابقہ پڑا، اور نہ انہیں رنج و تکلیف پہنچی اور نہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر کافروں کو خوف زدہ کرنے کا باعث بنے اور نہ ان کو کافروں پر غلبہ اور کامیابی کا شرف حاصل ہوا۔ جبکہ مجاہدین کو ان کے ہر عمل پر اجر و ثواب ملتا ہے خواہ وہ بھوک پیاس کی تکلیف ہو یا رنج اور محنت و مشقت یا ان کا دشمن کی سرزمین پر چلنا پھرنا جس سے کافروں کو غصہ اور طیش آئے یا وہ دشمن سے کوئی چیز چھین لیں یا ان کو قتل و گرفتار کر کے تکلیف دیں۔ ان سب کاموں پر مجاہدین کو اجر و ثواب ملتا ہے۔ متخلفین اس اجر و ثواب سے محروم رہے۔

مسلمانوں کے لئے۔ مناسب نہیں کہ جب کوئی جانثاری کا موقع آئے تو وہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو کر اپنی راحت و حفاظت کو رسول کی راحت و حفاظت پر مقدم سمجھیں بلکہ ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر مشقتوں اور سختیوں کو برداشت کرنا ضروری تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا رسول تمام عالم سے افضل و اکرم اور بہت عزت اور قدر و منزلت والے ہیں۔ پس جب آپؐ نے یہ سختیاں برداشت کیں تو ان لوگوں کو چاہیئے تھا کہ ان سخت حالات میں یہ اپنی جانوں کو نہایت ہلکا اور خفیف جانتے ہوئے رسول اللہ کے سامنے جانبازی کرتے۔ اللہ تعالیٰ کسی حالت میں بھی نیک لوگوں کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔

پھر فرمایا کہ مجاہدین اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی کرتے ہیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ یا سفر جہاد میں، وہ وادی کا تھوڑا سا حصہ بھی طے کریں تو انہیں اس کا بہترین اجر و ثواب دیا جاتا ہے۔
(مواہب الرحمن ۶۲۔ ۶۴ / ۱۱، ابن کثیر ۴۰۰ / ۲)۔

دین کی سمجھ پیدا کرنے کی ضرورت

۱۲۲۔ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○

اور مومنوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں۔ مگر ایسا کیوں نہیں کیا کہ ان کی ہر جماعت میں سے کچھ لوگ نکلتے تاکہ وہ دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جاکر اپنی قوم کو خبردار کرتے تاکہ وہ (برے کاموں سے) بچتے رہیں۔

لِيَنْفِرُوْا: تاکہ وہ فرار ہوں۔ تاکہ وہ بھاگیں۔ نَفْرٌ سے مضارع۔
كَآفَّةً: سب۔ تمام۔ كَفٌّ بمعنی روکنا سے اسم فاعل۔
طَآئِفَةٌ: گروہ۔ جماعت۔ طَوْفٌ سے اسم فاعل۔
تشریح: گزشتہ آیتوں میں جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر جو ملامت کی گئی اس سے بعض مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ مسلمانوں پر جہاد کے لئے نکلنا فرض عین ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس

آیت میں یہ بات واضح فرمادی کہ ہر جہاد میں جانا فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ جہاد کی طرح دین کا علم حاصل کرنا بھی فرضِ کفایہ ہے۔ جب کوئی لشکر جہاد کے لئے روانہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہی قیام فرمارہیں تو کچھ لوگوں کا آپؐ کے پاس رہنا ضروری ہے تاکہ وہ آپ کی خدمت میں رہ کر دین کا علم حاصل کریں اور دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب مجاہدین کا لشکر جہاد سے واپس آئے تو یہ لوگ ان کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں اور اللہ کی معصیت سے ڈرائیں تاکہ وہ ان احکام سے واقف ہو کر جو ان کی عدم موجودگی میں اللہ کے رسول پر نازل ہوئے ان میں اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔

آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ علم کے حصول کے لئے سب لوگ اپنے گھروں سے نہ نکل جائیں بلکہ تھوڑے سے لوگ جایا کریں۔ پھر وہ تحصیلِ علم کے بعد اپنی قوم میں واپس آکر ان کو تعلیم دیں اور وعظ و تلقین کریں۔

فقہ سے مراد احکامِ شریعت کا علم ہے جس میں عقائد اور اعمالِ ظاہر اور اعمالِ باطنہ سب داخل ہیں اور سب ہی کا جاننا فرض ہے۔ لغت میں فقاہت کے معنی فہم اور سمجھ کے ہیں۔ لغت اور شریعت کے اعتبار سے فقیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو شریعت کے حقائق اور دقائق اور اس کے اصول و فروع کو سمجھتا ہو۔ محض الفاظ یاد کرلینے کا نام فقاہت نہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۲۲۔۴۲۴ / ۳)

جہاد و قتال کی ترتیب

۱۲۳۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قَٰتِلُوا۟ ٱلَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ ٱلْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا۟ فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلْمُتَّقِينَ ۝

اے ایمان والو! اپنے آس پاس کے کافروں سے قتال کرو اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

تشریح: اس آیت میں جہاد و قتال کی ترتیب بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے ان کفار سے جہاد ہونا چاہئے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں۔ پھر جو ان کے قریب رہنے والوں کے قریب ہوں حلقہ، جہاد کو اسی طرح درجہ بدرجہ وسیع کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے

راشدین کے جہاد اسی ترتیب سے ہوئے۔ "دفاعی جہاد" میں بھی فقہاء نے یہی ترتیب رکھی ہے کہ جس اسلامی ملک پر کفار حملہ آور ہوں، وہاں کے مسلمانوں پر دفاع واجب ہے۔ اگر وہ کافی نہ ہوں یا سستی کریں تو ان کے متصل رہنے والوں پر دفاع واجب ہوگا۔ اگر وہ بھی کافی نہ ہوں تو پھر جو ان سے متصل ہیں ان پر واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر ضرورت پڑے تو درجہ بدرجہ مشرق سے مغرب تک جہاد فرض ہوتا چلا جائے گا۔

مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی کے حق میں نرم اور دشمنان خدا اور رسول کے حق میں سخت اور شدید ہو تاکہ دشمن اس کی نرمی اور ڈھیلے پن سے بے خوف نہ ہو جائے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کو کسی کافر قوم سے ڈرنے اور دبنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی حفاظت و نصرت اور اعانت و معیت پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ جب تک تم پرہیزگاری اختیار کئے رہو گے اللہ کی نصرت و اعانت تمہارے ساتھ رہے گی۔ (عثمانی ۵۸۹/۱)

منافقین کی کج فہمی

۱۲۴۔ ۱۲۷۔ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ج فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ط هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ط صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان (منافقوں میں سے) بعض لوگ کہتے ہیں اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کر دیا۔ پس جو اہل ایمان ہیں ان کا ایمان تو اس نے زیادہ کر دیا اور وہی خوش بھی ہوتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تو اس سورت نے ان کی پہلی گندگی

پر ایک اور گندگی بڑھادی اور وہ مرتے دم تک کافر ہی رہے ۔ کیا وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو دفعہ کسی نہ کسی آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں (مگر) پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں ۔ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں کہ کہیں کوئی (مسلمان تمہیں) دیکھ تو نہیں رہا ۔ پھر وہ رسول کی مجلس سے اٹھ کر چل دیتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں ہی کو پھیر دیا اس لئے کہ وہ تو ہیں ہی نا سمجھ ۔

رِجْسًا: نجاست ۔ گندگی ۔ پھٹکار ۔ جمع اَرْجَاسٌ ۔

اِنْصَرَفُوْا: وہ پھر گئے ۔ وہ پلٹ گئے ۔ وہ چل دیئے ۔ اِنْصِرَافٌ سے ماضی ۔

تشریح: جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو منافقوں میں سے کچھ لوگ مذاق کے طور پر اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان و یقین میں اضافہ کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ نازل شدہ سورت کے ذریعہ مومنوں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ مومن تو پہلے ہی سے ایمان و تقویٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں ۔ اس سورت کے دلائل اور براہینِ قطعیہ نے ان کے ایمان و ایقان میں اور اضافہ کر دیا ۔ اس لئے وہ اس سورت کے نازل ہونے سے غایت درجہ خوش ہوتے ہیں ۔

جن لوگوں کے دلوں میں شک اور نفاق کا مرض ہے اور ان کے دل مکر و حیلہ کی گندگی سے آلودہ ہیں، وہ تو پہلے ہی قرآن کے منکر تھے ۔ اب نئی سورت کے نازل ہونے پر اس کے بھی منکر ہو گئے ۔ اس طرح ان کی سابقہ پلیدی و گندگی پر ایک نئی پلیدی اور گندگی کا اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے حتیٰ کہ کفر و نفاق ان میں پوری طرح رچ بس جاتا ہے اور پھر حالتِ کفر ہی میں ان کی جان نکلتی ہے ۔

یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال طرح طرح کے مصائب و امراض میں بار بار مبتلا کر کے ان کو آزمایا جاتا ہے پھر بھی وہ عہد شکنی، گناہوں اور نفاق سے توبہ نہیں کرتے، جو تمام مصائب و رسوائیوں کا سبب ہے اور نہ وہ اس بات سے نصیحت پکڑتے ہیں کہ اللہ نے اپنے پیغمبر اور مومنوں سے فتح و نصرت کا جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دیا ۔

جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں ان کے عیوب کا بیان اور رسوائی کا سامان ہو تو یہ لوگ مجلس سے اٹھ کر بھاگ جانے کے لئے ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے

ہیں ۔ پھر اگر کوئی مسلمان ان کو نہ دیکھتا ہو تو وہ مسجد سے کھسک جاتے ہیں اور اگر ان کو یقین ہو جائے کہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے تو وہ جمے بیٹھے رہتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کرتوتوں کی سزا میں ان کے دلوں کو اسلام سے پھیر دیا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ حق و باطل اور نفع و نقصان کو نہیں سمجھتے ۔

(مظہری ۳۲۶ ۔ ۳۲۷ / ۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۲۷ ۔ ۴۲۸ / ۳)

آپؐ کا کمالِ شفقت و رافت

۱۲۸ ۔ ۱۲۹ ۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○

بیشک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آگیا ہے جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے، جو تمہاری بھلائی کا بڑا خواہش مند ہے ۔ وہ مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے ۔ پھر بھی اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میرے لئے تو اللہ کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ میں نے تو اسی پر بھروسہ کر لیا ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے ۔

عَزِيْزٌ : سخت ۔ گراں ۔ شاق ۔ عزت والا ۔

عَنِتُّمْ : تم کو تکلیف پہنچی ۔ تم کو ایذا پہنچی ۔ عَنَتٌ سے ماضی ۔

تشریح : انبیاء کرام علیہم السلام کا کام یہ ہے کہ شفقت و رحمت اور ہمدردی و خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دیں ۔ اگر مخلوق کی طرف سے ان کو کوئی تکلیف پیش آئے تو اس کو اللہ کے سپرد کر دیں اور اسی پر بھروسہ کریں ۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے تمہیں میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے ۔ جس طرح تم انسان ہو وہ بھی انسان ہے ۔ وہ تمہارے درمیان تمہاری ہی طرح زندگی بسر کرتا ہے ۔ تم اس کے حسب و نسب، اس کی عفت و پاکیزگی، اخلاق سے واقف ہو ۔

تم اس کے اٹھنے بیٹھنے، آنے جانے اور صدق و امانت، سب ہی باتوں کو جانتے ہو ۔ جاہلیت کے زمانے میں اس کے خاندان پر کوئی دھبہ نہیں ۔ وہ تمہارا ہم جنس ہونے کے علاوہ، تمہارا غایت درجہ ہمدرد و شفیق اور مہربان ہے ۔ امت کی تکلیف ان کو نہایت شاق گزرتی ہے ۔ یہ تم پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے ورنہ اگر وہ کسی جن یا فرشتے کو رسول بنا کر تمہارے پاس بھیج دیتا تو تم نہ تو اس سے مانوس ہوتے اور نہ وہ تمہارا اس درجہ ہمدرد و خیر خواہ ہوتا ۔ لہذا تمہارے لئے اس سے پوری طرح استفادہ کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ۔

ایسے شفیق و مہربان کی بات نہ ماننا اور اس کے ساتھ ضد و عناد کا معاملہ کرنا سراسر عقل و فطرت کے خلاف ہے ۔ سو اگر یہ لوگ اس قدر شفقت و مہربانی کے مشاہدے کے بعد بھی آپ سے روگردانی کریں اور اپنے بغض و عناد پر قائم رہیں تو آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور کہہ دیجئے کہ مجھے تو بس اللہ کافی ہے ۔ وہی تمہارے شر سے میری حفاظت کرے گا اور مجھے تم پر غالب کرے گا ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو نفع و ضرر کا مالک ہو ۔ میں نے اپنے سب کام اسی کے سپرد کر دیئے ہیں جو عرشِ عظیم کا مالک ہے ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۳۰ / ۳)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق قرآن کریم کی یہ آخری آیتیں ہیں ۔ ان کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے ۔

حدیث میں ان دو آیتوں کے بڑے فضائل مذکور ہیں ۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام سات مرتبہ یہ آیتیں پڑھ لیا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے سارے کام بنا دے گا اور وہ جو ارادہ کر رہا ہو اس کو پورا کرے گا ۔

(ابن کثیر ۴۰۳ ۔ ۴۰۵ / ۲، روح المعانی ۵۳ / ۱۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الیونس

وجہ تسمیہ: اس سورت میں چونکہ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے صحابہ کرام میں یہ سورت سورہ یونس کے نام سے مشہور ہوئی۔

تعارف: اس میں گیارہ رکوع، ایک سو نو آیتیں، ۱۸۶۱ کلمات اور ۷۷۳۳ حروف ہیں۔

یہ سورت مکی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سورت کی تین آیتیں مدنی ہیں جن کی ابتدا **فان کنت فی شک** سے ہوتی ہے۔

اس سورت میں زیادہ تر توحید و رسالت اور آخرت وغیرہ کو کائناتِ عالم اور اس میں ہونے والے تغیرات و مشاہدات سے استدلال کر کے ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ کچھ عبرت انگیز واقعات کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیوں پر نظر نہیں کرتے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم کی عظمت و جلالتِ شان بیان کی گئی ہے۔ پھر رسالتِ محمدیہ اور توحید کا اثبات اور آخرت کی زندگی اور عجائباتِ قدرت کا بیان ہے۔ آخر میں منکرینِ آخرت کا انجام اور مومنین صالحین کا انعام مذکور ہے۔

رکوع ۲: اللہ تعالیٰ کا لطف و حلم، سابقہ کافروں کی ہلاکت اور مشرکینِ مکہ کی ہرزہ سرائی کا بیان ہے۔ پھر شرک کا ابطال اور مشرکین کی ہٹ دھرمی بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۳: توحید کا مزید اثبات اور حیاتِ دنیا کی مثال بیان کی گئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو دار السلام یعنی جنت کی طرف بلانا۔ آخر میں اعمال کا بدلہ اور قیامت کے روز کافروں کی ذلت و رسوائی کا بیان ہے۔

رکوع ۴: توحید کے کچھ اور دلائل اور کفار کو قرآن کا چیلنج کہ تم بھی اہلِ زبان ہو، فصاحت و بلاغت میں کمال رکھنے کے دعویدار ہو، غیر عرب کو عجمی کہتے ہو ۔ اگر تمہارے خیال میں یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہے جو محض امی ہیں، تو تم اس قرآن جیسی صرف ایک سورت ہی بنالاؤ ۔

رکوع ۵: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، معاندین کو ان کے حال پر چھوڑنے کا حکم ۔ پھر قیامت کے روز مکذبین کی حسرت و ندامت اور انجام کا بیان ۔ آخر میں کفار کا تکذیب و تمسخر کے طور پر بے خوفی کے ساتھ عذاب طلب کرنا مذکور ہے ۔

رکوع ۶: عذاب و قیامت کا یقینی طور پر آنا ۔ پھر قرآن کے محاسن و صفات کا بیان اور آخر میں مشرکین کے قبیح اعمال کا بیان ہے ۔

رکوع ۷: اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے پھر اولیاء اللہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ نہ تو قیامت کے روز ان کو کسی قسم کا خوف دامن گیر ہوگا اور نہ دنیا میں ان کو کوئی رنج و ملال ہوگا ۔ آخر میں آپ کو تسلی و بشارت اور توحید کے کچھ دلائل کا بیان ہے ۔

رکوع ۸: شروع میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا بیان اور فرعون کا جادوگروں کو جمع کرنا مذکور ہے ۔

رکوع ۹: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توکل اور کثرتِ صلوۃ کی تاکید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا بیان ہے ۔ آخر میں فرعون کے لشکر کی غرقابی کا ذکر ہے ۔

رکوع ۱۰: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یاد دلانا اور قرآن کی حقانیت کا بیان ہے ۔ پھر قوم یونس کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ۔ آخر میں مکذبین کو قدرت کی نشانیوں میں غور کا حکم دیا گیا ہے ۔

رکوع ۱۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دینِ اسلام کی حقانیت اور توحید کی تعلیم و تاکید بیان کی گئی ہے ۔ آخر میں آپ کو تسلی و تشفی دی گئی ہے ۔

حروفِ مقطعات

۱۔ الٓرٰ یہ حروفِ مقطعات ہیں جو قرآن مجید کی بہت سی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ جیسے آلم، حم عسق وغیرہ۔ اس قسم کے حروف کے بارے میں صحابۂ کرام، تابعین اور جمہور سلف کا مسلک یہ ہے کہ یہ خاص رموز ہیں۔ ان کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان الفاظ کو کلامِ خداوندی سمجھیں اور ان کے معنی اور تاویل میں نہ پڑیں۔

قرآن کی عظمت و جلالتِ شان

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝

یہ حکمت والی کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں۔

تشریح: یہ کتاب سراپا نور حکمت اور چشمہ ہدایت ہے۔ اس کے دلائل و براہین نہایت قوی اور واضح ہیں۔ یہ ہر قسم کے عیب اور خلل سے پاک ہے۔ اس میں غلطی اور خطا کا امکان نہیں اس کے الفاظ تحریف و تبدل سے محفوظ اور اس کے علوم و معارف عقل و حکمت کے مطابق ہیں اور اس کے احکام نسخ سے محفوظ ہیں، اس لئے کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں آئے گی جو اس کی ناسخ ہو۔

(حقانی ۵۲۸ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۳۴ / ۳)

اثباتِ رسالتِ محمدیہ

۲۔ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝

کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص پر وحی بھیجی کہ وہ لوگوں کو خبردار کرے اور مومنوں کو بشارت دے کہ ان کے رب کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔ کافر کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) یہ تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے۔

تشریح: کیا لوگوں کے لئے یہ بات باعثِ تعجب و حیرت ہے کہ ہم نے ان کی اصلاح و ہدایت کے لئے انہیں میں کے ایک ایسے شخص پر وحی بھیجی جس کے حسب و نسب اور صدق و دیانت سے یہ لوگ خوب واقف ہیں تاکہ وہ اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کو ان کے برے اعمال اور برے عقائد کے برے نتائج سے جو دنیا میں اور مرنے کے بعد آخرت میں پیش آتے ہیں خبردار کرے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جو لوگ اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو خوش خبری سنایئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بلند مرتبہ اور اجرِ عظیم کے مستحق ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے کسی برگزیدہ بندے پر لوگوں کی ہدایت و اصلاح اور بشارت و نذارت کے لئے وحی کا نزول کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ باعثِ تعجب تو یہ ہوتا کہ لوگوں کو آگاہی و رہنمائی کے بغیر یونہی بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا، مگر یہ کافر تو تعجب سے بھی آگے بڑھ کر طعن و تشنیع پر اتر آئے اور آپ کے معجزات کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے۔ قرآن تو سراپا موعظت و حکمت ہے۔ اس کا جادو ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے صاحبِ کرامات و معجزات کو جادوگر کہنا ناممکن اور محال ہے۔ آپ تو اللہ کے سچے رسول ہیں اور اس کی صفات و کمالات کو بیان کرتے ہیں۔

(حقانی ۵۲۸ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۳۴، ۴۳۵ / ۳)

اثباتِ توحید

۳۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

بیشک تمہارا رب تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا وہ ہر کام کی (مناسب) تدبیر کرتا ہے۔ (اس کے سامنے) اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔ وہی اللہ تمہارا (حقیقی) رب ہے۔ سو تم اس کی عبادت کرو۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

اِسْتَوىٰ: اس نے قصد کیا۔ وہ متوجہ ہو۔ وہ قائم ہوا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

يُدَبِّرُ: وہ تدبیر کرتا ہے۔ وہ انتظام کرتا ہے۔ تَدْبِیْرٌ سے مضارع۔

شَفِیْعٌ: سفارش کرنے والا۔ شَفَاعَةٌ سے فاعل کے معنی میں۔

تشریح: تمہارا رب تو وہ ہے جس نے چھ روز کے مختصر سے عرصے میں آسمانوں اور زمین اور سیاروں اور تمام کائنات پر مشتمل اتنے بڑے جہان کو بنا دیا اور پھر عرشِ عظیم پر ممکن ہو گیا اور عرش سب مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے اور سرخ یاقوت سے بنا ہوا ہے۔ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ جسم اور اس کی تمام صفات و خصوصیات سے بالا و برتر ہے۔ پس نہ اس کا جسم ہے اور نہ اس کے لئے کوئی سمت ہے اور نہ اس کا کسی مکان میں اس طرح کا قیام ہے جس طرح دنیا کی چیزوں کا قیام اپنی اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔ پھر عرش پر قیام فرمانا کس طرح اور کس کیفیت میں ہے، اس کا علم بھی کسی کو نہیں۔ یہ ان متشابہات میں سے ہے جن کو عقل نہیں پا سکتی اور اللہ کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

وہ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ اس کو اپنی تخلیق کے لئے نہ تو کسی خام مال کی ضرورت ہے اور نہ عملے اور خدام کی۔ بلکہ اس کی قدرتِ کاملہ کا مقام تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو کسی قسم کے سامان اور کسی کی امداد کے بغیر ایک آن سے بھی پہلے بنا دیتا ہے۔ اس آیت میں چھ دن کا ذکر کسی خاص مصلحت و حکمت کی بنا پر ہے، ورنہ اس کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ وہ تمام آسمانوں اور زمین وغیرہ کو ایک آن سے بھی کم میں پیدا فرما دے۔ یہاں آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنانے کا ذکر کرنے میں ممکن ہے بندوں کو تعلیم دینا مقصود ہو کہ قدرت کے باوجود ہر کام کو سوچ سمجھ کر متانت و سنجیدگی سے کرنا چاہیئے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۰۱ / ۴، تفسیر حقانی ۵۲۹،۵۲۸ / ۲)

پس جو ذات ایسی قدرتِ کاملہ، تقدیر و تدبیر اور عظمت و حکمت جیسی صفات کے ساتھ متصف ہے، وہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا پروردگار ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ ان صفات میں اس کا

کوئی شریک نہیں، سو تم اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔ کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ عبادت صرف اسی ذات کا حق ہے جو کامل قدرت اور حکمت و عظمت جیسی صفات کے ساتھ موصوف ہو۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۳/۴۳)

آخرت کی زندگی

۴۔ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ○

تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ بیشک وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر (قیامت کے روز) وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا، تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے پینے کا کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے ان کے کفر کے بدلے میں۔

يَبْدَؤُا: اس نے ابتدائی تخلیق کی۔ وہ عدم سے وجود میں لایا۔ بَدْءٌ سے مضارع بمعنی ماضی۔

اَلْقِسْطِ: انصاف۔ عدل۔ برابری۔ اسم ہے۔ جمع اَقْسَاطٌ۔

حَمِيْمٍ: کھولتا ہوا پانی۔ نہایت گرم پانی۔ جمع حَمَائِمُ۔

تشریح: قیامت کے روز تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے، جس نے سب کو پیدا کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے۔ اگر تمہارے خیال میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا محال ہے، تو یہ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے۔ بلاشبہ اسی نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا اور وہی اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے، اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ ان کو بدلہ دے اور جن لوگوں نے کفر کیا، قیامت کے روز ان کو ان کے کفر کے

سبب مختلف عذاب دے ۔ مثلاً بادِ سموم اور آبِ حمیم وغیرہ ۔ یہ لوگ دن رات اسی عذاب میں مبتلا رہیں گے ۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ آخرت کی زندگی کے لئے کچھ تیاری کر لے ۔ (ابن کثیر ۴۰۷ / ۲)

عجائبِ قدرت

۶،۵۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ○

(اللہ) وہی تو ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن کر دیا اور اس (اللہ) نے اس کی منزلیں مقرر کر دیں، تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان لو ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ تدبیر سے بنایا ہے ۔ وہ سمجھدار لوگوں کے لئے کھول کھول نشانیاں بیان کرتا ہے ۔ بیشک رات اور دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اس نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کر رکھا ہے ان سب میں البتہ پرہیز گاروں کے لئے (توحید کی بڑی) نشانیاں ہیں ۔

قَدَّرَ: اس نے اس کا اندازہ کیا ۔ اس نے اس کو مقرر کیا ۔ تَقْدِیْرٌ سے ماضی ۔

السِّنِیْنَ: سال ۔ برس ۔ واحد سَنَةٌ

یُفَصِّلُ: وہ تفصیل سے بیان کرتا ہے ۔ وہ کھولتا ہے ۔ تَفْصِیْلٌ سے مضارع ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس کی الوہیت و ربوبیت کے دلائل تم سن چکے ہو ۔ اسی نے سورج کو روشن اور چاند کو پر نور بنایا ۔ سورج کی روشنی الگ قسم کی ہے اور چاند کی روشنی علیحدہ نوعیت کی ہے ۔ دن میں سورج کی بادشاہت ہے تو رات میں چاند کی ۔ پھر چاند کے لئے منزلیں مقرر کر دیں ۔ پہلی تاریخ کو جب چاند افق پر نمودار ہوتا ہے تو بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے ۔ پھر اس کی روشنی اور سائز بڑھتے جاتے ہیں ۔ یہاں تک کہ وہ ایک کامل دائرہ بن جاتا ہے ۔ اس کے بعد پھر

گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور ایک مہینہ پورا ہونے پر اپنی پہلی حالت پر آجاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ۔
(یٰسٓ آیت۔ ۳۹)

اور ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کر دیں، یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح (باریک، زرد اور خمدار) ہو جاتا ہے۔

نہ تو سورج چاند کو جاپکڑتا ہے اور نہ رات ہی دن سے آگے بڑھتی ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے ضابطے اور قانون کی رو سے اپنے اپنے مدار پر گھوم رہا ہے۔ پھر سورج کے ذریعہ دن پہچانے جاتے ہیں اور چاند کی گردش سے مہینوں اور سالوں کا حساب لگایا جاتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا (سورۂ انعام۔ آیت ۹۶)

اور سورج اور چاند کا اپنا اپنا حساب ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں فرمایا بلکہ ان کے پیدا کرنے کا مقصد اپنی قدرتِ کاملہ اور وحدانیت کے دلائل کا اظہار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝ (سورۂ صٓ۔ آیت۔ ۲۷)

اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ سب باطل طور پر پیدا نہیں کیا۔ یہ تو کافروں کا گمان ہے (کہ یہ سب بیکار پیدا کئے گئے) سو کافروں کے لئے دوزخ کی ہلاکت ہے۔

اہلِ علم کے لئے تو ہم دلائل و براہین کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ سمجھنے والے سمجھ جائیں۔ دن رات کے اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ جب دن چلا جاتا ہے تو رات آجاتی ہے اور جب رات چلی جاتی ہے تو دن آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ سب اس کی عظمت، اس کے علم و قدرتِ کاملہ اور اس کے تمام عیوب و نقائص سے پاک ہونے کی عظیم نشانیاں ہیں۔ جن لوگوں کو آخرت کا خوف ہوتا ہے وہی اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں۔
(ابن کثیر ۴۰۷/۲)

منکرینِ آخرت کا انجام

۷، ۸۔ اِنَّ الَّذِیْنَ لَایَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا
وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ
مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ○

جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ان کے اعمال کی وجہ سے۔

یَرْجُوْنَ: وہ امید کرتے ہیں۔ رجاءٌ سے مضارع۔

لِقَآءَنَا: ہماری ملاقات۔ ہمارا ملنا۔

اِطْمَاَنُّوْا: وہ مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے آرام پایا۔

مَاْوٰىهُمْ: ان کے رہنے کی جگہ۔ ان کا ٹھکانا۔

یَكْسِبُوْنَ: وہ کمائی کرتے ہیں۔ کَسْبٌ سے مضارع۔

تشریح: جن بدبختوں کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ملنے کا ذرا بھی یقین نہیں اور وہ دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی زندگی پر جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، ترجیح دیتے ہیں اور اسی پر راضی و مطمئن اور اسی میں مگن ہیں۔ وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت کی نشانیوں سے غافل ہیں۔ اپنے برے کرتوتوں اور کفر و معاصی پر جمے رہنے کی وجہ سے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جہاں پہنچ کر وہ اپنی تمام مرغوب و محبوب چیزوں سے محروم ہو جائیں گے۔ ان کے اعمالِ بد کا یہ صحیح بدلہ ہے۔
(ابن کثیر ۴۰۷/ ۲)

مومنینِ صالحین کا انعام

۹، ۱۰۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ
بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ○
دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ

وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا رب (جنت تک) ان کی رہنمائی کرے گا، جن کے نیچے نعمتوں والے باغوں میں نہریں بہتی ہوں گی۔ جہاں ان کی گفتگو **سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ** (اے اللہ تیری ذات پاک ہے) اور ان کی باہمی دعاء سلام (**اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ**) ہو گی اور ان کی (اس وقت کی باتوں میں) آخری بات **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ** ہو گی۔

تشریح: جو لوگ ایمان لائے، نیک اعمال کئے اور انہوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی اور اطاعت گزاریاں کیں تو ان کے ایمان و یقین کے سبب قیامت کے روز، اللہ تعالیٰ جنت میں پہنچانے والے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا، جہاں ان کے مکانوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پھر یہ لوگ نعمتوں اور عیش و آرام کے باغوں میں رہیں گے اور اس کی حمد و شکر کے طور پر کہیں گے کہ اے اللہ تو وعدہ خلافی اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ تو نے ہی اپنے فضل سے یہ نعمتیں عطا کیں۔ جنت میں اہلِ جنت کی ابتدائی دعاء **سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ** اور آخری دعا **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** ہو گی۔

چونکہ جنت میں اہلِ جنت کو ہر چیز خود بخود حاصل ہو جائے گی اور کسی کو مانگنے کی درخواست کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اس لئے ان کی دعاء کا مطلب یہ ہو گا کہ دعاء کے بدلے میں ان کی زبان پر صرف اللہ کی تسبیح ہو گی۔ اسی میں ان کو لذت آئے گی اور کوئی لغو اور بیہودہ بات ان کی زبانوں سے نہیں نکلے گی۔

امام ابن جریرؒ اور ابن منذرؒ وغیرہ نے اور ابو الشیخؒ نے ابن جریج کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب اہلِ جنت کے پاس سے کوئی (ایسا) پرندہ اڑتا ہوا گزرے گا جس کی انہیں خواہش پیدا ہو گی تو وہ **سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ** کہیں گے اور یہی ان کا پکارنا ہو گا۔ پس اسی وقت ایک فرشتہ ان کی خواہش کی چیز ان کے پاس لے آئے گا اور ان کو سلام کرے گا۔ پھر وہ اس فرشتے کے سلام کا جواب دیں گے۔ پھر وہ کھا چکیں گے تو **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** کہیں گے۔

(روح المعانی ۷۷/ ۱۱)

مقاتل بن حیانؒ کہتے ہیں کہ اہلِ جنت کوئی کھانے کی چیز منگوانا چاہیں گے تو

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ کہیں گے۔ سو اس کے پاس دس ہزار خادم سونے کے خوان لئے ہوئے حاضر ہو جائیں گے کہ ہر خوان میں ایک تازہ کھانا ہو گا۔ وہ ہر ایک میں سے کچھ نہ کچھ کھائے گا۔
(ابن کثیر ۲/۴۰۸)

اللہ تعالیٰ کا لطف و حلم

۱۱۔ وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَھُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْھِمْ اَجَلُھُمْ ۔ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَایَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ ٥

اور اگر اللہ تعالیٰ بھی سزا دینے میں ویسی ہی جلدی کیا کرتا جیسا کہ لوگ اپنے فوائد کے لئے جلدی کیا کرتے ہیں تو ان کی (عمر کی) میعاد کبھی کی پوری ہو چکی ہوتی۔ سو ہم ان لوگوں کو جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، ان کے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

یُعَجِّلُ: وہ عجلت کرتا ہے۔ وہ جلدی کرتا ہے۔ تَعْجِیْلٌ سے مضارع

اِسْتِعْجَالَھُمْ: ان کا عجلت کرنا۔ ان کا جلدی کرنا۔ مصدر ہے۔

لَقُضِیَ: البتہ وہ پورا کر دیا گیا۔ البتہ اس کا فیصلہ کر دیا گیا۔ قَضَاءٌ سے ماضی مجہول۔

اَجَلُھُمْ: ان کا وقت۔ ان کی مہلت۔ جمع اٰجَالٌ۔

فَنَذَرُ: سو ہم چھوڑ دیں گے۔ سو ہم پڑا رہنے دیں گے۔ وَذْرٌ سے مضارع۔

طُغْیَانِھِمْ: ان کی سرکشی۔ ان کی گمراہی۔

یَعْمَھُوْنَ: وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔ وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ عَمَہٌ سے مضارع۔

تشریح: جب لوگ بیباک و بے خوف ہو کر اپنے اوپر جلد عذاب آنے کا مطالبہ کرتے ہیں یا حوادثِ زمانے سے تنگ آکر اپنے یا اپنی اولاد کے حق میں بد دعائیں کرنے لگتے ہیں تو اس وقت اگر اللہ تعالیٰ بھی ان کی بد دعاء کو قبول کرنے میں اسی عجلت سے کام لے جس عجلت سے وہ لوگوں کی نیک دعاؤں کو قبول کرتا ہے تو ان کی موت کبھی کی واقع ہو چکی ہوتی اور ان کا نام و نشان بھی نہ

رہتا۔ مگر ہمارا لطف و حلم، جلد بازی کا متقاضی نہیں، اس لئے ہم ان لوگوں کو ہلاک کرنے میں جلدی نہیں کرتے جن کو ہمارے پاس آنے کا ذرا بھی خوف نہیں بلکہ ہم ڈھیل دے کر ان کو ان کی سرکشی اور گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ اسی میں سرگرداں رہیں اور اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ (عثمانی ۵۹۵، ۵۹۶ / ۱، مواہب الرحمن ۱۰۵ / ۱۱)

انسان کی احسان فراموشی

۱۲۔ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ج فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ط كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹے، بیٹھے، کھڑے (ہر حال میں) ہم کو پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ اس نے کسی تکلیف کے پہنچنے پر کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کو ان کے اعمال (بد) بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

اَلضُّرُّ: ضرر۔ تکلیف۔ مصدر ہے۔

لِجَنْۢبِهٖ: اس کا پہلو۔ اس کی کروٹ۔ جمع جُنُوْبٌ۔

كَشَفْنَا: ہم نے کھول دیا۔ ہم نے دور کر دیا۔ ہم نے ٹال دیا۔ کَشْفٌ سے ماضی۔

مَرَّ: وہ گزر گیا۔ وہ (پہلی حالت پر) آگیا۔ مُرُوْرٌ سے ماضی۔

تشریح: جب انسان کسی مصیبت و تنگی سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں بے تاب و بے قرار ہو کر، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، غرض ہر وقت اور ہر حال میں، اللہ تعالیٰ سے مصیبتوں کے بادل ہٹ جانے کی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات دے دیتا ہے تو وہ ایسا غافل و بے خبر ہو جاتا ہے جیسے کبھی اس پر مصیبت آئی ہی نہیں تھی اور نہ اس نے مصیبت و دکھ کی حالت میں کبھی اللہ سے دعا کی تھی۔ پھر وہ اپنی سابقہ روش پر چلتے ہوئے کفر و ناشکری کرنے لگتا ہے۔ ایسے حد سے گزرنے والوں کی نظر میں ان کے اعمالِ بد مستحسن و محبوب بنا دیئے جاتے ہیں اور وہ کفر، شرک اور بدعت کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں اور

توحید و اخلاص اور دعاء و عبادات سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

(مظہری ۱۲، ۱۳ / ۵، مواہب الرحمن ۱۰۵، ۱۰۶ / ۱۱)

سابقہ مجرمین کی ہلاکت

۱۳، ۱۴۔ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۞ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۞

اور البتہ ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا جبکہ انہوں نے ظلم (کفر و شرک) اختیار کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے۔ ہم نافرمانوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین پر ان کا جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔

اَلْقُرُوْنَ: گروہ۔ امتیں۔ زمانے۔ واحد قَرْنٌ۔

خَلٰٓئِفَ: جانشین۔ صاحبِ اختیار۔ واحد خَلِيْفَةٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کے جرم میں سابقہ کافروں کی ہلاکت و تباہی کا ذکر کیا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگ ان کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور آپ کی تکذیب و مخالفت سے باز آجائیں اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی ہے کہ جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے واضح دلائل (معجزے) اور نشانیاں دیکھ کر بھی ان کی تکذیب کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کر کے، ان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اے اہلِ مکہ! اگر تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب سے باز نہ آئے اور ان پر ایمان نہ لائے تو تم بھی عذابِ الٰہی میں مبتلا ہو سکتے ہو۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

پھر ان منکرین و مکذبین کے ہلاک و برباد ہونے کے بعد ہم نے تمہیں ان کا جانشین بنایا اور ان کی جگہ تمہیں آباد کیا اور تمہارے پاس بھی پیغمبر رسول بھیجا ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے

عمل کرتے ہو، اپنے رسول پر ایمان لاتے ہو یا اس کی تکذیب کرتے ہو۔ پھر ہم تمہارے اعمال کے مطابق معاملہ کریں گے۔

(مظہری ۱۳، ۱۴ / ۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۵۰، ۴۵۱ / ۳)

مشرکینِ مکہ کی ہرزہ سرائی

۱۵، ۱۷۔ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں تو وہ (آپ سے) کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ تبدیلی کر دیجئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے ممکن نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے تبدیلی کر دوں بلکہ میں تو اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ تو میں تمہارے سامنے اس کی تلاوت کرتا اور نہ وہ (اللہ) تمہیں اس کی خبر کرتا کیونکہ میں تو اس سے پہلے تم میں ایک عمر (طویل) گزار چکا ہوں۔ سو کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک نافرمان فلاح نہیں پائیں گے۔

تُتْلٰی: اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ وہ پڑھی جاتی ہے۔ تِلَاوَةٌ سے مضارع مجہول۔

تِلْقَآئِ: اپنی طرف سے۔ اپنی جانب سے۔

اَدْرٰىكُمْ: اس نے تم کو خبر دی۔ اس نے تم کو واقف کیا۔ اِدْرَاءٌ سے ماضی۔
لَبِثْتُ: میں رہا۔ میں ٹھہرا۔ لَبْثٌ سے ماضی۔
اِفْتَرٰى: اس نے تہمت لگائی۔ اس نے بہتان تراشا۔ اِفْتِرَاءٌ سے ماضی۔
تشریح: مشرکینِ مکہ میں سے جو لوگ نہایت سرکش اور شریر تھے اور ہر بات سے انکار اور اعراض کرتے تھے، ان آیتوں میں انہیں کا ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھ کر سناتے اور اللہ کی وحدانیت کے واضح دلائل پیش کرتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لاؤ جو دوسرے انداز سے لکھا ہوا ہو۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھے کوئی حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں، میں تو صرف ایک بندہ اور اللہ کا پیغام پہنچانے والا قاصد ہوں۔ میں تو وہی کہتا ہوں جو مجھ پر وحی اترتی ہے۔ اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے بھی قیامت کے عذاب کا سخت خوف ہے۔

یہ قرآن میری طرف سے بنایا ہوا نہیں، اگر میں بنا سکتا تو تم بھی بنا سکتے، حالانکہ تم بھی اس کے بنانے سے عاجز ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام نہیں ہو سکتا پھر یہ کہ تم تو میری صداقت و امانت کو اس وقت سے جانتے ہو جب سے میں تمہاری قوم میں پیدا ہوا ہوں اور میں تمہارے اندر اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ گزار چکا ہوں۔ کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ تم سچ اور غلط میں فرق کر سکو۔

ہرقل شاہِ روم نے جب ابو سفیان سے آپ کے بارے میں پوچھا کہ کیا کبھی آپؐ کا جھوٹ بھی تم پر ظاہر ہوا ہے تو ابو سفیان نے کہا کہ نہیں۔ حالانکہ ابو سفیان اس وقت مشرکینِ مکہ کا سردار تھا۔ اس پر ہرقل نے کہا کہ جس شخص نے کبھی انسانوں کے معاملے میں جھوٹ نہ کہا ہو وہ خدا کے معاملے میں کیسے جھوٹ کہے گا۔

پھر فرمایا کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور سرکش کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر بہتان باندھتا ہے۔ اس کے بارے میں جھوٹی باتیں بناتا ہے۔ اس کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھ پر وحی اترتی ہے۔ ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی مجرم اور گنہگار نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ مجرم فلاح نہیں پائیں گے بلکہ عذابِ ابدی میں گرفتار ہوں گے۔

(مواہب الرحمن ۱۱۲ - ۱۱۵ / ۱۱ - ابن کثیر ۴۱۰ / ۲)

ابطالِ شرک

۱۹،۱۸- وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○

اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو ضرر دے سکتی ہیں اور نہ نفع اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (بت) تو اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو ۔ جس کا وجود ہی نہ ہو وہ نہ آسمانوں میں پاتا ہے اور نہ زمین میں ۔ وہ (اللہ) پاک ہے اور اس سے بہت برتر ہے جس کو اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں ۔ اور (شروع میں) لوگ ایک ہی امت (گروہ) تھے ۔ پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات نہ ہوتی جو پہلے سے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اس کا قطعی فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم ؒ نے عکرمہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نضر بن حرث کہا کرتا تھا کہ قیامت کے روز لات اور عزیٰ میری شفاعت کریں گے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

علامہ آلوسیؒ کہتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ قول " لات و عزیٰ قیامت کے روز ان کی شفاعت کریں گے " محض نضر بن حرث ہی کا نہیں تھا بلکہ اول تو تمام مشرکین یہی کہتے تھے اور یہ بات فرضِ محال کے طور پر تھی کہ ایسا ہو گا نہیں ۔ اگر بالفرض قیامت کے روز ہمیں زندہ کر کے اٹھایا بھی گیا تو یہ بت ہماری شفاعت کریں گے ۔ (روح المعانی ۱۱/۱۸۸)

تشریح: ان آیتوں میں مشرکین کی جہالت و گمراہی بیان کی گئی ہے ۔ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیوی امور میں ان کی سفارش کریں گے اور اگر قیامت ہوئی تو یہ وہاں بھی شفاعت کریں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ ان کا یہ دعویٰ کہ یہ بت اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے بالکل غلط اور بے دلیل ہے ۔ یہ لوگ اللہ کو

چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں جو نہ تو عبادت کے صلے میں ان کو کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ عبادت ترک کرنے پر ان کو کسی قسم کا نقصان دے سکتی ہیں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اس کے شریک کے بارے میں بتا رہے ہو، جس کو وہ نہیں جانتا۔ آسمانوں اور زمین میں اس کے شریک کا کہیں وجود نہیں۔ وہ اس چیز سے پاک اور بلند و برتر ہے جس کو یہ اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں سب لوگ ایک ہی امت اور ایک ہی گروہ تھے۔ سب توحید اور دین اسلام پر تھے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی موحد تھے۔ پھر ایک زمانہ گزرنے کے بعد ان میں اختلاف پیدا ہونے لگے اور آہستہ آہستہ وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے بعض توحید پر قائم رہے اور بعض توحید کو چھوڑ کر شرک و بدعت اور گمراہی میں جا پڑے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (البقرہ۔ آیت ۲۱۳)

پھر اللہ نے انبیاء مبشرین و منذرین کو بھیجا۔

اگر اللہ تعالیٰ کا یہ ازلی فیصلہ جاری نہ ہو چکا ہوتا کہ یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزا نہیں تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اس کا قطعی فیصلہ دنیا ہی میں کر دیا جاتا۔

(روح المعانی ۸۸، ۱۱/۹۰)

مشرکین کی ہٹ دھرمی

۲۰۔ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝

اور وہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی۔ سو آپ کہہ دیجئے کہ غیب کی خبر تو اللہ ہی کو ہے، پس تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

تشریح: مشرکینِ مکہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو

بھی ان کی نبوت کی دلیل کے طور پر، ایسا معجزہ کیوں نہیں دیا گیا جیسے قوم ثمود کو ناقہ ملی یا کوہِ صفا سونے کا بن جاتا یا مکہ کے پہاڑوں کی جگہ باغ اور نہریں بن جاتیں وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے افعال میں بڑا ہی قادر و حکیم ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

تَبٰرَکَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَکَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِکَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَیَجْعَلْ لَّکَ قُصُوْرًا بَلْ کَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ کَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ۝

(الفرقان۔ آیات ۱۰،۱۱)

اللہ تعالیٰ کی مبارک ذات اگر چاہے تو تمہارے لئے اس سے بھی اچھے باغات پیدا کر دے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اور ان کے اندر محل ہوں لیکن انہوں نے تو قیامت ہی کو جھٹلا دیا اور قیامت کو جھٹلانے والوں کے لئے تو ہم نے دوزخ کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔

مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئیں تو ٹھیک ورنہ ان کو قیامت تک کی مہلت نہیں دی جاتی بلکہ ان پر عذاب نازل کر دیا جاتا ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تو ہر چیز ہے۔ تمام امور کے عواقب و نتائج کو وہی جانتا ہے۔ اگر تم اپنا مطلوبہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر ایمان نہیں لانا چاہتے تو میرے اور اپنے بارے میں اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اللہ کو علم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

(یونس آیت ۹۶)

بیشک ان پر اللہ کی دلیل متحقق ہو چکی ہے۔ خواہ کیسی ہی نشانی کیوں نہ پیش کی جائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةَ وَکَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰی وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ کُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْٓا (الانعام۔ آیت ۱۱۱)

اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی لا کھڑے کر دیں اور مردے بھی ان سے باتیں کرنے لگیں اور ہر چیز ان کے پاس جمع کر دی جائے تب بھی یہ کبھی ایمان نہ لائیں گے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الانعام - آیت ۷)

اور اگر ان پر کوئی ایسی آسمانی کتاب نازل کی جائے جو کاغذ پر لکھی ہوئی ہو جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی سکتے ہوں، تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

پس ایسے سرکش اور معاندین کے مطالبات قبول کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ جن بدبختوں کے حصہ میں ہدایت نہیں ہوتی ان کے شکوک و شبہات کبھی نہیں مٹتے۔ سو ایسے لوگوں سے ایمان کی توقع نہیں۔ (ابن کثیر ۴۱۲ / ۲)

توحید کا مزید اثبات

۲۱۔ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝

اور جب کوئی تکلیف پہنچنے کے بعد ہم لوگوں کو اپنی کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ فوراً ہماری قدرتوں میں حیلے بنانے لگتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا۔ بلاشبہ ہمارے فرشتے تمہاری شرارتوں کو لکھ رہے ہیں۔

مَكْرٌ: مکر کرنا۔ تدبیر کرنا۔ حیلہ کرنا مصدر ہے۔

اَسْرَعُ: بہت جلدی کرنے والا۔ بہت سرعت کرنے والا۔ سُرْعَةٌ سے اسم تفضیل۔

رُسُلَنَا: ہمارے فرشتے۔

تشریح: جب ہم لوگوں کو خشک سالی، بدحالی، افلاس اور بیماری وغیرہ جیسی پریشانیوں اور تکلیفوں سے نجات دے کر، سرسبزی، خوشحالی، فراخدستی اور صحت وغیرہ سے ہمکنار کرتے ہیں تو وہ فوراً ہماری آیتوں کے بارے میں شرارتیں کرنے لگتے ہیں اور ان کا تمسخر اور تکذیب کرنے لگتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ اہلِ مکہ قحط میں مبتلا ہو گئے۔ پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا اور قحط دور کر دیا۔ قحط دور ہوتے ہی وہ اللہ کا شکر کرنے کی بجائے اس کی ناشکری کرنے لگے اور اس کی آیتوں کا استہزا کرنے لگے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی۔ اس رات کو بارش ہوئی تھی۔ (نماز کے بعد) آپ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ آج کی رات اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ آج میرے مومن بندے بھی صبح کو اٹھے اور کافر بھی، لیکن جس نے یہ کہا کہ یہ بارش اللہ کے فضل و مہربانی سے ہوئی تو وہ مجھ پر ایمان لایا اور اس نے ستاروں کا انکار کیا اور جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ یہ بارش ستاروں کے سبب ہوئی تو اس نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔

پھر فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میری حکمت عملی بڑی کارگر ہوتی ہے۔ جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں ان کو ان کے کفر کے سبب عذاب نہیں دیا گیا تو یہ ان کی ناسمجھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عذاب نہ دے کر ان کو ڈھیل دی گئی ہے۔ جب وہ اپنی انتہائی غفلت میں ہو جائیں گے تو ایک دم سے دھر لئے جائیں گے۔ ہمارے فرشتے ان کے اعمال لکھ رہے ہیں۔ پھر ان کو ان کے ہر چھوٹے بڑے گناہ کی سزا دی جائے گی۔

(روح المعانی ۹۳، ۹۴ / ۱۱، مظہری ۱۸ / ۵)

انسانی فطرت

۲۲، ۲۳۔ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

أُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

وہ (اللہ) وہی تو ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ذریعہ ان کو لے جاری ہوں اور (اس سفر سے) وہ خوش ہو رہے ہوں کہ دفعتاً ان (کشتیوں) پر تند و تیز ہوا چلنے لگے اور ان پر ہر طرف سے (پانی کی) لہریں بھی آنے لگیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب وہ گھر گئے تو اس وقت وہ صرف اللہ کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار رہیں گے۔ پھر جب وہ ان کو نجات دیتا ہے تو وہ زمین پر اترتے ہی ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی تمہارے لئے ہی وبال (جان) ہونے والی ہے۔ (بس) دنیاوی زندگی میں تم اس سے نفع اٹھالو۔ پھر لوٹ کر تمہیں ہمارے پاس آنا ہے۔ پھر ہم تمہیں بتادیں گے کہ تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

اَلْفُلْكِ: کشتی۔ جہاز۔ مذکر و مؤنث اور واحد و جمع سب کے لئے آتا ہے۔

جَرَيْنَ: وہ جاری ہوئیں۔ وہ بہہ نکلیں۔ جَرْيَانٌ و جَرْيٌ سے ماضی۔

عَاصِفٌ: آندھی۔ تیز و تند ہوا۔ عَصْفٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس نے تمہارے بری اور بحری سفر کے لئے آسانیاں پیدا کر دیں اور اس نے پانی کے اندر بھی تمہیں اپنی حفاظت میں رکھا۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں اور جہازوں میں ہوتے ہو اور ہوائیں ان کو چلانے لگتی ہیں تو ان کی خوش رفتاری پر تم خوش ہوتے ہو عین اس خوشی کے وقت ان کشتیوں کو تیز و تند طوفان گھیر لیتا ہے اور ہر طرف سے موجیں ان کشتیوں پر ٹوٹ پڑتی ہیں اور تمہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو جاتا ہے تو اس وقت تم خالص اعتقاد اور خلوصِ دل کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہو۔ اس وقت تمہیں نہ کوئی صنم یاد آتا ہے اور

نہ کوئی بت۔ اور کہتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں اس طوفان سے بچا لیا تو ہم تیرے شکر گزار بن جائیں گے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کر لیتا ہے اور تمہیں اس شدید طوفان سے بچا کر صحیح و سالم کنارے پر پہنچا دیتا ہے تو تم فوراً ہی زمین پر ناحق سرکشی کرنے لگتے ہو گویا تم پر کبھی مصیبت آئی ہی نہ تھی۔ اے لوگو! تمہاری بغاوت و سرکشی کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔ آخر کار تمہیں ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے کہ یہ تمہارے فلاں فلاں اعمال کا بدلہ ہے۔ (مظہری ۱۹، ۲۰ / ۵، ابن کثیر ۴۱۲، ۴۱۳ / ۲)

حیاتِ دنیا کی مثال

۲۴۔ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ ۙ اَتٰهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا کَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○

پس دنیا کی زندگی کی مثال تو اس پانی کی مانند ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا (برسایا)۔ پھر اس (پانی) سے مل کر زمین کی جڑی بوٹیاں نکلیں جن کو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی تازگی پر آگئی اور وہ مزین ہو گئی (خوب ہری بھری ہو گئی) اور زمین والوں نے خیال کیا کہ اب وہ پوری طرح اس پر دسترس رکھتے ہیں تو (ایسی حالت میں) دن میں یا رات کے وقت اس پر ہمارا حکم (کوئی حادثہ) آپہنچا۔ سو ہم نے اس کو کاٹ کر ایسا ڈھیر کر دیا گویا کہ کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں، ہم ان کے سامنے اپنی (قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

فَاخْتَلَطَ : پس وہ لپٹ گیا۔ پس وہ مل گیا۔ اِخْتِلَاطٌ سے ماضی۔

نَبَاتُ: گھاس۔ زمین سے اگنے والی ہر چیز۔
اَنْعَامُ: مویشی، چوپائے۔ واحد نَعَمٌ۔
زُخْرُفَهَا: اس کی رونق، اس کی چمک۔ اس کا ہرا بھرا ہونا۔
حَصِيْدًا: کٹی ہوئی کھیتی۔ جڑ سے کٹا ہوا۔
اَمْسِ: گزشتہ کل۔ ظرف زمان ہے۔

تشریح: اس آیت میں حیاتِ دنیا کی مثال بیان کی گئی ہے کہ دنیا کی زندگی ایسی ہے جیسے آسمان سے پانی برستا ہے پھر اس پانی سے زمین کے نباتات خوب اگتے ہیں جن کو انسان اور مویشی کھاتے ہیں، جیسے غلہ مختلف قسم کے پھل، پھول اور گھاس پھوس وغیرہ۔ کسان اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ اب کھیتی تیار ہو گئی ہے۔ اب اسے کاٹ کر اس سے پھل اور غلہ وغیرہ حاصل کر کے خوب کھائیں گے۔ پھر ناگہاں دن یا رات میں اس پر آسمان سے کوئی آفت آجاتی ہے جیسے بجلی، اولے، سخت آندھی وغیرہ اور کھیتی ایسی نیست و نابود ہو جاتی ہے جیسے وہاں کبھی کچھ تھا ہی نہیں اور کسان کی امیدیں حسرت سے بدل جاتی ہیں۔ سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔ ہم اپنی نشانیوں کو اسی طرح تفصیل کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ غور و فکر کرنے والے ان سے عبرت حاصل کریں اور سمجھ لیں کہ دنیا فانی اور بے وفا ہے۔ جو اس کی طرف بڑھتا ہے یہ اس سے بھاگتی ہے اور جو اس سے بھاگتا ہے یہ اس کے پیروں پر آگرتی ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۶۱ / ۳، ابن کثیر ۴۱۳ / ۲)

دارالسّلام

۲۵۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

اور اللہ تمہیں سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ لوگوں کو ایسے گھر (جنت) کی طرف بلا رہا ہے جو ہمیشہ باقی اور ہر قسم کی تباہی اور ہلاکت سے محفوظ ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اس

دار السلام تک پہنچنے کے راستے پر چلا دیتا ہے اور یہ راستہ اسلام، ایمان اور تقویٰ و پرہیزگاری کا راستہ ہے۔ پس جس شخص نے حیاتِ دنیوی اور اس کی چیزوں کو فانی سمجھا اور اللہ کی توفیق سے اس کے احکام اور رسول اللہ کی اتباع پر اس دنیا کی زندگی میں مضبوطی سے قائم رہا تو بفضلِ الٰہی وہ دار السلام کو پہنچ گیا۔

بیضاوی رحمۃ اللہ نے کہا کہ دعوت میں تعمیم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دار السلام کی طرف بلاتا ہے پھر ہدایت میں یہ تخصیص فرمادی کہ وہ جس کو چاہتا ہے اسی کو ہدایت فرماتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امرِ دعوت اور ارادہ الٰہی دونوں ایک نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ نیز یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو بندہ مرتے دم تک برابر گمراہی پر اڑا رہا اور مر گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت نہیں چاہی کیونکہ اگر وہ (اللہ) چاہتا تو ضرور ایمان لاتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے، کچھ فرشتے آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ تمہارے اس ساتھی کی ایک خاص حالت ہے۔ مثال دے کر اس کی حالت بیان کرو۔ ایک فرشتے نے کہا کہ یہ سو رہا ہے، دوسرے نے کہا کہ اس کی آنکھیں سو رہی ہیں، دل بیدار ہے۔ پھر فرشتوں نے کہا کہ اس کی حالت ایسی ہے جیسے کسی شخص نے مکان بنایا اور (مہمانوں کو کھانا کھلانے کے لئے) دسترخوان بچھایا اور لوگوں کو بلانے کے لئے ایک آدمی کو بھیجا۔ جن لوگوں نے دعوت قبول کر لی تو وہ اس گھر میں آگئے اور دسترخوان سے کچھ کھا لیا اور جس نے دعوت قبول نہیں کی وہ گھر کے اندر نہیں آیا اور نہ اس نے دسترخوان سے کچھ کھایا۔ فرشتوں نے کہا کہ اس مثال کی تشریح کرو تاکہ یہ شخص سمجھ جائے۔ ایک فرشتے نے کہا کہ یہ تو سو رہا ہے، دوسرے نے کہا کہ اس کی آنکھ سو رہی ہے دل بیدار ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ (اس کی تشریح یہ ہے) مکان جنت ہے اور لوگوں کو بلانے والا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ جس نے محمد کا کہا مانا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

(مواہب الرحمن ۱۲۸، ۱۲۹ / ۱۱۔ مظہری ۲۱ / ۵۔ بیضاوی ۱۷۲)

اعمال کا بدلہ

۲۶، ۲۷۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ

قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ کَاَنَّمَآ اُغْشِیَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○

نیکوں کے لئے نیک بدلہ ہے اور کچھ زیادہ بھی اور نہ ان کے چہروں پر سیاہی چڑھے گی اور نہ ذلت ۔ وہی لوگ اہلِ جنت ہیں ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اور جن لوگوں نے برے کام کئے ان کو برائی کا بدلہ اس (برائی) کے برابر ملے گا اور ان پر ذلت طاری ہو گی ۔ ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہ بچا سکے گا ۔ (ان کے چہرے ایسے سیاہ ہوں گے) گویا کہ ان کے چہروں پر سیاہ رات کا ایک ٹکڑا اوڑھا دیا گیا ہے ۔ یہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

یَرْهَقُ: وہ ڈھانکتا ہے ۔ وہ چھپاتا ہے ۔ رَهْقٌ سے مضارع ۔

قَتَرٌ: سیاہی (غم کی) کدورت ۔ مصدر ہے ۔

عَاصِمٌ: بچانے والا ۔ حفاظت کرنے والا ۔ عِصْمَۃٌ سے اسم فاعل ۔

اُغْشِیَتْ: وہ اوڑھا دیئے گئے ۔ وہ ڈھانپ دی گئی ۔ اِغْشَاءٌ سے ماضی ۔

مُظْلِمًا: تاریکی میں پڑے ہوئے ۔ اندھیرے میں پڑے ہوئے ۔ اِظْلَامٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: جو لوگ ایمان لائے ، انہوں نے اوامر کی پابندی کی اور مناہی سے اجتناب کرتے رہے یا ایمان سے بڑھ کر مرتبہ ، احسان کے موافق اللہ تعالیٰ کی بندگی پر قائم رہے ، ان کو آخرت میں بھی اچھی جزا ملے گی کیونکہ نیکی کا بدلہ نیکی ہے بلکہ کچھ اور زیادہ بھی یعنی کم سے کم دس گناہ ، زیادہ سے زیادہ سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ ۔ اس آیت میں زیادہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جس قدر وعدہ فرمایا ہے اس پر اور بھی زیادہ کوئی چیز اور اللہ کا وعدہ جنت ہے سو جنت سے بڑھ کر جو کچھ ہے وہ زیادت ہے ۔ پس آیت میں حسنیٰ سے مراد جنت اور زیادہ سے مراد دیدارِ الٰہی ہے جو سارے لطف و کرم سے بڑھ کر ہو گا ۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنے اعمال کی بنا پر نہیں ہو گا بلکہ یہ محض اس کے فضل و کرم اور مہربانی کی بنا پر ہو گا ۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ والی آیت تلاوت فرمانے کے بعد فرمایا کہ جب جنتی اور دوزخی اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے جائیں گے تو ایک منادی پکارے گا کہ اے اہلِ جنت تمہارے اللہ کا وعدہ ہے وہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ اہل جنت کہیں گے کہ اب اور کون سا وعدہ ؟ کیا ترازو میں ہمارے وزن ثقیل نہیں بنے ؟ کیا ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے گئے ؟ کیا ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی گئی ؟ پھر ان سے حجاب اٹھا دیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ خدا کی قسم اہلِ جنت کے لئے اس سے بڑی اور کوئی عطا نہ ہوگی۔ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی تسکین کے لئے سب سے بڑی چیز ہوگی۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے روز ان کے چہرے بے رونق نہ ہوں گے، نہ ان پر پھٹکار ہوگی اور نہ سیاہی بلکہ ان کے چہرے روشن ہوں گے۔ جن لوگوں نے کفر و شرک کیا، ان کے ساتھ عدل کیا جائے گا کہ ان کے گناہوں کی سزا دو گنی، چو گنی نہیں کی جائے گی بلکہ برابر ہوگی۔ ان کے چہروں پر سیاہی اور ذلت و رسوائی چھائی ہوئی ہوگی۔ کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو ان کو اللہ کے عذاب سے بچالے۔ مشرکوں کا گمان ہے کہ ان کے بت ان کو چھڑا لیں گے۔ نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گناہوں کا کفارہ ہوں گے۔ یہ سب ان کے باطل خیالات ہیں جن کا کوئی وجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا کفر و شرک کبھی نہیں بخشا جائے گا، جب تک کہ وہ دنیا سے ایمان و توحید نہ لے جائیں۔ ان کے چہرے اس قدر کالے ہوں گے گویا کہ ایک کالی چادر ان کے چہروں پر ڈھانک دی گئی ہے۔ یہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں۔ یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(روح المعانی ۱۰۳ / ۱۱، مواہب الرحمن ۱۳۰، ۱۳۱ / ۱۱)

کافروں کی ذلت و رسوائی

۲۸، ۳۰۔ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا مَکَانَکُمْ اَنْتُمْ وَشُرَکَآؤُکُمْ ۚ فَزَیَّلْنَا بَیْنَهُمْ وَقَالَ شُرَکَآؤُهُمْ مَّا کُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○ فَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اِنْ کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ لَغٰفِلِیْنَ ○ هُنَالِکَ تَبْلُوْا کُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْآ اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ

مَاكَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ٥

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم شرک کرنے والوں سے کہیں گے کہ تم اور جن کو تم شریک ٹھہراتے تھے اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو ۔ پھر ہم ان میں جدائی کر دیں گے اور ان کے معبود کہیں گے کہ تم ہماری تو بندگی نہیں کرتے تھے ۔ پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ ہمیں تو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی ۔ وہاں ہر شخص اپنے پہلے کئے ہوئے کاموں کو آزمائے گا اور سب اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے اور جو کچھ جھوٹ وہ باندھا کرتے تھے وہ سب ان کے پاس سے جاتا رہے گا ۔

فَزَيَّلْنَا: پس ہم نے جدا کر دیا ۔ پس ہم نے پھوٹ ڈال دی ۔ پس ہم نے تفریق کر دی ۔ تَزْيِيْلٌ سے ماضی ۔

هُنَالِكَ: وہاں ۔ اس جگہ ۔ اس وقت ۔ اسم ظرف زمان و مکان ۔

أَسْلَفَتْ: وہ پہلے کر چکی ۔ اس نے آگے بھیجا ۔ إِسْلَافٌ سے ماضی ۔

تشریح: قیامت کے روز جن و انس اور نیک و بد سب کو لا حاضر کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ مشرکوں سے کہے گا کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور دیکھو کہ ہم تمہارے ساتھ کیا کرتے ہیں ۔ پھر ہم ان کے اور ان کے شرکاء کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے اور کافروں سے پوچھیں گے کہ تم ان کی پرستش کیوں کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ ان بتوں نے ہمیں اپنی عبادت کا حکم دیا تھا ۔ پھر اللہ تعالیٰ ان بتوں کو قوتِ گویائی عطا فرما دے گا اور ان سے ان کی عبادت کے بارے میں سوال کرے گا ۔ وہ بت جن کو وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے ان سے کہیں گے کہ تم دنیا میں ہمیں نہیں پوجتے تھے ۔ ہمیں تو تمہارے پوجنے کی خبر بھی نہ تھی ۔ سو اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے ۔ وہاں ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال کا نفع و نقصان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا ۔ سو جیسے اس کے اعمال ہوں گے وہ اس کو ویسے ہی مقام پر لے جائیں گے ۔ اچھے اعمال جنت میں لے جائیں گے اور بد اعمال دوزخ میں لے جائیں گے ۔ اس وقت کافروں کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کفر و شرک کر کے انہوں نے بڑی غلطی کی کیونکہ اللہ تو وحدہ لاشریک ہے ۔ پھر سب مالکِ حقیقی کے فیصلے کی طرف یا اللہ کے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ۔ حقیقت میں اللہ ہی ان کا مالک اور ان کے امور کا ذمہ دار ہے ۔ وہ باطل معبود مالک نہیں

جن کو کافروں نے دنیا میں اپنے معبود بنا رکھا تھا۔ اس وقت وہ سب باطل معبود ان کو ان کے حال پر چھوڑ کر غائب ہو جائیں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۶۴ / ۳، مواہب الرحمن ۱۳۶،۱۳۳ / ۱۱)

توحید کے دلائل

۳۱، ۳۳ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ○

آپ (ان سے) پوچھئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ سو وہ عنقریب یہی کہیں گے کہ (ان سب کاموں کا کرنے والا) اللہ ہے۔ سو آپ (ان سے) کہئے کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں۔ پس اللہ ہی تو تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے۔ سو تم (حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف) کہاں لوٹے جا رہے ہو۔ اسی طرح ان نافرمانوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

فَاَنّٰى: سو جب۔ سو کیوں کر۔ سو جہاں۔ اسم ظرف ہے۔ زمان و مکان دونوں کے لئے آتا ہے۔

تُصْرَفُوْنَ: تم پھیرے جاتے ہو۔ تم لوٹے جا رہے ہو۔ صَرْفٌ سے مضارع مجہول۔

فَسَقُوْا: انہوں نے گناہ کیا۔ انہوں نے بدکاری کی۔ فِسْقٌ سے ماضی۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکوں سے پوچھئے کہ وہ کون ہے جو آسمان سے پانی برسا کر اور زمین سے سبزہ اگا کر تمہیں رزق دیتا ہے یا وہ کون ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی طاقت دی اور کس نے شنوائی اور بینائی تخلیق کی اور ان کو ٹھیک رکھا اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے یعنی پرندے کو انڈے سے نکالتا ہے جو زندہ ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے یعنی انڈے کو پرندے سے نکالتا ہے جو مردہ ہے۔ اسی طرح مومن زندہ ہے اور کافر مردہ اللہ تعالیٰ کافر سے مومن کو نکالتا ہے اور مومن سے کافر کو نکالتا ہے۔ اور وہ کون ہے جو آسمان و زمین کے تمام امور کی تدبیر اور سارے عالم کا انتظام کرتا ہے۔ پس مشرکین ان سوالوں کے جواب میں یہی کہیں گے کہ ایسی صفات اور قدرتِ کاملہ والا تو اللہ ہی ہے۔ وہ ان امور کی نسبت اپنے خود ساختہ شریکوں کی طرف نہیں کر سکیں گے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ جب تم یہ اقرار کرتے ہو کہ ایسی صفات والا صرف اللہ ہے تو پھر تم اس کے قہر و عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے۔ خوب سمجھ لو کہ جس نے تمہیں پیدا کیا، رزق دیا اور تمہارے سارے امور کا انتظام کیا وہی تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی تمہارا رب نہیں ہو سکتا۔ پھر حق کو سمجھ لینے کے بعد یہ گمراہی کیسی۔ پس حق کو ترک کرنے والا اور اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرنے والا گمراہ ہے۔ سو تم معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر باطل معبودوں کی طرف کہاں بھٹکے جا رہے ہو۔

جس طرح اللہ کی ربوبیت ثابت شدہ ہے اور جس طرح حق کے بعد محض گمراہی کا ہونا طے شدہ ہے اسی طرح آپ کے رب کی یہ ازلی بات کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، تمام سرکش لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی۔

(مظہری ۵ / ۲۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳ / ۴۶۶، ۴۶۷)

توحید کی حقیقت

۳۴، ۳۶۔ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ
يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ قُلْ هَلْ مِنْ
شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ج فَمَا لَكُمْ قف كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ط اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○

آپ (ان سے) پوچھئے کہ تمہارے معبودوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو ابتداءً بھی پیدا کرے، پھر دوبارہ بھی اس کو زندہ کرے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی مخلوق کو ابتداءً پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ سو تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو۔ آپ (ان سے) پوچھئے کہ تمہارے معبودوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کر سکے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ بھلا جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اتباع کے لائق ہے یا وہ جو دوسروں کی رہنمائی تو کیا کرتا خود ہی رہنمائی کا محتاج ہو، پھر تمہیں کیا ہو گیا۔ تم کیسا انصاف کرتے ہو اور ان میں سے اکثر لوگ بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں حالانکہ بے اصل خیالات حق کے مقابلے میں ذرا کام نہیں آتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔

تُؤْفَكُوْنَ: تم پلٹائے جاتے ہو۔ تم پھیرے جاتے ہو۔ اَفْکٌ سے مضارع مجہول۔

تَحْكُمُوْنَ: تم حکم دیتے ہو۔ تم فیصلہ کرتے ہو۔ حُکْمٌ سے مضارع۔

ظَنًّا: گمان۔ خیال۔ اٹکل۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مکذبین سے پوچھئے کہ جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہو اور ان میں جو مخلوقات ہیں ان کو وجود میں لایا ہو یا وہ اجرام فلکی کو اپنی جگہ سے ہٹا دے یا ان کو بدل دے یا انہیں فنا کر کے پھر از سر نو دوسری مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم کسی کو پیش نہیں کر سکتے جو مذکورہ بالا امور کو انجام دے سکے۔ ان امور پر تو صرف اللہ ہی قادر ہے۔ پھر تم اس خالق عزوجل سے منہ موڑ کر مخلوق کو اس کی عبادت کا مستحق کیوں ٹھہراتے ہو۔

آپ ان سے پوچھئے کہ تمہارے شرکاء میں سے کون ہے جو حق کی طرف تمہاری رہنمائی کر سکے۔ تم خوب جانتے ہو کہ تمہارے شرکاء میں سے کوئی بھی کسی گمراہ کو راہِ راست پر لانے پر قادر

نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھٹکے ہوئے اور گمراہ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ جو شخص دوسروں کو حق کا راستہ دکھاتا ہو وہ پیروی کے قابل ہے یا وہ شخص جو خود دوسروں سے رہنمائی لینے کا محتاج ہو وہ اتباع کے قابل ہے؟ تمہارے عقلوں کو کیا ہو گیا کہ تم نے تو اللہ اور اس کی مخلوق کو برابر بنا دیا تم اللہ کو بھی ملنتے ہو اور بتوں کو بھی اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو!

پھر فرمایا کہ ان میں سے اکثر اٹکل اور بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں یہ بلا دلیل حق کو جھٹلا رہے ہیں۔ پس جو بات حق ہے اس کے حاصل ہو جانے میں گمان ذرا بھی کار آمد نہیں۔ اس لئے ان کا یہ گمان کہ یہ بت ان کی شفاعت کریں گے، انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا۔ بلاشبہ اللہ ان کے اعمال و افعال سے خوب واقف ہے۔

(ابن کثیر ۴۱۷ / ۲، مواہب الرحمن ۱۳۹، ۱۴۳ / ۱۱)

اعجازِ قرآن

۳۷، ۳۸۔ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اور یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور یہ احکام (ضروریہ) کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ پروردگارِ عالم کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو آپ نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اس کی مانند ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو چاہو (مدد کے لئے) بلا لو۔

تشریح: ان آیات میں قرآن کریم کے اعجاز کا بیان ہے کہ اس کی فصاحت و بلاغت اور کم الفاظ میں بے انتہا معنی اور اس کی حلاوت وہ شیرینی اس درجہ کی ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اس پر قادر نہیں کہ وہ اس کی ایک سورت کے مثل بنا سکے۔

بیضاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ گذشتہ آیت میں گمان کی پیروی سے ممانعت کے بعد اب اس چیز کا بیان ہے جس کی پیروی کرنا فرض ہے۔ مشرکین قرآن کریم کو اللہ کا کلام نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا گمان تھا کہ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے بناتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی آپ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن بنالائیے یا اس کو بدل دیجئے۔ آپ نے ان کو جواب دیا کہ میں اس کو نہیں بدل سکتا۔ یہ میرا یا کسی اور بشر کا کلام نہیں کہ میں اس کو بدل دوں۔ یہ تو اللہ کا کلام ہے۔ وہی اس میں رد و بدل کر سکتا ہے۔ کسی بندے کی مجال نہیں کہ وہ اس میں کمی بیشی کرے یا اپنی طرف سے کوئی کلام بنا کر اس کو اللہ کی طرف منسوب کردے۔ حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی طرف سے خاص وحی ہے۔ یہ ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں جیسے توریت اور انجیل وغیرہ۔ اس میں ایسے احکام کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے فرض کئے ہیں اور یہ گزشتہ انبیاء کے واقعات کو صحیح صحیح بیان کرتا ہے۔

اگر اب بھی تمہارا یہی خیال ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا کلام ہے تو اپنے دعوے کی سچائی ثابت کرنے کے لئے تم بھی اس کی مثل کلام بنالاؤ کیونکہ تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح انسان ہو، اہلِ زبان ہو، تمہیں اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز ہے۔ تم تو مجلسوں اور میلوں میں جا کر اپنی زبان دانی کے جوہر دکھاتے ہو۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کلام بنا سکتے ہیں تو تمہیں بھی ایسا کلام پیش کرنے کی قدرت ہونی چاہئے۔ لہٰذا تم سب مل کر بلکہ اللہ کے سوا تمام جہاں سے اپنے معاون و مددگار بھی جمع کر لو اور اپنے ان معبودوں سے بھی اس کام میں مدد لے لو جن کو تم ہر طرح کا حاجت روا جان کر پوجتے ہو۔ اگر پھر بھی تم سے ایک سورت کے برابر کلام نہ بن سکا اور تم ہرگز نہیں بنا سکو گے تو یقین کر لو کہ یہ اس ذاتِ واحد اور قادرِ مطلق کا کلام ہے جو تمام لوگوں اور تمام باطل معبودوں سے بڑھ کر ہے اور وہی اللہ تعالیٰ عزوجل ہے۔

(بیضاوی / ۲۴۰، روح المعانی ۱۱۸، ۱۱۹ / ۱۱، مواہب الرحمن ۱۴۶، ۱۴۸ / ۱۱)

مکذبینِ قرآن کا انجام

۳۹، ۴۰۔ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ○

بلکہ جس چیز کو وہ سمجھ نہ سکے اس کو جھٹلانے لگے اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔ جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں انہوں نے بھی اسی طرح تکذیب کی تھی دیکھو ان ظالموں کا کیسا برا انجام ہوا اور ان میں سے بعض تو اس قرآن کا یقین کریں گے اور بعض یقین نہ کریں گے اور آپ کا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔

یُحِیْطُوْا: انہوں نے احاطہ کیا۔ انہوں نے گھیر لیا۔ انہوں نے سمجھ لیا۔ اِحَاطَۃٌ سے مضارع بمعنی ماضی۔

تَاْوِیْلُہٗ: اس کی تاویل۔ اس کی تعبیر۔

عَاقِبَۃٌ: عاقبت۔ آخرت۔ انجام۔ سزا۔ مصدر ہے۔

تشریح: قرآن مجید اپنے الفاظ و معانی اور اس میں بیان ہونے والی غیب کی خبروں کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ الفاظ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ مشرکین کو اس کے معجزہ ہونے کا اقرار تھا کیونکہ وہ قرآن کے بار بار چیلنج کے باوجود اس کی مثال بنا کر لانے سے عاجز و بے بس تھے اور معنی سے وہ واقف ہی نہیں ہو سکے جو اس کی بلند شان اور اعلیٰ کلام ہونے کی دلیل ہے۔ رہے امورِ غیب تو اس سے مراد غیب کی وہ خبریں ہیں جو ابھی واقع نہیں ہوئیں۔ ظاہر ہے قبل از وقت ان کا بیان کھلا معجزہ ہے۔ مشرکین اس کے الفاظ میں تدبر کرنے، اس کے معنی میں غور و فکر کرنے اور اس میں بیان ہونے والے مستقبل کے امور کے بارے میں اس بات کا انتظار کرنے سے قبل ہی کہ آیا وہ سچ ثابت ہوتے ہیں یا جھوٹ، ان کی تکذیب کرنے لگے۔

گزشتہ امتوں نے بھی اپنے انبیاء کو اسی طرح بلا سوچے سمجھے جھٹلایا تھا سو دیکھ لو کہ ظالموں کا کیسا برا انجام ہوا۔ پس ان کے انجام سے عبرت پکڑنی چاہئے۔ اہل مکہ میں سے فی الحال بعض تو ایسے ہیں جو دل سے اس قرآن کی تصدیق کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ حق ہے مگر عداوت کی وجہ سے تصدیق کا اظہار نہیں کرتے۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنی جہالت کی بنا پر اس میں غور نہیں کیا۔ اسی لئے وہ اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان معاندین کو خوب

جانتا ہے جو تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں۔

ومنھم من یؤمن بہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں جب قرآن کی تاویل اپنے مقررہ وقت پر آئے گی تو اس وقت مکذبین میں سے بعض تو ایمان لے آئیں گے اور بعض پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اپنے کفر پر مصر رہیں گے اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ و فساد اور شر و عناد سے خوب واقف ہے۔ وہ ان کو ان کے فعل بد کی سزا دے گا۔ (روح المعانی ۱۲۰ / ۱۱، مواہب الرحمن ۱۴۹، ۱۵۰ / ۱۱)

معاندین سے اعراض کا حکم

۴۱، ۴۴۔ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓئُوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ ۚ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا یَعْقِلُوْنَ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ ۚ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ○

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ جو کچھ میں کرتا ہوں تم اس کے ذمہ دار نہیں اور نہ میں اس کا ذمہ دار ہوں جو تم کرتے ہو۔ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو (ظاہر میں) آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھتے ہیں۔ کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں، گو ان کو کچھ بھی نہ ہو۔ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو (ظاہر میں) آپ کو (معجزات و کمالات کے ساتھ) دیکھ رہے ہیں۔ کیا آپ ایسے اندھوں کو بھی راہ دکھا سکتے ہیں، جن میں ذرا بھی بصیرت نہ ہو۔ بیشک اللہ تو لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

بَرِیْٓئُوْنَ: بری۔ بے تعلق۔ واحد بَرِیْءٌ۔

اَلصُّمُّ: بہرے۔ واحد اَصَمُّ۔

اَلْعُمْیَ:   اندھے۔ واحد اَعْمٰی۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ مشرکین حجت قائم ہو جانے کے بعد بھی آپ کی تکذیب پر قائم رہیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس قدر سمجھانا میری قدرت میں تھا وہ میں تمہیں سمجھا چکا۔ اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو۔ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم میرے عمل سے بری الذمہ ہو اور میں تمہارے عمل سے بری الذمہ ہوں۔

ان مشرکین میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بظاہر آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور آپ کی باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں، مگر ان کے سینے آپ کی عداوت اور بغض سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بہروں کی مانند ہیں اور آپ بہروں کو سنانے پر قادر نہیں۔ یہ لوگ بہرے ہونے کے ساتھ ساتھ بے عقل بھی ہیں۔ اگر عقل ہو تو بہرا بھی انگل سے کچھ نہ کچھ سمجھ لیتا ہے۔ یہ لوگ تو قوتِ سماعت اور عقل دونوں سے محروم ہیں اس لئے ان کے راہِ راست پر آنے کی امید نہیں۔

ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف گہری نظر سے دیکھتے ہیں، آپ کے پاکیزہ اخلاق اور معجزات و کمالات کا اپنی کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں، مگر پھر بھی قرآنی ہدایات سے فیضیاب نہیں ہوتے جیسا کہ اہلِ علم اور اہلِ بصیرت مستفید ہوتے ہیں۔ ظاہری اعتبار سے تو ان کی آنکھیں ہیں، مگر یہ لوگ دل کے اندھے ہیں۔ ان میں بصارت موجود ہے مگر بصیرت مفقود ہے۔ اس لئے بینا ہونے کے باوجود یہ لوگ اندھوں کی مانند ہیں۔ کیا آپ ایسے اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں۔ اب آپ کو ان کے راہِ راست پر آنے کی امید نہیں رکھنی چاہئے اور نہ ان کی گمراہی پر افسوس کرنے کی ضرورت ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ بھی دی، دل بھی دیا اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت بھی دی۔ مگر انہوں نے ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔

(ابن کثیر ۴۱۸ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲، ۳، ۴، ۳ / ۳)

مکذبین کی حسرت و ندامت

۴۵۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○

اور جس دن اللہ ان کو (دوبارہ زندہ کرکے) جمع کرے گا (تو وہ دنیا کے بارے میں خیال کریں گے) گویا کہ وہ دنیا میں ایک گھڑی بھر دن سے زیادہ نہیں رہے اور وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے ۔ بیشک جن لوگوں نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے ۔

يَلْبَثُوْا: وہ ٹھہرتے ہیں ۔ وہ رہتے ہیں ۔ لُبْثٌ سے مضارع ۔

سَاعَةً: گھڑی ۔ وقت ۔ قیامت

بِلِقَاۗءِ: ملاقات کرنے سے ۔ ملنے سے ۔

تشریح: یہ مشرکین و معاندین اب تو دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس میں حاصل شدہ ناز و نعم پر اترا رہے ہیں اور اس کے نشہ میں آخرت کے عیش و آرام کو، جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، ٹھکرا رہے ہیں ۔ قیامت کے روز جب یہ لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر حشر میں جمع ہو جائیں گے تو اس وقت ان کو اپنا خسارہ نظر آئے گا، جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں ۔ قیامت کے ہولناک منظر کی وجہ سے اس روز ان کو اپنا دنیا کا قیام ایک گھڑی بھر یا اس سے بھی کم معلوم ہو گا اور حسرت و ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا ۔ جب وہ قبروں سے اٹھیں گے تو ابتداء میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے جیسے دنیا میں ایک دوسرے کو جانتے تھے ۔ ماں، باپ، بچوں کو اور بچے ماں، باپ کو اور اہلِ قرابت اپنے رشتے داروں کو پہچان لیں گے، گویا تھوڑی دیر کے لئے جدا ہوئے تھے، پھر جمع ہو گئے اور کوئی کسی کو نہیں بھولا ۔ پھر اس کے بعد قیامت کی دہشت اور شدت کی وجہ سے یہ پہچان جاتی رہے گی اور ایک دوسرے کو بھول جائیں گے ۔ بلاشبہ وہ لوگ نقصان میں رہیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا اور انہوں نے دنیا کی تھوڑی سی زندگی کے بدلے آخرت کی، ہمیشہ رہنے والی زندگی کی مصیبت مول لے لی ۔ اس سے بڑھ کر خسارہ کیا ہو گا ۔

(ابن کثیر ۲/۴۱۹، مظہری ۵/۳۱)

مکذبین کا انجام

۴۶، ۴۷ وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْنَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَایَفْعَلُوْنَ ○ وَلِکُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ج فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَایُظْلَمُوْنَ ○

اور جس (عذاب) کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اگر اس میں سے تھوڑا سا ہم آپ کو دکھا دیں یا اس (کے آنے) سے پہلے ہم آپ کو وفات دے دیں تو ان کو لوٹ کر تو ہمارے پاس ہی آنا ہے۔ پھر جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے۔ پھر جب ان کا رسول آچکا (اور اس نے ان کو احکام پہنچا دیئے) اس کے بعد تو ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کیا جاتا۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے ان کافروں سے عذاب کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور واقع ہو گا۔ اس عذاب کا کچھ حصہ تو آپ کی زندگی میں واقع ہو گا اور کچھ حصہ آپ کے بعد اور باقی عذاب آخرت میں واقع ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی فتوحات اور غلبۂ اسلام کی شکل میں ان معاندین و مکذبین پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ ان میں سے بعض فتوحات تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئیں جیسے بدر، خیبر، فتح مکہ اور حنین وغیرہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ذلت و رسوائی آپ کو دکھا دی۔ بعض فتوحات آپ کے بعد آپ کے خلفاءؓ اور صحابہؓ کے ہاتھ پر واقع ہوئیں۔ اس طرح بتدریج اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔

پھر فرمایا کہ ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے جو ان کو اللہ کے احکام پہنچاتا ہے۔ سو جب اللہ کا رسول معجزات و دلائل اور اس کے احکام لے کر ان کے پاس آچکا اور پھر بھی انہوں نے نہ مانا اور رسول کو جھوٹا قرار دیا تو اللہ نے اپنے رسول اور اس کی امت کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔ تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا اور مومنوں اور رسول کو محفوظ رکھا اور اللہ کا یہ فیصلہ انصاف پر مبنی تھا۔ اس سے کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہوئی۔ کیونکہ حجت پوری ہونے کے بعد مواخذہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے۔ (مظہری ۳۱، ۳۲ / ۵)

عذاب کا مطالبہ

۴۸، ۵۲ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ لَا
أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ
إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝
قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ
الْمُجْرِمُونَ ۝ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ
تَسْتَعْجِلُونَ ۝ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ
هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝

اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو وہ (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہو گا؟ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اپنے نفع اور نقصان کا کچھ اختیار نہیں، مگر جس قدر اللہ چاہے۔ ہر امت کا ایک وقت مقرر ہے۔ پھر جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو نہ وہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ ایک ساعت آگے بڑھ سکیں گے
آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب راتوں رات یا دن کو آپڑے (تو کون اس کو روک سکتا ہے) پھر گنہگار لوگ اس کے لئے کیوں جلدی کر رہے ہیں۔
کیا جب وہ (عذاب) واقع ہو ہی جائے گا تب اس پر ایمان لاؤ گے۔ (اس وقت کہا جائے گا) اب قائل ہوئے حالانکہ تم تو اس کے آنے کا تقاضا کرتے تھے۔ پھر ظالموں کو کہا جائے گا کہ اب تم دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ تمہیں تمہارے کئے ہی کا بدلہ ملا ہے۔

بَيَاتًا: شب خون مارنا۔ رات کے وقت۔ تَبْيِيْتٌ سے اسم مصدر۔
آلْآنَ: کیا اب۔ یہ ہمزہ استفہامیہ اور اَلْآنَ سے مرکب ہے۔
اَلْخُلْدِ: ہمیشہ رہنا۔ دوام۔ بقا۔
ذُوْقُوْا: تم چکھو۔ ذَوْقٌ سے امر۔

تشریح: یہ لوگ عذاب کی وعیدیں سن کر، عذاب آنے سے پہلے ہی تکذیب و تمسخر کے طور پر بے خوفی کے ساتھ عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ مومن اس عذاب سے ڈرتے ہیں اور

انہیں اس کے آنے کا یقین ہے، اگرچہ ان کو اس کا مقررہ وقت معلوم نہیں۔

اس کے جواب میں اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ میں تو تمہاری ہی طرح انسان ہوں۔ مجھ میں یہ قدرت نہیں کہ اپنے لئے کسی قسم کا نفع حاصل کر سکوں یا کسی نقصان سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکوں۔ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اس لئے میں تم پر عذاب کیسے نازل کر سکتا ہوں۔ میں تو اس کا بندہ ہوں اور تمہارے لئے اس کا قاصد ہوں۔ میں صرف وہی کہتا ہوں جو مجھے بتایا جاتا ہے۔ لہذا میں نے تمہیں خبر دے دی ہے کہ قیامت ضرور ہوگی مگر اس کا وقت مجھے نہیں بتایا گیا۔ اللہ کے علم میں ہر امت کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر ہے۔ تمہاری ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر ہے، پھر تم جلدی کیوں کرتے ہو۔ جب تمہیں عذاب دینے کا مقررہ وقت آئے گا تو اس میں ذرا سی بھی تقدیم و تاخیر نہ ہوگی۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ تم جو جلد عذاب آنے کی تمنا کر رہے ہو، اگر وہ عذاب رات کے وقت جب کہ تم سوئے ہوئے ہو یا دن کے وقت جب تم اپنے کاروبار میں مصروف ہو، تم پر اچانک آجائے تو اس وقت تم کیا کرو گے۔ کیا تم اس وقت ایمان لے آؤ گے وہ ایمان لانے کا وقت نہیں ہو گا۔ پھر تم جلد عذاب آنے کی تمنا کیوں کرتے ہو۔ پھر جب وہ مطلوبہ عذاب آجائے گا اور تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے، تب تم اس پر ایمان لاؤ گے اور کہو گے کہ اب ہم خدائے واحد و یکتا کو مانتے ہیں اور باقی معبودوں سے منہ موڑتے ہیں۔ لیکن اس وقت کا ایمان لانا ذرا کام نہ آئے گا۔ اس وقت تم سے کہا جائے گا کہ اب تم عذاب کو دیکھ کر ایمان لائے ہو۔ حالانکہ اس سے پہلے تو تم تکذیب و تمسخر کے طور پر اس کے جلد آنے کی تمنا کرتے تھے۔ سو اب تم دائمی عذاب کا مزہ چکھو جو تمہارے ہی اعمال کا بدلہ ہے۔

(مظہری ۳۲،۳۳ / ۵، ابن کثیر ۴۲۰ / ۲)

عذاب و قیامت کا یقینی ہونا

۵۳، ۵۶۔ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۗ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۖ وَقُضِيَ

بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○

اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ (عذاب کا) وعدہ حق ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں! قسم ہے میرے رب کی۔ البتہ وہ (عذاب کا واقع ہونا) سچ ہے اور تم اس کو روک نہ سکو گے اور اگر ہر (نافرمان) شخص کے پاس وہ سب ہو جو کچھ کہ زمین میں ہے تو عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب اپنے فدیہ میں دینا چاہے گا۔ اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو دل میں بڑے نادم ہوں گے اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جائے گا اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہ ہو گا۔ یاد رکھو! جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ دیکھو! بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے ہی نہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

یَسْتَنْبِئُوْنَکَ: وہ آپ سے خبر معلوم کرتے ہیں۔ وہ آپ سے پوچھتے ہیں۔ اِسْتِنْبَاءٌ سے مضارع۔

اِیْ: ہاں۔ البتہ۔ حرفِ جواب ہے اور ہمیشہ قسم سے پہلے آتا ہے۔

اِفْتَدَتْ: اس نے فدیہ دیا۔ اس نے اپنے چھڑانے کا بدلہ دیا۔ اِفْتِدَاءٌ سے ماضی۔

اَسَرُّوْا: انہوں نے چھپا کر کیا۔ اِسْرَارٌ سے ماضی۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ جس عذاب سے آپ ان کو ڈراتے ہیں کیا وہ واقعی آنے والا ہے یا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور قیامت کا قائم ہونا۔ کیا یہ سب امور یقینی طور پر ہونے والے ہیں یا آپ مذاق کے طور پر ایسا کہتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں! میرے رب کی قسم یہ سب سچ اور حق ہیں اور تم ان امور کے واقع ہونے کو روک نہیں سکتے۔ تمہارا مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جانا، اللہ تعالیٰ کو اس بات سے عاجز نہیں کر سکتا کہ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کر کے تمہیں کفر و شرک کے عذاب کا مزہ چکھائے۔ جس طرح اس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اسی طرح وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ جب وہ کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو وہ اس کو کہہ دیتا ہے کہ "ہو جا"، پس وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے۔

اگر بالفرض قیامت کے روز کسی ایسے شخص کو، جس نے کفر و شرک کرکے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، زمین کے تمام دفینے مل جائیں تو وہ عذاب سے رہائی پانے کے لئے یہ سب فدیہ میں دینے کے لئے تیار ہو جائے گا، مگر اس کا یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ پھر جب قیامت کے روز وہ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ اظہارِ ندامت کریں گے کہ شاید اظہارِ ندامت ہی سے کچھ کام چل جائے لیکن ان کے ساتھ جو بھی برتاؤ ہوگا وہ انصاف کے ساتھ ہوگا۔ اس میں ذرا بھی زیادتی نہ ہوگی۔

خوب سن لو کہ آسمانوں اور زمین کا مالک اللہ ہی ہے۔ وہ عذاب و ثواب دینے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ خوب سن لو! ثواب و عذاب کے بارے میں اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ مگر بہت سے لوگ اس کو نہیں جانتے اسی لئے وہ دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہیں اور آخرت کو بھلائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اپنی نا سمجھی سے دنیا کو ہی حیات سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ وہی دنیا میں زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اسی طرح وہ قیامت میں دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مرنے کے بعد قبروں سے اٹھ کر سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جہاں اعمال کا حساب و کتاب ہوگا۔ (مواہب الرحمن / ۱۶۱، ۱۶۴ / ۱۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴،۸،۷۷ / ۳)

محاسنِ قرآن

۵۷، ۵۸۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک چیز آچکی جو (برائی سے بچنے کے لئے) نصیحت ہے اور دلوں کے امراض کے لئے شفاء اور مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور مہربانی پر خوش ہونا چاہئے۔ یہ اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔

تشریح: اے لوگو! قرآن کریم وعظ و نصیحت کا ایک دفتر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ؐ کے

ذریعہ تمہارے پاس بھیجا ہے۔ یہ دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا بخش دوا ہے۔ یہ شک و شبہ اور دلوں کی گندگی و ناپاکی کو دور کرتا ہے۔ یہ برے کاموں سے روکتا ہے اور ان کے انجام سے خبردار کرتا ہے اور اچھے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ قرآن مومنوں کو صحیح عقائد و افکار، جنت اور اللہ کے قرب کے درجات کا راستہ دکھاتا ہے۔ اہل ایمان ہی اس کو پڑھ کر اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ابن مردویہؒ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے سینے کا دکھ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں **وشفاء لما فی الصدور** فرمایا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کے روز) قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا کہ پڑھ اور چڑھتا جا۔ جس طرح دنیا میں تو ترتیل سے پڑھا کرتا تھا اسی طرح ترتیل سے پڑھ کیونکہ تیرا درجہ وہاں ہے جہاں تک تو آخری آیت پڑھنے پر پہنچے گا۔

آپؐ کہہ دیجئے کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اللہ کے اس فضل و رحمت پر خوش ہو جائیں کیونکہ یہ اس مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔ دنیا اور اس کا نفع قلیل اور فانی ہے جبکہ قرآن اور اس کا نفع کثیر اور باقی رہنے والا ہے۔ (مظہری ۳۴، ۳۵ / ۵، روح المعانی ۱۳۹، ۱۴۱ / ۱۱، مسند احمد ۳۹۵ / ۲، ترمذی ابواب فضائل قرآن)

مشرکین کے قبیح اعمال

۵۹، ۶۰۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۚ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ○ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ○

آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا ہے تم نے اس میں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال قرار دے دیا ہے۔ آپ (ان سے)

پوچھئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا یا تم یونہی اللہ پر افترا کرتے ہو اور جو اللہ پر افترا کرتے ہیں ان کا قیامت کے بارے میں کیا گمان ہے ۔ بیشک اللہ تو لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین سے پوچھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فائدے کے لئے جو رزق نازل کیا تھا انہوں نے اس کا کچھ حصہ اپنے لئے حلال قرار دے لیا اور کچھ حصے کو اپنے اوپر حرام کرلیا ۔ یہاں رزق سے مراد کھیتی یا دودھ والے مویشی ہیں ۔ اللہ نے یہ سب چیزیں حلال بنائی تھیں، مگر انہوں نے اپنی طرف سے کسی کو حلال بنالیا اور کسی کو حرام ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ (الانعام آیت ۱۳۸)

یہ چوپائے ہیں اور کھیتیاں ہیں جو ممنوع ہیں ۔

مَافِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۔ (الانعام آیت ۱۳۹)

ان جانوروں کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے وہ صرف مردوں کے لئے (حلال) ہے اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے ۔

اسی طرح انہوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو بھی حرام قرار دے رکھا تھا ۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے پوچھئے کہ کیا بعض حلال اور بعض کو حرام کرنے کی اجازت تمہیں اللہ نے دی ہے یا تم اس خود ساختہ تحلیل و تحریم کی نسبت اللہ کی طرف کرکے اس پر افتراء باندھ رہے ہو جو نہایت سخت گناہ ہے اور جو لوگ اللہ پر تہمت لگاتے ہیں، قیامت کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے ۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے روز ان کو اس افترا پردازی کی سزا نہیں دی جائے گی ۔ یہ ضرور اپنے اعمال بد کی سزا پائیں گے ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بہت فضل و مہربانی کرنے والا ہے کہ اس نے ان کو عقل کی نعمت عطا کی ۔ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کتابیں نازل کیں اور پیغمبر بھیجے ۔ لیکن اکثر لوگ ان انعامات کا شکر ادا نہیں کرتے ۔

(مواہب الرحمن ۱۷۱، ۱۷۲ / ۱۱، مظہری ۳۶ / ۵)

اللہ تعالیٰ کا احاطہء علمی

۶۱۔ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○

اور آپ جس حال میں بھی ہوں اور قرآن میں سے کچھ بھی تلاوت کر رہے ہوں اور لوگ کسی بھی کام میں مصروف ہوں، ہم تمہیں (ہر حال میں) دیکھتے رہتے ہیں جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب پر ذرہ بھر بھی کوئی چیز مخفی نہیں رہتی خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے اور نہ بڑی مگر یہ کہ وہ کتاب مبین (لوح محفوظ) میں درج ہے۔

شَأْنٍ: حالت۔ مشغلہ۔ کام۔ جمع شُئُوْنٌ

تُفِيْضُوْنَ: تم شروع کرتے ہو۔ تم (باتوں میں) مشغول ہوتے ہو۔

يَعْزُبُ: وہ غائب ہوتا ہے۔ وہ چھپتا ہے۔ عُزُوْبٌ سے مضارع۔

مِثْقَالٍ: برابر۔ ہم وزن۔ بھاری ہونا۔ ثِقْلٌ و ثَقَالَةٌ سے فعل بھی اسم بھی۔

تشریح: اس آیت میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کیونکہ آپ تمام انسانوں کے سرگروہ ہیں۔ اس کے بعد آپؐ کے عظیم الشان عمل کا ذکر ہے کہ آپ قرآن کا جو حصہ بھی پڑھتے ہیں وہ اللہ کو معلوم ہے۔ پھر سب لوگوں کو خطاب ہے اور ان کے ہر چھوٹے بڑے عمل کا ذکر ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جس شان و حال میں ہوتے ہیں اور جو کچھ قرآن آپ پڑھتے اور تبلیغ و نصیحت فرماتے ہیں اور جو کچھ کام تم لوگ کرتے ہو وہ سب ہمیں معلوم ہیں۔ ہم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام امت اور مخلوق کے تمام احوال سے ہر لمحہ اور ہر آن واقف ہے۔ آسمانوں اور زمین کے اندر کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور حقیر سے حقیر چیز ایسی نہیں جس کا علم اللہ تعالیٰ کو نہ ہو۔ بحر و بر کے غیب وہی جانتا ہے۔ ایک پتہ بھی ٹوٹ کر کہیں گرتا ہے یا رات کی تاریکیوں میں کہیں کوئی ذرہ بھی پڑا رہتا ہے اور کوئی چیز خشک ہو یا تر، اچھی ہو یا بری، اس کو سب

کا علم ہے۔ وہ اشجار و جمادات اور حیوانات کی ہر حرکت کو جانتا ہے۔ زمین پر جتنے جاندار ہیں، ہوا میں جتنے پرندے اڑتے ہیں، سب کے رزق کا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔ (ابن کثیر ۴۲۲ / ۲)

اولیاء اللہ کا حال

۶۲، ۶۳۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۔ لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

دیکھو! اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے۔ انہی لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

تشریح: خوب سن لو کہ اللہ کا ولی وہ ہے جو ایمان لانے کے بعد پرہیزگاری اختیار کرے۔ چنانچہ جو پرہیزگار ہے وہ اللہ کا ولی ہے۔ جب ان کو احوالِ آخرت سے سابقہ پڑے گا تو ان کو کسی قسم کا خوف دامن گیر نہ ہو گا اور نہ دنیا میں ان کو کوئی رنج و ملال ہو گا۔ انہی لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت کی زندگیوں میں بشارتیں ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ کہ جب دیکھو کہ اللہ کی یاد میں مصروف ہیں۔ یعنی اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایسے بندے بھی ہیں کہ انبیاء و شہداء بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون لوگ ہیں؟ ہم بھی ان سے محبت رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء کے لئے بھی قابلِ رشک لوگ وہ ہیں کہ نہ مال کا کوئی تعلق، نہ نسب کا لگاؤ، مگر وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی ہیں۔ وہ نور کے منبروں پر

ہیں، جہاں لوگ خوف سے تھرائیں گے۔ وہاں ان پر ذرا بھی خوف کے آثار نہیں ہوں گے۔

بیہقیؒ نے حضرت رزین رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رزین سے فرمایا کہ میں تمہیں دین کا ایسا اصول بتاتا ہوں جس سے تم دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کر سکتے ہو۔ وہ (اصول) یہ ہے کہ اہلِ ذکر کی مجلس و صحبت کو لازم پکڑو اور جب تنہائی میں جاؤ تو جتنا زیادہ ہو سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دو۔ جس سے محبت کرو، اللہ کے لئے کرو، جس سے نفرت کرو اللہ کے لئے کرو۔

پس انہیں لوگوں کی صحبت و مجالست مفید ہے جو خود ولی اللہ اور متبعِ سنت ہوں۔ جو لوگ سنتِ رسول کے تابع نہیں وہ درجہ ولایت سے محروم ہیں، خواہ ان سے کتنے ہی کشف و کرامات صادر ہوتے ہوں اور جو شخص مذکورہ صفات کا حامل ہے وہ اللہ کا ولی ہے خواہ اس سے کبھی بھی کوئی کشف و کرامت ظاہر نہ ہوتی ہو۔

ابن ماجہ میں حضرت اسماء بنت یزیدؓ کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیاء اللہ کی پہچان یہ بتائی ہے کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔

خلاصہ یہ کہ جن لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر ان کو اللہ کے ذکر کی توفیق اور دنیاوی فکروں کی کمی محسوس ہو وہی اولیاء اللہ ہیں۔

پھر فرمایا کہ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ اس کے سب وعدے اٹل ہیں اور پورے ہو کر رہیں گے۔ مومنوں کے لئے دونوں جہان میں بشارت یافتہ ہونا ہی عظیم کامیابی ہے۔ اس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ نہیں۔ (مظہری ۴۰ / ۵، ابن کثیر ۴۲۲، ۴۲۳ / ۲)

آپ کو تسلی و بشارت

۶۵، ۶۶ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ○ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

يَسْمَعُوْنَ ○

اور آپ کو ان کی باتوں سے غمگین ہونے کی ضرورت نہیں ۔ بلاشبہ عزت (غلبہ) تو سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے ۔ وہی خوب سنتا (اور) جانتا ہے ۔ دیکھو! آسمانوں اور زمین والے سب اللہ کے (محکوم) ہیں اور یہ جو اللہ کو چھوڑ کر اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو پوجتے ہیں یہ محض خیالات کی پیروی کرتے ہیں اور محض انکلیں دوڑاتے ہیں ۔ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے آرام کے لئے رات بنائی اور دیکھنے کے لئے دن بنایا ۔ بیشک اس میں اس قوم کے لئے (اللہ کی قدرت کی) بڑی نشانیاں ہیں جو سن سکتی ہیں ۔

يَخْرُصُوْنَ: وہ انکل دوڑاتے ہیں ۔ وہ قیاسی باتیں کرتے ہیں ۔ خَرْصٌ سے مضارع ۔

مُبْصِرًا: دکھانے والا ۔ روشنی والا ۔ اِبْصَارٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: آپ مشرکین کی باتوں سے غمگین نہ ہوں کیونکہ عزت و غلبہ تو سب اللہ تعالیٰ، اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں ہی کو حاصل ہے ۔ کسی کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں ۔ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے ۔ وہی آپ کی مدد کرے گا اور آپ کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا ۔ وہ اپنے بندوں کی باتوں کو سنتا اور ان کے احوال کو جانتا ہے ۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کے لئے ہے ۔ مشرکین جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ نہ تو نقصان پہنچانے پر قادر ہیں اور نہ نفع دینے پر مشرکین کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں وہ تو محض جھوٹ اور قیاس آرائیوں کی پیروی کر رہے ہیں ۔

اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے بندوں کے لئے رات بنائی تاکہ وہ دن بھر کی تکان سے سکون اور راحت حاصل کریں اسی نے حصول معاش کے لئے دن کو روشن بنایا ۔ ایسے دلائل کو سن کر عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے ان آیتوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ۔ (ابن کثیر ۴۲۴ / ۲)

توحید کے دلائل

۶۸ ۔ ۷۰ ۔ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنالیا۔ وہ پاک ہے۔ وہ (اولاد سے) بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (وہ سب) اسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں۔ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں جو لوگ اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں۔ آپ ان کو بتادیجئے کہ وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ یہ دنیا میں تھوڑا سا نفع اٹھالینا ہے پھر ان کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم ان کے کفر کے سبب ان کو شدید عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

تشریح: مشرکینِ مکہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے۔ ان آیتوں میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے عقائد کی تردید کی گئی ہے کہ یہ سب ان نادانوں کی افترا پردازی ہے۔ ایسے لوگ کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔

وہ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ بیٹے کا محتاج تو وہ ہوتا ہے جس کو بقا اور دوام نہ ہو تاکہ اس کی فنا اور زوال کے بعد بیٹا اس کا قائم مقام ہو، یا اولاد کی ضرورت ضعیف کو ہوتی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ قوت حاصل کرے، یا ذلیل کو ہوتی ہے کہ اولاد کے ذریعہ عزت و شرف حاصل کرے، یا گمنام کو ہوتی ہے کہ اولاد کے ذریعہ نام پیدا کرے۔ غرض یہ سب محتاجی کی باتیں ہیں اور اللہ احتیاج سے پاک ہے۔ وہ غنی مطلق ہے اور سب مخلوق محتاجِ مطلق ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی ملکیت ہے اور اولاد باپ کی مملوک نہیں ہوتی۔ لہٰذا مشرکین کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے، بلا دلیل ہے۔ کیا یہ لوگ اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہیں جس کا ان کو علم ہی نہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں وہ دین و دنیا میں کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ دنیا میں خوب عیش و آرام اور صحت و سلامتی کے ساتھ رہنا ان کے لئے عذاب کا پیش خیمہ اور ڈھیل و مہلت ہے۔ یہ دنیا کی زندگی تو ان کے لئے چند روزہ آرام و راحت ہے۔ اس کے بعد

تو ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے۔ اس لئے کہ وہ دنیا میں کفر کرتے تھے اور اللہ کے لئے اولاد ٹھہرا کر اس کی شان، عزت اور بے نیازی میں طعن کرتے تھے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۸۸، ۴۸۹ / ۳، ابن کثیر ۴۲۴، ۴۲۵ / ۲)

حضرت نوحؑ کا واقعہ

۷۱، ۷۳۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝

اور آپ ان کو (حضرت) نوحؑ کا حال سنا دیجئے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر تمہیں میرا قیام اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا گراں گزرتا ہے تو میرا تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ ہے۔ پھر تم اور تمہارے معبود (مجھے نقصان پہنچانے کے لئے) اپنی پختہ تدبیر کر لو۔ پھر تمہارا وہ ارادہ تم میں سے کسی پر پوشیدہ نہ رہے۔ پھر جو کچھ تم میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو اس کو کر گزرو اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔ پھر بھی اگر تم نہ مانو تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا۔ میرا معاوضہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے۔ اور مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں بردار ہو کر رہوں۔ پس وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے سو ہم نے ان (حضرت نوحؑ) کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، ان کو تو نجات دی اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بھی بنا دیا اور جن لوگوں نے ہماری

آیتوں کو جھٹلایا، ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ سو دیکھنا چاہئے کہ جن لوگوں کو (عذابِ الٰہی سے) خبردار کر دیا گیا تھا ان کا کیسا (برا) انجام ہوا۔

کَبُرَ : وہ (مرتبہ میں) بڑا ہوا۔ وہ بزرگ ہوا۔ وہ گراں ہوا۔ کِبَرٌ و کُبْرٌ سے ماضی۔

غُمَّةٌ : رنج و غم۔ چھپا ہوا۔ جمع غُمَمٌ۔

اِقْضُوْا : تم فیصلہ کر لو۔ تم کر گزرو۔ قَضَاءٌ سے امر۔

ربط : اصولِ دین، توحید و رسالت اور قیامت کے دلائل کے بیان کے بعد اب مشرکین و منکرین نبوت کی تہدید و عبرت کے لئے سابقہ امتوں کے چند واقعات کا بیان ہے تاکہ کفار و مشرکین عرب ان واقعات سے عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ اللہ کے نبیوں کے مقابلے میں قوت و شوکت کام نہیں آتی۔

تشریح : سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جب کفر پھیل گیا تو حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا گیا تاکہ وہ کافروں کو دعوتِ ایمان دیں۔ جب قوم نے ان کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے سب کو طوفان کے ذریعہ غرق کر دیا۔ قومِ نوح دنیا میں پہلی قوم تھی جو عذابِ خداوندی سے ہلاک ہوئی۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کفارِ مکہ جو آپ کی مخالفت و تکذیب کرتے ہیں۔ آپ ان کو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات سنا دیجئے تاکہ وہ قومِ نوح کے افسوسناک انجام کو دیکھ کر ہوشیار ہو جائیں اور اس سے عبرت حاصل کریں۔

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر میرا تم میں رہنا اور احکامِ خداوندی کی نصیحت کرنا تمہیں گراں گزرتا ہے اور تم میری نصیحت سے تنگ ہو تو مجھے بھی تمہاری پرواہ نہیں۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ میں تو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں جو تمہارے مکر و فریب کو دور کرنے پر قادر ہے۔ تمہیں اچھا لگے یا نہ لگے، میں تو تبلیغِ دین کرتا رہوں گا۔ سو تم اور تمہارے باطل معبود، جن کو تم اللہ کی عبادت میں شریک کرتے ہو، سب مل کر اپنی سی کوشش کر لو۔ اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو، تم جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو۔ مجھے نہ تو تمہاری پرواہ ہے اور نہ تم سے کچھ خوف۔ میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی۔ اب اگر تم نے تکذیب کی اور میری نصیحت سے منہ موڑا تو میں نے اس نصیحت اور دعوتِ ایمان پر تم سے کوئی

اجرت تو نہیں مانگی جس کے ضائع ہونے کا مجھے افسوس ہو۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے جو بہرحال مجھے ملے گا۔ خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اسلام کے احکام کی تعمیل کرتا رہوں کیونکہ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی تھا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو اور ان کے دین پر چلنے والوں کو کشتی میں بٹھا کر نجات دے دی اور ان کو زمین پر خلیفہ مقرر کر دیا۔ جن لوگوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا تھا، ہم نے ان کو غرق کر دیا۔ دیکھو ان بدنصیبوں کا کیسا برا حشر ہوا اور اللہ کے نبی کے مقابلے میں، مال و دولت اور غرور و نخوت، کچھ بھی ان کے کام نہ آیا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۹۰، ۴۹۱ / ۳، مواہب الرحمن ۱۸۹، ۱۹۰ / ۱۱)

قومِ عاد و ثمود وغیرہ کے واقعات

۷۴۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

پھر ہم نے حضرت نوحؑ کے بعد ان کی قوم کی طرف اور رسول بھیجے۔ پس وہ ان کے پاس کھلے معجزات لے کر آئے لیکن وہ اس پر ایمان نہ لائے۔ جس کی وہ پہلے تکذیب کر چکے تھے۔ ہم اسی طرح سرکشوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے دوسرے رسولوں کو بھی ان کی قوموں کی طرف واضح دلائل و معجزات کے ساتھ بھیجا۔ مثلاً حضرت ہود علیہ السلام کو قومِ عاد کی طرف، حضرت صالحؑ کو قومِ ثمود کی طرف، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا۔

وہ چونکہ انبیاء کے آنے سے پہلے ہی حق کے منکر تھے اس لئے انبیا کے آنے کے بعد بھی وہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ جس طرح سابقہ امتوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی تو ہم نے ان کے دلوں پر مہر کر دی تھی۔ اسی طرح ہم حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں کہ وہ عزت کو ذلت سمجھنے لگتے ہیں اگرچہ اللہ کی مہر نظر نہیں آتی۔ مگر جن کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے وہ

دین کی باتوں کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کا واقعہ

۸۰،۷۵۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَ هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ○ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ○

پھر ان کے بعد ہم نے (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون (علیہما السلام) کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تو تھی ہی نافرمان قوم۔ پھر جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق (بات) پہنچ گئی تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ کیا تم حق کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس پہنچ گیا۔ کیا یہ جادو ہے حالانکہ جادوگروں کو کامیابی نہیں ہوتی۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقہ سے برگشتہ کردے جس پر ہم نے اپنے باپ، دادا کو پایا ہے اور تم دونوں کو اس ملک کی سرداری مل جائے اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔

مَلَاۡئِهٖ: اس کے سرداروں کی جماعت۔

تَلْفِتَنَا: تو ہم کو ہٹاتا ہے۔ تو ہم کو پھیرتا ہے۔ لَفْتٌ سے مضارع۔

وَجَدْنَا: ہم نے پایا۔ ہم نے تلاش کیا۔ وَجْدٌ وُجُوْدٌ سے ماضی۔

اَلْكِبْرِيَآءُ: بڑائی۔ سرداری۔ بزرگی۔ عظمت۔ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت۔

تشریح: پھر ان رسولوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام

کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا مگر وہ لوگ اطاعت و فرماں برداری کی بجائے اپنی ظاہری عزت و جاہت پر تکبر کرنے لگے کیونکہ وہ تو تھے ہی مجرم لوگ ۔ پھر جب اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ذریعہ ان کے پاس امر حق آگیا تو وہ بلا تامل کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے ۔ حضرت موسیٰ نے ان کے جواب میں کہا کہ کیا تم اس صریح اور واضح حق کو جادو کہتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ جادو گر فلاح نہیں پاتے اور جادو معجزے کا مقابلہ نہیں کر سکتا ۔

جب فرعون اور اس کے سرداروں سے حضرت موسیٰ کی بات کا جواب نہ بن پڑا تو وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ تو ہمیں اس طریقہ سے ہٹا دے جس پر ہم نے اپنے باپ، دادا کو پایا ہے اور تو ہمیں اپنا مطیع و فرماں بردار بنالے اور ہماری عزت و غلبہ کو ختم کر کے مصر پر اپنا تسلط جمالے ۔ خوب سن لو ہم تم پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے ۔

فرعون کا جادوگروں کو جمع کرنا

۷۹، ۸۲ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ ○ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوسٰىٓ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ○ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ○

اور فرعون نے (اپنے سرداروں سے) کہا کہ تم میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو لاؤ ۔ پھر جب جادوگر آگئے تو حضرت موسیٰ نے ان سے کہا کہ تم ڈالو کیا ڈالتے ہو ۔ پھر جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈال دیا تو (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ جو کچھ تم لائے ہو وہ جادو ہے ۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کو باطل (درہم برہم) کر دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ شریروں کے کام نہیں سنوارتا اور اللہ اپنے حکم سے حق کو سچا کر کے رہے گا، اگرچہ مجرم برا ہی مانیں ۔

تشریح: فرعون کا گمان تھا کہ وہ جادوگروں سے مدد لے کر اللہ تعالیٰ کے رسول پر غالب

آجائے گا مگر اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چنانچہ جب فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء اور یدِ بیضاء کے معجزوں کو دیکھ کر گھبرا گیا تو اپنی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ حضرت موسیٰ کے مقابلے کے لئے ملک کے ہر گوشے سے ماہر اور تجربہ کار ساحروں کو جمع کیا جائے تاکہ وہ حضرت موسیٰ کا مقابلہ کریں اور حضرت موسیٰ کا جادوگر ہونا ظاہر ہو جائے۔

پھر جب وہ جادوگر آ جمع ہوئے اور مقابلہ کے لئے میدان میں پہنچ گئے تو حضرت موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو کچھ تم ڈالنا چاہتے ہو ڈالو۔ سو جب انہوں نے لاٹھیوں اور رسیوں کو جن سے وہ جادو کیا کرتے تھے، زمین پر ڈالا اور وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر زمین پر چلنے لگیں تو حضرت موسیٰ نے وحیِ الٰہی سے مطمئن ہو کر جادوگروں سے کہا کہ تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو کا کھیل ہے اور جو میں لایا ہوں وہ جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے جادو کو ملیامیٹ کر دے گا اور تم میرے مقابلے میں ذلیل و خوار ہو کر رہو گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مفسدوں کے عمل کو قائم نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے مطابق حق کو ثابت کر کے رہے گا اور اس نے اپنے پیغمبر سے غلبہ و نصرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو گا۔ خواہ مجرموں کو وہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

چنانچہ جب ساحروں کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر زمین پر چلنے لگیں تو حضرت موسیٰ نے اپنا عصاء زمین پر ڈال دیا جس نے اژدہا بن کر سب رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل لیا۔ پھر وہ مجمع کی طرف بڑھنے لگا جس سے مجمع میں بھگدڑ پڑ گئی۔ بہت سے لوگ کچلے گئے اور نیچے دب کر اور گر کر مر گئے۔ ساحرین چونکہ فنِ سحر سے خوب واقف تھے اس لئے ان کو یقین تھا کہ یہ سحر نہیں لہٰذا وہ ایمان لے آئے۔ (مظہری ۴۸، ۴۹ / ۵)

بیضاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جادو بھی افساد ہے اور جادو نظر بندی ہے حقیقت نہیں۔ اہلِ سنت کے نزدیک جادو واقعی امر ہے، اگرچہ اس کا کرنا کفر ہے۔ (بیضاوی ۱۷۸)

توکل اور کثرتِ صلوٰۃ کی تاکید

۸۳، ۸۶۔ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

پھر (حضرت) موسیٰ کی قوم کے چند لوگوں کے سوا کوئی بھی ان پر ایمان نہ لایا اور وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں وہ ان کو تکلیف نہ دیں اور بیشک فرعون تو اس ملک میں بڑا زور رکھتا تھا اور بیشک وہ حد سے بڑھا ہوا تھا اور (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے اور اگر تم فرماں بردار ہو تو اسی پر بھروسہ بھی رکھو۔ سو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈال اور ہمیں اپنی رحمت سے کافر قوم سے نجات دے۔

عَالٍ: بلند۔ غالب۔ سرکش۔ جابر۔ عُلُوٌّ سے اسم فاعل۔

مُسْرِفِيْنَ: اسراف کرنے والے۔ بیجا خرچ کرنے والے۔

تشریح: باوجودیکہ حضرت موسیٰ نے جادوگروں کے جادو کو ملیامیٹ کر کے اپنی صداقت کی نشانیاں اور معجزات پیش کئے، قوم فرعون میں سے چند آدمیوں کے سوا کسی نے ان کی تصدیق نہیں کی۔ یہ چند لوگ بھی فرعون اور اس کے ارا کین سلطنت سے ڈرتے ڈرتے ایمان لائے کہ کہیں یہ لوگ ان کو مصیبت میں نہ ڈال دیں۔ بعض مفسرین نے کہا کہ **قومه** کی ضمیر حضرت موسیٰ کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ فرعون کے خوف کے سبب بنی اسرائیل میں سے بوڑھے لوگ ایمان نہ لائے بلکہ نوجوان ذریت، حضرت موسیٰ پر ایمان لائی۔ بلاشبہ فرعون بڑا عیار اور سرکش تھا اور حد سے بڑھا ہوا تھا، اسی لئے اس کی قوم اس سے بہت ڈرتی تھی۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ نفع و نقصان کا مالک وہی ہے تو تم اسی پر بھروسہ رکھو۔ وہ تمہیں دشمن کے فتنے سے ضرور بچائے گا۔ فرعون اور اس کے آدمیوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ یہ لوگ مخلص تھے اور اللہ کے پیغمبر کے سچے پیرو کار تھے، اس لئے انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے دعاء کی کہ اے اللہ! ہم پر ان ظالموں کو مسلط نہ کر اور نہ ہمیں اپنے عذاب میں مبتلا کر، ورنہ فرعون کی قوم کہے گی کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو عذاب میں مبتلا نہ ہوتے اور نہ ہم ان پر غالب آتے۔ اے اللہ! ہمیں اپنی رحمت و مہربانی سے اس کافر قوم سے نجات دے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۹۴، ۱۹۵ / ۱۱)

مومنوں کو بشارت

۸۷۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ رو بناؤ اور نماز قائم کرو اور مومنوں کو خوشخبری سنادو۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی دعاء قبول کی اور حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ تم دونوں اپنے لوگوں کی سکونت و عبادت کے لئے شہر میں کچھ مکان مقرر کر لو اور ان مکانوں کو قبلہ رخ بناؤ تاکہ تم ان میں رہ بھی سکو اور عبادت بھی کر سکو اور جب فرعون کی طرف سے کوئی مصیبت آئے تو اپنے انہیں مکانوں میں کثرت سے نماز پڑھو۔ اللہ تعالیٰ نماز کی برکت سے تمہاری مصیبت دور کر دے گا۔

فرعون کے لوگ بنی اسرائیل کو مساجد میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے، اس لئے ان کو یہ اجازت دی گئی کہ تم اپنے گھروں کو قبلہ رخ بنا کر انہیں میں نماز پڑھ لیا کرو تاکہ فرعون والوں کو تمہاری نماز اور عبادت کی خبر نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ اے موسیٰ تم مومنوں کو بشارت دے دو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کردے گا اور تمہیں ان کا جانشین بنادے گا اور آخرت میں تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔

حضرت موسیٰ کی دعاء

۸۸، ۸۹ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ
عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا
الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا
وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اور (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ اے ہمارے رب! تو نے تو فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں سامان تجمل اور مال (و زر) دے رکھا ہے۔ اے ہمارے رب! (کیا یہ سب اسی لئے دیا ہے) کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو ملیامیٹ کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے۔ پس وہ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعاء قبول کرلی گئی۔ سو تم ثابت قدم رہو اور نادانوں کی اتباع نہ کرو۔

مَلَاَهٗ: اس کے سرداروں کو۔

اِطْمِسْ: تو مٹادے۔ تو نیست و نابود کردے۔ طَمْسٌ سے امر۔

اُشْدُدْ: تو سخت کردے۔ تو مضبوط کر۔ شُدٌّ و شِدَّةٌ سے امر۔

تشریح: جب فرعون اور اس کی جماعت نے قبولِ حق سے انکار کردیا، وہ اپنے ظلم و سرکشی اور گمراہی پر قائم رہے تو حضرت موسیٰ نے ان کے ایمان لانے سے ناامید ہو کر اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں یہ بددعاء کی کہ اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کی جماعت کو اس دنیا میں سامان آرائش اور کثیر اموال اس لئے عطا کیا تھا کہ یہ لوگ تیری نعمت کا شکر ادا کریں اور اس کو آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائیں مگر ان لوگوں نے تیری ناشکری اور نافرمانی کی اور تیرے دیئے ہوئے مال پر

اتنے مغرور و سرکش ہوئے کہ خود تو گمراہ تھے ہی، دوسروں کو بھی تیرے راستے سے بہکانے لگے۔ اس لئے یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان کے اموال کو باقی رکھا جائے۔ سوا اے ہمارے پروردگار! ان کے اموال کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ یہ عذابِ الیم دیکھنے تک ایمان ہی نہ لائیں۔

اس آیت میں لفظ **لیضلو** کی "ی" کو بعض نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی ہیں خود بھٹکنا اور گمراہ ہونا اور بعض نے "ی" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی ہیں دوسروں کو بھٹکانا اور گمراہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے فرمایا کہ تم دونوں کی دعاء قبول ہو گئی۔ ہم عنقریب ان کو اور ان کے اموال کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ دعاء صرف حضرت موسیٰ نے مانگی تھی اور حضرت ہارون اس پر آمین کہتے جاتے تھے، اس لئے آیت میں دعاء کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی۔

پھر فرمایا کہ تم دونوں بے فکر ہو کر دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے رہو اور نادانوں کے طریقے کی پیروی نہ کرنا کہ نزولِ عذاب میں جلدی کرنے لگو یا اللہ کے وعدے پر بھروسہ نہ رکھو۔ جو کچھ تم نے مانگا وہ ضرور ہونے والا ہے، مگر وہ اپنے وقت پر ہو گا۔ (ابن کثیر ۴۲۹ / ۲)

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی

۹۲،۹۰۔ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا اور فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم و زیادتی کے ارادے سے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے کو ہوا تو

کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ اس خدا کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور کوئی معبود نہیں اور میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔ (فرشتوں نے کہا کہ) اب ایمان لاتا ہے، اس سے پہلے تو نافرمان اور مفسد تھا۔ سو آج ہم تیری لاش کو بچا دیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانِ عبرت رہے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی تو ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔

جٰوَزْنَا: ہم نے پار اتارا۔ مجاوزۃ سے ماضی۔

بَغْيًا: بغاوت۔ سرکشی۔ مصدر ہے۔

اَدْرَكَهُ: اس نے اس کو پالیا۔ ادراک سے ماضی۔

تشریح: جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آگیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے جائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہو گئے۔ فرعون کو پتہ چلا تو اس نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا۔ بنی اسرائیل جب بحرِ قلزم پر پہنچے تو فرعون بھی ان کا پیچھا کرتا ہوا اپنے لشکر سمیت وہاں پہنچ گیا۔ اب آگے سمندر اور پیچھے دشمن، عجیب پریشانی کا عالم تھا۔ جب مایوسی کی انتہا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنا عصاء سمندر پر مارنے کا حکم دیا۔ حضرت موسیٰ نے اپنا عصاء سمندر پر مارا تو وہ پھٹ پڑا اور سمندر میں سات راستے بن گئے۔ اس طرح ہر قبیلے کے لئے علیحدہ راستہ بن گیا اور اللہ تعالیٰ نے سمندر کے اندر کی گیلی زمین کو خشک ہواؤں کے ذریعہ فوراً سکھا دیا اور راستہ لوگوں کے چلنے کے قابل ہو گیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل ان راستوں کے ذریعہ سمندر سے پار ہو گئے۔

بنی اسرائیل کو سمندر سے پار ہوتے دیکھ کر فرعون بھی ان کے پیچھے پیچھے ظلم و زیادتی کے ارادے سے اپنے لشکر سمیت سمندر میں داخل ہو گیا۔ پھر جب بنی اسرائیل کے تمام لوگ سمندر پار ہو گئے اور فرعون کے لشکر کا آخری آدمی بھی سمندر میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو برابر ہو جانے کا حکم دے دیا۔ اس طرح سمندر پھر سے اپنی پہلی حالت پر رواں ہو گیا اور موجیں مارنے لگا اور کوئی فرعونی بھی نہ بچ سکا، سب کے سب غرق ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا اور اس کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو بول اٹھا کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ سوائے اس اللہ تعالیٰ کے جس کو بنی اسرائیل مانتے ہیں، کوئی معبود نہیں۔ میں بھی اس کے فرماں برداروں میں سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تجھے اب یقین آیا ہے۔ جب ایمان لانے کا وقت تھا، اس وقت

تو نافرمانی اور سرکشی میں پڑا رہا، لوگوں کو گمراہ کرتا رہا اور فتنے مچاتا رہا۔ اب ایمان لانے سے کیا فائدہ۔ موت کو سامنے دیکھ کر ایمان لانا قابلِ قبول اور معتبر نہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم تیری روح کو نہیں، تیرے جسم کو محفوظ کر دیں گے تاکہ بعد والوں کے لئے نشانِ عبرت بن جائے۔ اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعون کی موت کے بارے میں شک کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ فرعون کی لاش کو جس پر لباس بھی موجود ہے زمین کے ایک ٹیلے پر پھینک دے تاکہ (لاش کو دیکھ کر) ان کو فرعون کی موت کا یقین ہو جائے۔
(ابن کثیر ۴۳۰/ ۲)

انعاماتِ خداوندی

۹۳۔ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ج فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ط اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○

اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کے لئے بہت اچھا ٹھکانا دیا اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ پس بنی اسرائیل نے (دین میں) اختلاف کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔ بیشک آپ کا رب قیامت کے روز ان امور کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے وہ انعامات یاد دلائے ہیں جو اس نے بنی اسرائیل پر کئے تھے کہ اس نے رہنے کے لئے ان کو بلاد مصر و شام اور اردن میں عمدہ جگہ دی جو بیت المقدس کے قریب ہے اور ان کو کھانے کے لئے پاکیزہ چیزیں دیں اور ان کو قوم فرعون کے باغوں، چشموں اور خزائن کا وارث بنا دیا۔ گویا قوم بنی اسرائیل جو نہایت کمزور اور عاجز تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی ذلت کو عزت اور فقر و تنگدستی کو مال و دولت اور فراخدستی سے بدل دیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے ساتھ اللہ کا وعدہ پورا ہوا کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا۔ ان انعاماتِ خداوندی کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے لیکن یہ لوگ شکر کی بجائے دین حق کے بارے میں اختلاف کرنے لگے

حالانکہ مذہب میں اختلاف کی کوئی وجہ نہیں تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام احکام صاف صاف بیان کر دیئے تھے۔ بلاشبہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ یہود نے اکہتر (۷۱) فرقے بنائے تھے اور نصاریٰ نے بہتر (۷۲) بنائے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقے بنائے گی جن میں سے صرف ایک ناجی (نجات پانے والا) ہو گا اور باقی سب ناری (دوزخ میں جانے والے) ہوں گے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ وہ ایک کون ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس (طریقہ) پر میں اور میرے اصحاب چل رہے ہیں۔ (ابن کثیر ۴۳۱، ۴۳۲/ ۲)

قرآن کی حقانیت

۹۴، ۹۷ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○

پھر اگر (بالفرض) آپ اس چیز کے بارے میں جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے، شک میں ہوں تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجئے جو آپ سے پہلے کی (نازل شدہ) کتاب پڑھتے ہیں۔ البتہ آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آچکا ہے سو آپ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔ اور نہ ان لوگوں میں سے ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ کہیں آپ بھی خسارہ میں نہ پڑ جائیں۔ یقیناً آپ کے رب کی طرف سے (ازل میں) جن لوگوں کے (ایمان نہ لانے کا فیصلہ ہو چکا وہ کبھی) ایمان نہیں لائیں گے گو ان کے پاس ہر طرح کے معجزے بھی آجائیں۔ جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

تشریح: بعض مفسرین نے یہاں کنت کا مخاطب انسان (یعنی کفار قریش) کو قرار دیا ہے،

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کسی قسم کا شک وشبہ تھا ہی نہیں۔ آپ کے پاس تو وحی آئی تھی، آپ پر قرآن نازل ہوا، اس لئے آپ کا یقین اور ایمان ایسا پختہ اور اٹل تھا کہ اس میں کسی وہم اور شک وشبہ کی گنجائش ہی نہ تھی۔

پس اے انسان اگر تجھے اس قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ ہے جو ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تیری طرف بھیجا ہے تو اپنے شک کو رفع کرنے کے لئے ان لوگوں سے اس کی تحقیق کر لے جو توریت وانجیل کے منصف مزاج عالم ہیں۔ وہ اس قرآن کے کلام الہیٰ ہونے کی تصدیق کر دیں گے اور شہادت دیں گے کہ جس کتاب اور رسول کا وعدہ توریت وانجیل میں کیا تھا وہ یہی قرآن ہے۔ اس میں بیان کئے ہوئے واقعات کسی کے اپنے بنائے ہوئے قصے کہانیاں نہیں ہیں بلکہ یہ توریت وانجیل سے ثابت ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ نے فرمایا کہ یہاں اہلِ کتاب سے وہ اہلِ کتاب مراد ہیں جو ایمان لے آئے تھے، جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی وغیرہ۔

بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک کنت سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ اگر بالفرض آپ کو ان واقعات کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ ہے جو ہم نے آپ پر نازل فرمائے ہیں تو آپ ان کے بارے میں اہلِ کتاب سے تصدیق کر لیں یہ واقعات ان کی کتابوں سے ثابت ہیں اور ان کے نزدیک محقق ہیں۔

اس آیت میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ اگر کسی کو دین کی صداقت میں کوئی شک وشبہ پیدا ہو جائے تو اس کو علماءِ حق کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

پھر فرمایا کہ بلاشبہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس دین حق آچکا ہے جو سابقہ کتب کے مطابق ہے اور اس کا منجانب اللہ ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے۔ لہذا آپ کو شک کرنے اور اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے کی ضرورت نہیں۔ بالفرض اگر آپ نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی تو آپ بھی خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

بلاشبہ جن لوگوں کی تقدیر میں شقاوت لکھی جا چکی ہے اور علمِ الہیٰ میں دوزخی ٹھہر چکے ہیں وہ کسی صورت ایمان نہیں لائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ ہی کے لئے پیدا کیا ہے اگر ان کے پاس ایسی تمام نشانیاں بھی آجائیں جو آپ کی صداقت پر دلالت کر رہی ہوں اور ایمان کی مقتضی ہوں، تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ اپنی آنکھوں سے دردناک

عذاب نہ دیکھ لیں، لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا مفید نہیں ہو گا۔

(ابن کثیر ۲/۴۳۲، مظہری ۵/۵۵،۵۴)

قومِ یونس کا واقعہ

۹۸۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝

پھر (حضرت) یونس کی قوم کے سوا کوئی بستی بھی ایمان نہ لائی کہ اس کا ایمان لانا اس کو نفع دیتا۔ جب (حضرت یونس کی قوم) ایمان لائی تو دنیا کی زندگی میں ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب ہٹا لیا اور ایک مدت تک ہم نے ان کو فائدہ دیا۔

تشریح: سابقہ امتوں میں جن کی طرف سے ہم نے پیغمبر بھیجے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی امت ساری کی ساری ایمان نہیں لائی، سوائے حضرت یونس کی قوم کے۔ صرف حضرت یونس کی قوم ہی ایسی تھی جو عذابِ دنیوی کو دیکھ کر اس کے ڈر سے ایمان لائی اور اس کو اس کے ایمان نے فائدہ پہنچایا۔ فائدہ پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ان پر آئے ہوئے عذاب کو ٹال دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام سرزمینِ موصل میں اہلِ نینوی کی طرف مبعوث ہوئے تھے، جو کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو کفر و شرک ترک کرنے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا اور ان کی تکذیب کی۔ جب ان کا کفر و سرکشی حد سے بڑھ گیا اور حضرت یونس ان کے ایمان سے ناامید ہو گئے تو انہوں نے ان کو خبردار کر دیا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تین دن کے اندر تم پر عذابِ الٰہی نازل ہو گا۔ تیسری شب کو حضرت یونسؑ بستی سے نکل کر چلے گئے۔ صبح ہوتے ہی عذابِ الٰہی کے آثار نمودار ہونے لگے آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے۔ پھر وہ شدید کالے اور دھوئیں کی مانند ہو گئے پھر ان دھواں دھار بادلوں نے ان کی بستی کو ڈھانپ لیا۔

عذاب کے آثار دیکھ کر ان کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ حضرت یونس کو تلاش کیا تو ان کا

کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر اللہ نے ان کے دلوں میں توبہ کا خیال ڈال دیا۔ سب لوگ پھٹے پرانے کپڑے پہن کر عورتوں، بچوں اور مویشیوں کو اپنے ساتھ لے کر باہر میدان میں جمع ہو گئے۔ پھر سب نے صدق دل سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے عذاب دور فرمانے کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا، ان کی توبہ قبول فرمائی اور عذاب جو سامنے آچکا تھا وہ ہٹ گیا۔ اس دن عاشورہ اور جمعہ کا دن تھا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا صرف دنیوی عذاب ہٹا یا عذاب آخرت بھی ہٹ گیا بعض کہتے ہیں کہ ابھی عذابِ الٰہی نازل نہیں ہوا تھا بلکہ صرف اس کے ابتدائی آثار نمودار ہوئے تھے جن کو دیکھ کر قومِ یونس نے صدق دل سے توبہ کی اور ایمان لے آئی۔ ایسے وقت کا ایمان شرعاً معتبر اور نافع ہے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ قومِ یونس عذابِ الٰہی کو دیکھ کر ایمان لائی، جیسے فرعون غرق ہونے کے وقت ایمان لایا۔ عام قاعدے کے مطابق ایسے وقت کا ایمان معتبر نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے قومِ یونس کو اس عام قاعدے سے مستثنیٰ کر دیا اور ان کے ایمان کو معتبر قرار دیا۔ یہ قومِ یونس کی خصوصیت تھی۔ مگر محققین کے نزدیک پہلا قول راجح ہے۔

(روح المعانی ۱۹۱، ۱۹۳ / ۱۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۰۸، ۵۰۹ / ۳)

مشیتِ الٰہی

۹۹، ۱۰۰ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۚ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے۔ کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔ حالانکہ کسی کو قدرت نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے اور اللہ بے عقل لوگوں پر (کفر و ذلت کی) نجاست ڈالتا ہے۔

تُكْرِهُ: تو جبر کرتا ہے۔ تو زبردستی کرتا ہے۔ اِکْرَاهٌ سے مضارع۔

اَلرِّجْسَ: گندگی ۔ ناپاکی ۔ پھٹکار ۔ جمع اَرْجَاسٌ ۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ سب لوگ ایمان لے آئیں اور لوگوں کے ایمان نہ لانے پر آپؐ غمگین ہوتے تھے ۔ اس لئے آپ کی تسلی اور اطمینان خاطر کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ مومن ہو جاتے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت یہ ہے کہ کچھ لوگ ایمان لائیں اور کچھ لوگ اپنے کفر و الحاد پر قائم رہیں ۔ آپ کا کام تو صرف تبلیغ دین کر دینا ہے ۔ اگر یہ ایمان نہیں لائیں گے تو ان کو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے ۔ آپ جبراً کسی کے دل میں ایمان نہیں اتار سکتے بلکہ وہی شخص ایمان لائے گا جس کے نصیب میں یہ سعادت ہوگی اور جو شخص شقی ہے وہ ایمان نہیں لائے گا ۔ لہذا آپؐ اس کی کچھ پرواہ نہ کیجئے کہ وہ ایمان نہیں لاتے ۔

اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان لوگوں کو نوازتا ہے جو عقل و شعور سے کام لیتے اور اس کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں جو لوگ حق و باطل میں تمیز نہیں کرتے بلکہ ہوائے نفسانی کی پیروی کرتے ہیں، اللہ ان کو کفر و شرک کی گندگی میں پڑا رہنے دیتا ہے ۔

قدرت کی نشانیوں میں غور کا حکم

۱۰۱، ۱۰۳۔ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ
وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ
حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ تم غور تو کرو کہ آسمان و زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں اور جو لوگ نہیں مانتے ان کو معجزے اور ڈراوے کچھ فائدہ نہیں دیتے ۔ پھر کیا یہ لوگ ان لوگوں کے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ۔ پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو (عذاب سے) بچا لیتے تھے ۔ اسی طرح اہل

ایمان کو بچالینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ معاندین سے کہہ دیجئے کہ کائنات ہماری نشانیوں سے بھری پڑی ہے۔ جیسے شمس و قمر اور ستارے، ان کی بناوٹ اور مربوط و منظم رفتار، پہاڑ اور ان کی استقامت، بحر و بر اور ان کی وسعتیں، لیل و نہار، ان کا کم و بیش ہونا اور ایک کے بعد دوسرے کا آنا۔ آسمان سے پانی برسنا، سوکھی اور مردہ زمین کا پھر سے زندہ اور سرسبز ہو جانا، درختوں میں پھلوں اور پھولوں کا پیدا ہونا وغیرہ۔ یہ سب اس خدا کی عظمت و قدرت کی نشانیاں ہیں جس کے سوا دوسرا خدا نہیں۔ مگر یہ معاندین ان میں ذرا بھی غور نہیں کرتے۔ حالانکہ غور و فکر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل عطا کی اور اعمالِ خیر بجا لانے کے لئے قدرت و اختیار عطا کیا۔ ایسے لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے قدرت کی نشانیاں اور انبیاء و رسل کی ہدایات کچھ نفع نہیں دیتیں۔ یہ لوگ تو ویسے ہی عذاب کے منتظر ہیں جیسے عذاب سے قومِ نوح، قومِ عاد اور قومِ صالح وغیرہ کو سابقہ پڑا اور اپنے کفر و شرک کا جو مزہ ان سابقہ اقوام نے چکھا، یہ بھی چاہتے ہیں کہ اپنے کفر کا ویسا ہی مزہ چکھیں۔

پس آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم وقت کا انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر جب انتظار کا وقت ختم ہونے پر عذابِ الٰہی آئے گا تو اس سے صرف منکرین ہلاک ہوں گے اور ہم اپنے پیغمبروں اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالیں گے، جیسا کہ ہم نے گزشتہ زمانے میں سابقہ امتوں کے ساتھ کیا تھا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ انبیاء کی پیروی اور ایمان کی برکت سے لوگوں کو نجات ملی۔ (ابن کثیر ۴۳۳، ۴۳۴ / ۲، مواہب الرحمن ۲۱۶، ۲۱۹ / ۱۱)

دینِ اسلام کی حقانیت

۱۰۴، ۱۰۷۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ

فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں شک ہے تو خدا کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومن ہو کر رہوں اور یہ کہ اپنے آپ کو یکسو ہو کر دین کی طرف متوجہ رکھنا اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو ہرگز نہ پکارنا جو نہ تجھے نفع دے سکتی ہوں اور نہ نقصان۔ پھر اگر (بالفرض) آپ نے ایسا کیا تو بیشک آپ بھی اس وقت ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچادے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ آپ کے لئے کوئی بھلائی چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل فرما دیتا ہے اور وہی بہت مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

وَجْهَکَ: تیرا چہرہ۔ تیرا رخ۔

حَنِیْفًا: ایک طرف ہونے والا۔ یک سو ہونے والا۔ حُنْفٌ سے صفت مشبہ۔

یَمْسَسْکَ: وہ تجھ کو مس کرے گا۔ وہ تجھ کو چھوئے گا۔ وہ تجھ کو پہنچائے گا۔ مَسٌّ سے مضارع۔

کَاشِفَ: کھولنے والا۔ دور کرنے والا۔ کَشْفٌ سے اسم فاعل۔

رَآدَّ: رد کرنے والا۔ ہٹانے والا۔ رَدٌّ سے اسم فاعل۔

ربط: سورت کی ابتداء سے یہاں تک اصولِ دین، توحید و رسالت، حشر و نشر، قیامت اور دینِ اسلام کی حقانیت کو روشن دلائل سے واضح اور ثابت کیا گیا۔ اہلِ مکہ کی نظر میں نبوت بہت ہی بعید از فہم چیز تھی۔ اگرچہ وہ لوگ آیاتِ بینات کو دیکھ کر ماننے پر مجبور تھے، مگر فطری شقاوت و بدبختی کی وجہ سے شک و تردد میں پڑے ہوئے تھے۔

تشریح: یہاں آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان مشرکین مکہ سے علی الاعلان فرما دیجئے کہ

اگر تمہیں میرے اس روشن دین کی صحت کے بارے میں اب بھی شک اور تردد ہے تو تم اس میں غور و فکر کر کے اپنا شک و تردد دور کر لو، مگر تم اس خیالِ خام میں نہ رہنا کہ میں تمہارے باطل اور مہمل دین کو قبول کر لوں گا۔ میں تو تمہارے دین اور ان فرضی معبودوں سے سخت بیزار ہوں جو کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں۔ میں تو اس خدائے واحد اور قادرِ مطلق کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری موت و حیات کا مالک ہے۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ:

۱۔ میں اس خدا کے ماننے والوں میں شامل رہوں جو نفع و نقصان اور موت و حیات کا مالک ہے۔

۲۔ میں دینِ اسلام اور توحیدِ خالص پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہوں۔

۳۔ میں شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ بنوں۔

۴۔ میں اللہ کے سوا کسی ایسی چیز کو نہ پکاروں جو نہ مجھے نفع دے سکے اور نہ نقصان اگر میں نے ایسا کیا تو بلاشبہ میں بھی ظالموں یعنی اللہ کی حق تلفی کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

پھر فرمایا کہ خوب جان لو کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر وہ کسی کو تکلیف یا بیماری یا محتاجی میں مبتلا کر دے تو اس کے سوا کوئی اس تکلیف یا بیماری کو دور کرنے والا نہیں۔ اگر وہ کسی کو فائدہ پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل فرماتا ہے۔ وہی خطاؤں کو بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ بندوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے فضل کو نہیں روکتا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۳/۳)

اتمامِ حُجت

۱۰۸، ۱۰۹۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آچکا ہے ۔ پس جو کوئی ہدایت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے کرتا ہے اور جو شخص گمراہ رہے گا تو اس کا گمراہ رہنا (گمراہی کا وبال) اسی پر پڑے گا اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں اور جو کچھ آپ پر وحی کیا گیا ہے آپ اسی کی اتباع کیجئے اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کو بتا دیجئے کہ اللہ کے نبی کے ذریعہ دینِ حق ان کے پاس پہنچ چکا ہے اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہو چکی ہے ۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی گمراہی کا کوئی عذر اور حیلہ بہانہ پیش نہیں کر سکتے ۔ اگر وہ اس دینِ حق کی اتباع کریں اور اس پر عمل کریں تو اس میں انہیں کا فائدہ ہے اور اگر وہ اپنے کفر پر اڑے رہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اتباع نہ کریں تو اس گمراہی کا خمیازہ بھی وہی بھگتیں گے ۔ رسول کا کام تو خبردار کر دینا ہے وہ کوئی خدائی فوجدار نہیں کہ ان کو زبردستی مومن بنادے، ہدایت دینا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے ۔

پھر آپ کی تسلی اور اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ آپ تو اس کی پیروی کرتے رہئے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہئے، خواہ کوئی مانے یا نہ مانے ۔ اگر یہ معاندین آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں اور آپ کی عداوت اور ایذا رسانی پر قائم رہیں تو آپ اس پر صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے کہ حق کو غالب کردے اور کفر کو ذلیل و خوار کردے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے کیونکہ وہ ظاہر و باطن، ماضی و حال اور استقبال سب سے پوری طرح باخبر ہے ۔ اس کے فیصلے میں بھول چوک یا کمی بیشی اور غلطی کا امکان نہیں ۔ (معارف القرآن از مولانا ادریس کاندھلوی ۵۱۴، ۵۱۵ / ۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ ہود

وجہ تسمیہ: اس سورت میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، اسی لئے یہ ان کے نام سے موسوم ہوئی۔

تعارف: اس میں دس رکوع، ایک سو تیئیس آیتیں، ۱۹۳۶ کلمات اور ۷۹۲۴ حروف ہیں

یہ سورت مکہ معظمہ میں اس زمانے میں نازل ہوئی جب جہالت و بت پرستی کا بازار گرم تھا۔ اللہ کی عبادت کرنے والوں پر نہ صرف انگلیاں اٹھتی تھیں بلکہ ان کو تشدد کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ بعض دوسری سورتوں کی طرح اس میں بھی گزشتہ قوموں پر نازل ہونے والے قہرِ الٰہی، مختلف قسم کے عذابوں، قیامت کے ہولناک واقعات اور جزا و سزا کا ذکر خاص انداز میں آیا ہے۔

ترمذی، ابن المنذر، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں کچھ بال سفید ہو گئے تو (حضرت) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (اظہارِ رنج کے طور پر) عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بوڑھے ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! مجھے سورۂ ہود و واقعہ، والمرسلت و عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر بڑھاپا جلد آگیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں مجھے سورۂ ہود اور اس کی بہنوں الواقعہ، القارعہ، الحاقہ، اذا الشمس کورت، سال سائل نے بوڑھا کر دیا۔ (روح المعانی ۲۰۲ / ۱۱)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اس رکوع میں پہلے قرآن کی حقانیت اور عظمت و شرف بیان کیا گیا ہے۔ پھر یہ بتایا گیا کہ اللہ کا علم کامل اور ہمہ گیر ہے۔ وہ تمام مخلوق کے رزق کا ذمہ دار ہے، خواہ وہ مخلوق چھوٹی ہو یا بڑی، خشکی میں رہتی ہو یا تری میں، وہ سب کے ٹھکانوں سے واقف ہے۔ آخر میں اس کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔

رکوع ۲: پہلے انسانی فطرت، کفار کی ناشائستہ باتوں اور ان کے باطل زعم کا بیان ہے۔ اس کے بعد اہلِ دنیا اور اہلِ آخرت کا موازنہ اور مفتریوں کی فضیحت و رسوائی کا بیان ہے۔ آخر میں اہلِ ایمان کا حال و مآل بتایا گیا ہے۔

رکوع ۳: حضرت نوحؑ کے واقعہ میں منکرین کی جہالت آمیز گفتگو اور حضرت نوح کا جواب، آخر میں قومِ نوح کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے۔

رکوع ۴: اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم اور قوم کی طرف سے ان کا تمسخر اڑانے کا بیان ہے۔ پھر عذابِ الٰہی کی آمد اور حضرت نوحؑ کی طرف سے اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت نوح کا اپنے بیٹے کو سمجھانا اور اللہ کی طرف سے زمین کا پانی نگلنے کا حکم مذکور ہے۔ آخر میں حضرت نوحؑ کی دعاء اور ان کو کشتی سے اترنے کا حکم ہے۔

رکوع ۵: حضرت ہودؑ کے واقعہ میں، قوم کو حضرت ہود کی نصیحت اور قوم کا جواب۔ قوم عاد پر عذاب کا آنا اور آخر میں اہلِ عرب کو قوم عاد کے حال سے عبرت پکڑنے کی نصیحت مذکور ہے۔

رکوع ۶: حضرت صالحؑ کے واقعہ میں حضرت صالح اور قوم کے درمیان گفتگو۔ پھر حضرت صالح کی دعاء سے معجزے کے طور پر پتھر سے اونٹنی کا پیدا ہونا۔ پھر قوم کی نافرمانی اور ان پر عذاب کا ذکر ہے۔

رکوع ۷: حضرت ابراہیمؑ کے مہمان فرشتوں کا کھانے سے انکار، پھر قومِ لوط کا واقعہ اور قوم کو حضرت لوط کی دھمکی۔ آخر میں حضرت لوط کو فرشتوں کی تسلی اور قوم پر عذاب کا آنا

بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۸: حضرت شعیبؑ کا واقعہ۔ حضرت شعیب کو قوم کا جواب۔ آخر میں قوم کی ہٹ دھرمی اور ان پر عذابِ الٰہی کا بیان ہے۔

رکوع ۹: فرعون کا انجام اور انبیاء کے واقعات بیان کرنے کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ آخر میں کفر و تکذیب کا انجام اور اہل محشر کی قسمیں مذکور ہیں۔

رکوع ۱۰: شروع میں احکامِ شریعت میں اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ پھر احکامِ الٰہی پر استقامت اور اقامتِ صلوۃ کی تاکید ہے۔ آخر میں سابقہ امم کی ہلاکت کے ظاہری اور باطنی اسباب کا بیان ہے۔

قرآن کی حقانیت

۱-۴ الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ
○ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ ○ وَّاَنِ
اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی
اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّیُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ
اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ ○ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ ۚ
وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○

الر۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں ایک حکیم (اور) باخبر کی طرف سے مستحکم کی گئی ہیں اور پھر مفصل بیان کی گئی ہیں۔ یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں اس اللہ کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اسی کی طرف متوجہ رہو تاکہ وہ تمہیں ایک مقررہ مدت تک ایک اچھا فائدہ پہنچائے اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے اور اگر تم نہ مانو گے تو مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اُحْكِمَتْ: مضبوط کی گئی۔ ثابت کی گئی۔ اِحْكَامٌ سے ماضی مجہول۔ یہاں یہ معنی ہیں کہ کلام کو ایسا درست کرنا جس میں کسی لفظی اور معنوی غلطی یا فساد کا احتمال نہ رہے

لَدُنْ: نزدیک۔ طرف۔ پاس۔ ظرف مکان ہے۔

نَذِيْرٌ: یہ لفظ ڈرانے والے دشمن یا درندے یا دوسرے نقصان پہنچانے والوں کے لئے نہیں بولا جاتا بلکہ یہ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو اپنے کسی عزیز کو شفقت و محبت کی بنا پر ایسی چیزوں سے ڈرائے اور بچائے جو اس کے لئے دنیا یا آخرت یا دونوں میں نقصان پہنچانے والی ہوں۔ (معارف القرآن ۵۸۵ / ۴)

يُمَتِّعْكُمْ: وہ تمہیں فائدہ پہنچائے گا۔ تَمْتِيْعٌ سے مضارع۔

مُسَمًّى: معین۔ مقرر کیا ہوا۔ نام رکھا ہوا۔ تَسْمِيَةٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: الٓرٰ۔ اس طرح کے حروف قرآن مجید کی بعض سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ جیسے الٓمّٓ، حٰمٓ، صٓ، عٓسٓقٓ وغیرہ۔ ان کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں۔ یہ خاص رموز ہیں۔ ان کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ ہمارے لئے اتنا کافی ہے کہ ہم ان الفاظ کو کلام خداوندی سمجھیں اور ان کے معنی اور تاویل میں نہ پڑیں۔

یہ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو ایسا محکم و مضبوط بنایا گیا ہے کہ ان میں کسی لفظی اور معنوی نقص، غلطی یا فساد کا احتمال نہیں۔ اس کے امور ایسے ہیں کہ ہر عقل سلیم اور فہم مستقیم ان کو تسلیم کرتی ہے۔ مجموعی حالت کے اعتبار سے تو یہ کتاب مستحکم تھی ہی، تفصیلی اعتبار سے بھی اس کے احکام کو اچھی طرح کھول کر واضح اور صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے آئی ہے جو حکیم بھی ہے اور باخبر بھی۔ وہ ذات ایسی ہے جس کے ہر فعل میں اتنی حکمتیں ہیں کہ انسان کے لئے ان کا احاطہ کرنا محال ہے۔ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ کے موجودہ اور آئندہ پیش آنے والے حالات سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہ ان سب پر نظر کر کے احکام نازل فرماتا ہے۔

قرآن حکیم میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں ان میں سب سے اہم اور مقدم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت و پرستش نہ کی جائے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب

کرکے فرمایا کہ آپ سارے جہان کے لوگوں کو کہہ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ڈرانے والا بشارت دینے والا ہوں۔ میں نافرمانی اور اپنی ناجائز خواہشات کا اتباع کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کرنے والوں کو آخرت کی نعمتوں اور دونوں عالم کی راحتوں کی خوشخبری دیتا ہوں۔

اس کتاب محکم کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت اور معافی مانگو اور توبہ کرو۔ مغفرت کا تعلق گزشتہ گناہوں سے ہے اور توبہ کا تعلق آئندہ ان کے پاس نہ جانے کے عہد سے ہے۔ حقیقت میں توبہ یہی ہے کہ گزشتہ گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی مانگے اور آئندہ ان کے نہ کرنے کا پختہ عزم و ارادہ کرے اور ہمہ تن اس کی اطاعت اور اعمالِ صالحہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

ایمان اور عملِ صالح کی برکت سے اللہ تعالیٰ ایک مقررہ وقت تک تمہیں سکون و اطمینان بھی عطا فرمائے گا اور تمہارے رزق میں برکت بھی عطا فرمائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا **يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا** کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمت پر شکر کی اور بلا پر صبر کی توفیق عطا فرمائے گا، جس سے تم ہر حال میں خوش رہو گے اور دنیا والوں کی طرح دنیا کے دیوانے نہیں بنو گے۔ یہ مرتبہ ایمان اور عمل صالح کی برکت سے ہی میسر آتا ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ اجر عطا کرے گا اور ہر حال میں اس کا فضل اور انعام بندے کے عمل سے زیادہ رہے گا۔

اور اگر تم نے اس نصیحت و خیر خواہی سے منہ موڑا اور پچھلے گناہوں سے استغفار اور آئندہ ان سے بچنے کا اہتمام نہ کیا تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ تم ایک بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ دنیا میں تم کچھ بھی کرو اور کسی طرح بھی زندگی بسر کرو مگر آخر کار مرنے کے بعد تمہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے اور ثواب و عتاب دینے پر قادر ہے۔ اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ مرنے اور خاک ہو جانے کے بعد وہ تمہارے ذرات کو جمع کرکے تمہیں از سرِ نو انسان بنا کر کھڑا کر دے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۸۴، ۵۸۷ / ۴، روح المعانی ۲۰۳، ۲۰۸ / ۱۱)

اللہ تعالیٰ کا علمِ محیط

۵۔ اَلَاۤ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

دیکھو وہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تاکہ (اپنی باتیں) اس سے چھپائیں۔ یاد رکھو! جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں (اس وقت بھی) وہ سب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا کر کرتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کر کے کرتے ہیں۔ بیشک وہ دلوں کے بھیدوں سے بھی خوب واقف ہے۔

يَثْنُوْنَ: وہ لپیٹتے ہیں۔ وہ دہرا کرتے ہیں۔ ثَنْیٌ سے مضارع۔

يَسْتَخْفُوْا: وہ چھپ جاتے ہیں۔ وہ آڑ کرتے ہیں۔ اِسْتِخْفَافٌ سے مضارع۔

يَسْتَغْشُوْنَ: وہ لپیٹتے ہیں۔ وہ ڈھانپتے ہیں۔ اِسْتِغْشَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں۔ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ اور اس کے گزشتہ، موجودہ اور آئندہ حالات و کیفیات سے باخبر ہے۔

مشرکین اور بعض منافقین یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے گھر کے دروازے بند کر کے ان پر پردے ڈال لیں اور اپنے کپڑوں میں اپنے آپ کو چھپالیں اور اپنے سینے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت رکھیں تو ہمارے اس راز کو کون جان سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو! تحقیق یہ کافر اپنے سینوں کو دہرا کرتے ہیں، یعنی حق سے انحراف کرتے ہیں، تاکہ اپنے دلوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کو چھپالیں اور پھر اوپر سے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ سے چھپ جائیں۔ آگاہ ہو جاؤ! جب وہ تاریک رات میں اپنے آپ کو کپڑوں میں لپیٹ لیتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس کو جو کچھ وہ سینوں میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ زبانوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس کے علم میں ظاہر و باطن یکساں ہے۔ بلاشبہ وہ سینوں میں پوشیدہ بھیدوں کو خوب جانتا ہے۔ پس جس خدا پر تمہارے سینے کی بات مخفی نہیں اس پر تمہاری زبانوں کی باتیں کیسے مخفی رہ سکتی ہیں۔ وہ تو تمہیں پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے پہلے ہی تم سے خوب آگاہ تھا۔ پس کفار و مشرکین کو چاہئے کہ وہ اپنے خالق و

مالک کو پہچانیں او اس کے احکام پر عمل کریں اور اپنے کفر پر اصرار نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ہمہ گیر علم

۶۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور زمین پر چلنے والا کوئی بھی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ان کے رہنے اور سونپے جانے کی جگہ (بھی) جانتا ہے۔ سب کچھ کتاب مبین میں ہے۔

دَآبَّةٍ: چلنے والا۔ چوپایہ۔ دَبٌّ و دَوَابٌّ سے اسم فاعل۔ یہ ہر اس جانور کے لئے بولا جاتا ہے جو زمین پر چلے۔ پرندے جانور بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ ان کا آشیانہ بھی کہیں زمین پر ہی ہوتا ہے۔ دریائی جانوروں کا تعلق زمین سے ہونا کچھ مخفی نہیں۔

مُسْتَقَرَّهَا: اس کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسم ظرف مکان۔

مُسْتَوْدَعَهَا: اس کی پناہ کی جگہ۔ اس کے سونپنے کی جگہ۔ اِسْتِيْدَاعٌ سے اسم ظرف مکان۔

رِزْقُهَا: اس کا رزق۔ اس کی روزی۔ لغت میں اس چیز کو رزق کہا جاتا ہے جس سے جاندار اپنی غذا حاصل کرے اور جس کے ذریعہ اس کی روح کی بقا اور جسم میں فربہی اور بڑھوتری ہوتی ہے۔ (معارف القرآن ۵۹۰ / ۴)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوق پیدا کی ہے وہ سب کے رزق کا ذمہ دار ہے۔ خواہ وہ مخلوق چھوٹی ہو یا بڑی، خشکی میں رہتی ہو یا تری میں، وہ سب کو رزق پہنچاتا ہے اور سب کے چلنے پھرنے، آنے جانے اور ٹھہرنے، رہنے بسنے اور مرنے کے وقت اور مقام کو جانتا ہے۔ جو کچھ دریاؤں کی تہوں اور زمین کی تاریکیوں میں ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اس کے علم میں نہ ہو۔ اگر کوئی پتہ کہیں جھڑتا ہے تو وہ بھی اس کے علم میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مستقر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں دن رات جاندار رہتا ہے اور ادھر ادھر گھوم پھر کر اسی جگہ آکر ٹھہرتا ہے اور مستودع سے مراد دفن

ہونے کی جگہ ہے۔ (مظہری ۶ / ۵)

حاکمؒ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی موت کسی زمین میں مقدر ہوگی تو کوئی ضرورت اس کو وہاں جانے پر مجبور کر دے گی یہاں تک کہ جب وہ انتہائے مقام پر پہنچ جائے گا تو اس کی روح وہاں قبض کرلی جائے گی۔ پس قیامت کے روز زمین عرض کرے گی کہ یہ ہے وہ جو تو نے مجھے سونپا تھا۔ (مواہب الرحمن ۱، ۲ / ۱۲)

ہر جاندار کا حال اور اس کا رزق کتاب مبین یعنی لوحِ محفوظ یا اعمال لکھنے والے فرشتوں کے کتابچوں میں لکھا ہوا ہے۔ حضرت ابو درداء کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ہر بندے کی پانچ باتیں لکھ چکا ہے۔ ۱۔ مدتِ زندگی، ۲۔ اعمال، ۱۔ مقامِ موت، ۴۔ آثار، ۵۔ رزق۔ (مظہری ۶، ۷ / ۵)

قدرتِ کاملہ

۷، ۸۔ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّکُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ○ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓی اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ○

اور اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنا دیا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔ تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھا عمل کرنے والا کون ہے۔ اور اگر آپ ان سے کہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے تو البتہ کافر کہنے لگیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے اور ایک مقررہ مدت تک ہم ان سے عذاب روکے رکھیں تو وہ کہنے لگیں گے کہ اس کو کس نے روک رکھا ہے۔ دیکھو جس دن وہ (عذاب) ان پر آپڑے گا تو پھر کسی

کے ٹالے نہ ٹلے گا اور وہی چیز ان کو گھیرلے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اُمَّۃٍ: قرآن و حدیث میں امت کا لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہے۔

۱۔ یہاں اس سے مراد مدت ہے۔ سورۂ یوسف کی آیت ۴۵ **وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ** (اور یاد کیا مدت کے بعد) میں بھی امت کے معنی مدت کے ہیں۔

۲۔ یہ لفظ امام اور مقتدا، کے معنی میں بھی آیا ہے، جیسے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں آیا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا بیشک ابراہیم یکسو ہو کر اللہ کی فرماں برداری کرنے والا پیشوا تھا۔ (سورۂ نحل۔ آیت ۱۲۰)۔

یہ لفظ دین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے:

۳۔ **اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ**

(سورۂ زخرف، آیت ۲۳)

بیشک، ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم انہیں کے نقوش قدم پر چل رہے ہیں۔

یہ ملت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:

۴۔ **وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ**۔ ہر امت کا ایک رسول ہے (سورۂ یونس، آیت ۴۷)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا۔ اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے ہیں۔ (سورۂ نحل، آیت ۳۶)

۵۔ یہ لفظ فرقے اور گروہ کے لئے بھی آتا ہے۔ جیسے:

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ (سورۂ اعراف، آیت ۱۵۹)

اور موسیٰ کی قوم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی راہ بتاتے ہیں۔

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ۔

(سورۂ آل عمران، آیت ۱۱۳)

اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راتوں کو کھڑے ہوئے اللہ کی آیتیں پڑھتے رہتے ہیں۔

يَحْبِسُهٗ: وہ اس کو محبوس کرتا ہے۔ وہ اس کو روکتا ہے۔ حَبْسٌ سے مضارع۔

مَصْرُوْفًا: لوٹایا ہوا۔ پھیرا ہوا۔ صَرْفٌ سے اسم مفعول۔
حَاقَ: اس نے گھیر لیا۔ وہ نازل ہوا۔ حَیْقٌ و حُیُوْقٌ سے ماضی۔
تشریح: اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ تم اس کے رزاق ہونے کا کیسے انکار کر سکتے ہو، اسی نے تو آسمانوں اور زمین کو ان کی تمام موجودات کے ساتھ چھ روز میں پیدا کیا۔ وہی آسمان سے پانی برساتا اور اس کے ذریعہ مخلوق کے لئے زمین سے روزی پیدا کرتا ہے۔ پھر آفتاب کی گرمی سے کھیتیاں پکتی ہیں۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے اس کا عرش عظیم پانی پر تھا۔

ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے قبل کہاں تھا؟ آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس وقت ابر میں تھا جس کے نیچے بھی ہوا تھی اور اوپر بھی ہوا تھی۔ پھر اس نے اپنا عرش پانی پر بنایا۔ (مسند احمد ۴ / ۵۸۳)

اس روایت کو ابن ماجہ، ابن جریر، ابن منذر، بیہقی اور ابو داؤد طیالسی نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ (روح المعانی ۵ / ۱۲)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہلِ یمن نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اس بارے میں بتایئے کہ اس دنیا کی تخلیق کیسے ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی تخلیق سے قبل بھی موجود تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے۔ (مسند احمد ۵۹۶ / ۵)

اس روایت کو بخاری، ترمذی اور نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔
(روح المعانی ۹ / ۱۲)

آسمان و زمین اور عرش و پانی پیدا کرنے کے بعد اس نے تمہیں پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال والا ہے۔ عمل احسن وہ ہوتا ہے جس میں خلوص اور شریعتِ محمدیہ کی تابعداری ہو۔ ان دونوں باتوں میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل بے کار اور غارت ہے۔

پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ان کافروں سے کہیں کہ مرنے کے بعد قیامت کے روز تم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے تو یہ جواب دیں گے کہ دوبارہ زندہ کیا جانا تو جادو کی مانند دھوکہ اور فریب ہے، جس کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ حالانکہ جس نے ان کو پہلی بار

پیدا کیا وہی ان کو دوبارہ بھی پیدا کرے گا، کیونکہ پہلی دفعہ پیدا کرنے کے مقابلے میں دوبارہ پیدا کرنا بہت آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۔

(سورۃ الروم۔ آیت ۲۷)

اسی نے شروع میں پہلی بار پیدا کیا، وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر نہایت ہی آسان ہے۔

اگر ہم ان منکروں سے اس عذاب و مواخذہ میں کچھ دیر لگا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے اور اس عذابِ موعود کو کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر ایک مقررہ مدت کے لئے ملتوی رکھیں تو یہ لوگ تمسخر کے طور پر کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں جس عذاب کے ہم مستحق ہیں اس کو نازل ہونے سے کس چیز نے روک رکھا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! جب وہ عذابِ موعود ان پر آجائے گا تو پھر وہ کسی طرح بھی ان سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ جس عذاب کا یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں وہ لامحالہ ان پر واقع ہو کر رہے گا، کیونکہ یہ لوگ اس کے مستحق ہیں۔

(ابن کثیر ۲/۴۳۷)

انسانی فطرت

۹۔۱۱۔ وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۚ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ○ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ○ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ○

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھا کر پھر اس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان مصیبتوں کے بعد جو اس پر واقع ہوتی ہیں، ہم اس کو نعمتوں کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میری سختیاں جاتی رہیں۔ بیشک وہ اترانے والا شیخی خورہ ہے۔ مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اچھے کام کرتے رہے، انہیں کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

نَزَعْنٰھَا: ہم نے اس کو باہر نکالا۔ نَزْعٌ سے ماضی۔

لَيَئُوْسٌ: البتہ ناامید۔ البتہ مایوس۔ یَأْسٌ سے صفت شبہ۔

نَعْمَآءَ: نعمتیں۔ انعام۔ مراد راحت و آسائش۔

صَبَرُوْا: انہوں نے صبر کیا۔ صبر کے معنی ہیں باندھنا۔ روکنا۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں نفس کو اس کی ناجائز خواہشات سے روکنے کا نام صبر ہے۔ (معارف القرآن ۵۹۸ / ۴)۔

تشریح: انسان فطرتاً جلد باز اور موجودہ حالت کو سب کچھ سمجھنے کا عادی ہے۔ وہ سابقہ حالت میں غور و فکر نہیں کرتا اور نہ ان کو یاد رکھنے کا عادی ہے۔ اسی لئے اگر نعمت کے بعد تکلیف آجائے تو وہ رحمت سے ناامید ہو کر ناشکری کرنے لگتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ جس ذات نے پہلے نعمت دی تھی وہ پھر بھی دے سکتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کو مصیبت و تکلیف کے بعد کوئی راحت و نعمت مل جائے تو اس پر اللہ کی طرف رجوع ہونے اور اس کا شکر کرنے کی بجائے اور زیادہ اکڑنے اور اترانے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ نعمت تو اس کا حق ہے جو اسے ملنا ہی چاہئے اور یہ نہیں سوچتا کہ جس طرح پہلی حالت یعنی تکلیف و مصیبت کی حالت باقی نہیں رہی اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نعمت و راحت کی حالت بھی باقی نہ رہے۔

انسان کے ماضی و مستقبل کو بھول جانے کا عالم یہ ہے کہ ایک صاحبِ اقتدار کے خاک و خون پر دوسرا شخص اپنے اقتدار کی بنیاد استوار کرتا ہے اور کبھی اس پر غور نہیں کرتا کہ اس سے پہلے والا صاحبِ اقتدار بھی اسی طرح رہا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی حالت کی اصلاح کے لئے کتابیں نازل فرمائیں اور اپنے پیغمبر بھیجے جو انسان کو ماضی کے عبرتناک واقعات کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ عقل مند کا کام یہ ہے کہ فانی اور ناپائیدار مادی اسباب پر فریفتہ نہ ہو بلکہ اسباب سے زیادہ مسبب الاسباب کی طرف نظر کرے اور اسی سے اپنا رشتہ مضبوط کرے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اکثر لوگ مصیبت میں بے صبرے اور نعمت میں ناشکرے ہو جاتے ہیں۔ اس عام کمزوری سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو مصیبت اور زوال نعمت کے وقت صبر سے کام لیتے ہیں اور عطائے نعمت کے وقت شکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور روزِ قیامت کے خوف سے ہر اس چیز سے پرہیز کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہو اور ایسے عمل کی طرف

دوڑتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کا باعث ہو۔ ایسے ہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کی خطائیں بخش دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ قیامت کے روز ان کو اپنے نیک اعمال کا بہت بڑا بدلہ ملے گا۔ (معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع ۵۹۷، ۵۹۸ / ۴)

کفار کی ناشائستہ باتیں

۱۲، ۱۴۔ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۚ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ○ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ○

پھر کیا جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ آپ اس میں سے کچھ ترک کر دیں گے اور کیا ان کے یہ کہنے سے کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہ اترا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا، آپ کا دل تنگ ہو گا۔ آپ تو محض خبردار کرنے والے ہیں اور ہر شئے پر پورا اختیار تو اللہ ہی کا ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے اس (قرآن) کو خود بنا لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم بھی ایسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ اور (اس کام میں) اللہ کے سوا جس سے چاہو مدد بھی لے لو اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔ پھر اگر (یہ کفار) تم لوگوں کا کہنا پورا نہ کر سکیں تو جان لو کہ (یہ قرآن) اللہ ہی کے علم سے نازل ہوا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو پھر اب بھی تم مسلمان ہوتے ہو یا نہیں۔

لَعَلَّكَ : شاید تو۔

ضَائِقٌ : تنگ ہونے والا۔ ضَيْقٌ وضِيْقٌ سے اسم فاعل۔

صَدْرُكَ : تیرا سینہ۔ جمع صُدُوْرٌ

کَنْزٌ: خزانہ۔ جمع کرنا۔ ذخیرہ کرنا۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

مَلَکٌ: فرشتہ۔ اسم جنس۔ جمع مَلَائِکَۃٌ۔

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ مشرکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ کوئی ایسا قرآن پیش کریں جس میں ہمارے معبودوں کو برا نہ کہا گیا ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۹/۵)

تشریح: مشرکینِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے۔ کبھی کہتے کہ اگر یہ رسول ہے تو کھانے پینے کا محتاج کیوں ہے؟ کبھی کہتے کہ یہ بازاروں میں کیوں آتا جاتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترا جو اس کے نبی ہونے کی تصدیق کرتا؟ اسے کوئی خزانہ کیوں نہیں دیا گیا؟ اس کے کھانے کے لئے کوئی خاص باغ کیوں نہیں بنایا گیا؟ یہ منکرین مسلمانوں سے کہتے کہ تم ایسے شخص کے پیچھے ہوئے جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کی ناشائستہ باتوں سے ملولِ خاطر اور آزردہ دل نہ ہوں بلکہ آپ اپنے کام سے کام رکھئے۔ ان کو دعوتِ حق دیتے رہئے، آپ کے ذمہ تو صرف خبردار کرنا اور احکامِ خداوندی پہنچانا ہے۔ آپ سے پہلے رسول بھی اسی طرح جھٹلائے گئے اور ستائے گئے پھر بھی وہ ثابت قدم رہے یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آگئی۔ آپ بھی ان کی بدزبانی اور ناشائستہ باتوں کی پرواہ نہ کیجئے اور اپنا کام اللہ کے سپرد کر دیجئے۔ وہی کارساز اور ہر کام بنانے والا ہے۔

مشرکینِ مکہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی وحی نہیں بلکہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا کلام ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم بھی تو اہلِ زبان ہو، فصاحت و بلاغت میں کوئی تمہاری برابری نہیں کر سکتا۔ تمہیں بھی ایسا کلام بنانے پر قدرت حاصل ہوئی چاہئے۔ سو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم اس قرآن جیسی دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو چاہو اس کام میں مدد کے لئے اپنے ساتھ شامل کر لو۔ مگر تم تو کیا ساری دنیا مل کر بھی ایسا نہیں کر سکتی اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جس طرح اس کی ذات مثال سے پاک ہے، اسی طرح اس کی صفتیں بھی بے مثال ہیں۔ لہٰذا مخلوق کے کلام کا اس کے کلام کی مانند ہونا محال ہے۔ سو تم یقین کر لو کہ یہ حقیقت میں اللہ ہی کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس کیا تم مسلمان ہوتے ہو یا اب بھی اپنی سرکشی پر قائم رہو گے۔ (ابن کثیر ۴۳۹/۲)

اہلِ دنیا کا زعمِ باطل

۱۶،۱۵۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے تو ہم ان کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا کر دیتے ہیں اور ان کو اس میں کچھ نقصان نہیں دیا جاتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا وہ سب برباد ہوا اور (حقیقت میں) جو کچھ وہ کر رہے ہیں (اب بھی) وہ بے اثر ہے۔

نُوَفِّ: ہم پورا پورا دیں گے۔ تَوْفِيَةٌ سے مضارع۔

يُبْخَسُوْنَ: وہ کم کئے جائیں گے۔ بَخْسٌ سے مضارع۔

حَبِطَ: وہ کھو گیا۔ وہ غارت ہوا۔ وہ ضائع ہوا۔ حَبْطٌ سے ماضی۔

صَنَعُوْا: انہوں نے بنایا۔ انہوں نے کیا۔ صَنْعٌ سے ماضی۔

تشریح: جب منکرینِ اسلام کو عذاب کی وعیدیں سنائی جاتیں تو وہ جواب میں کہتے کہ ہم تو بڑے بڑے کام کرتے ہیں مثلاً خیرات و صدقات، خدمتِ خلق و رفاہِ عام، غریب پروری، صلہ رحمی اور مہمان نوازی وغیرہ اس لئے قیامت کے روز ہمیں کوئی عذاب نہیں ہو گا بلکہ ان نیک کاموں کا ثواب ملے گا۔

ان کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ جو شخص صرف دنیا کی زندگی اور اس کی رونق کا متمنی ہو اور آخرت پر نظر نہ کرے تو ہم اس کو دنیا ہی میں اس کے نیک اعمال کا پورا پورا بدلہ دے دیتے ہیں، جو مال و دولت، عزت و شرف اور کثرتِ اولاد کی شکل میں ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ انہوں نے دنیا میں جو اعمال کئے تھے وہ چونکہ حصولِ دنیا اور نام و نمود کے لئے کئے تھے اس لئے آخرت کے اعتبار سے وہ سب برباد اور اکارت ہو گئے۔ اس کے برعکس مومن چونکہ آخرت کا طلب گار ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو اس کے اعمال

کا بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے اور دنیا میں بھی اس کی نیکیاں اس کے کام آتی ہیں ۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ

(سورۂ شوریٰ ۔ آیت ۲۰)

جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہو تو ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں برکت عطا فرما دیتے ہیں اور جس کا ارادہ دنیا کی کھیتی کا ہو تو اگرچہ ہم اس کو دنیا میں کچھ حصہ دے دیں گے، لیکن اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہو ۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ○ (بنی اسرائیل ۔ آیت ۱۸ ۔ ۲۱)

جو شخص دنیا کا طالب ہو، ہم اس کو اسی میں جلد دے دیتے ہیں، جتنا چاہیں اور جسے چاہیں ۔ پھر اس کا ٹھکانا دوزخ ہوتا ہے جہاں وہ ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوتا ہے اور جو آخرت کا طالب ہوتا ہے اور وہ اس کے لئے پوری کوشش کرتا ہے اور وہ ایماندار بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش بارگاہِ الہٰی میں مقبول ہوتی ہے ۔ ہم تیرے رب کی بخشش سے ہر ایک کی مدد کرتے ہیں (طالبِ دنیا کی بھی اور طالبِ آخرت کی بھی) ۔ تیرے پروردگار کا انعام کسی سے رکا ہوا نہیں ۔ دیکھو! ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر (دنیا میں) فضیلت دے رکھی ہے (اسی پر آخرت کی فضیلتوں کو قیاس کرو) ۔ آخرت تو درجات میں بہت بڑی

اور فضل میں بہت اعلیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ریاکاروں کی نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ اس میں ذرا سی بھی کمی نہیں کی جاتی۔ پس جو شخص دکھاوے کے لئے نماز پڑھے یا روزے رکھے یا تہجد پڑھے تو اس کا اجر اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ آخرت میں وہ خالی ہاتھ اور محض بے عمل اٹھتا ہے۔ (ابن کثیر ۴۳۹ / ۲، روح المعانی ۲۴، ۲۵ / ۱۲)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ مومن جو نیک کام کرتا ہے اس کو دنیا میں بھی (اس نیک کام کا) کچھ بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں ثواب ملتا ہے اور کافر (چونکہ آخرت کی فکر ہی نہیں رکھتا اس لئے اس) کا حساب دنیا ہی میں بھگتا دیا جاتا ہے۔ اس کے نیک اعمال کے بدلے میں دنیا کی دولت و عزت اور صحت و راحت اس کو دے دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا جس کا معاوضہ وہاں پائے۔

جامع ترمذی اور مسند احمد میں حضرت انسؓ کی روایت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی نیت اپنے اعمال میں طلب آخرت کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے۔ اور اس کی ضروریات کو پورا فرما دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جس شخص کی نیت طلبِ دنیا کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ محتاجی اس کے سامنے کر دیتا ہے کہ اس کی حاجت کبھی پوری نہیں ہوتی، کیونکہ دنیا کی ہوس اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ ایک حاجت پوری ہونے سے پہلے دوسری حاجت سامنے آجاتی ہے اور بے شمار فکریں اس کو لگ جاتی ہیں اور ملتا صرف وہی ہے جو اللہ نے اس کے لئے لکھ دیا ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۰۵،۶۰۴ / ۴)

اہلِ دنیا و اہلِ آخرت کا موازنہ

۱۷۔ اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ وَيَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ وَمِنۡ قَبۡلِهٖ
كِتٰبُ مُوۡسٰٓى اِمَامًا وَّرَحۡمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ
يَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ

مِّنْهُ ؕ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو اور وہ اس کی طرف سے آئے ہوئے شاہد (قرآن) کی تلاوت بھی کرتا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی (شاہد) ہو جو امام (رستہ بتانے والی) و رحمت (بخشوانے والی) تھی (کیا وہ منکر ہو سکتا ہے) ۔ یہی لوگ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور دوسرے فرقوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے گا تو اس کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے ۔ سو آپ اس (قرآن) کی طرف سے شک میں نہ رہیں ۔ بیشک یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ۔

بَیِّنَةٍ : ایسی دلیل جو حق اور صحیح بات کی طرف راہنمائی کرتی ہے ۔ جس کی روشنی میں وہ بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرتا ہے اور دنیا کی فانی لذتوں کو ترک کرکے آخرت کی دوامی راحت کو پسند کرتا ہے ۔

مَنْ کَانَ : اس سے مخلص مومن مراد ہیں ۔ بعض علماء کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں ۔ یعنی آپ کی ذات مع متبعین ۔

شَاهِدٌ : اس سے مراد قرآن یا حضرت جبرائیل یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔

ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ اور ابن حاتمؒ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہاں شاہد سے مراد حضرت جبرائیلؑ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کتاب کی تلاوت کرتے تھے ۔ جس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن تلاوت کیا اسی طرح وہ اس سے پہلے حضرت موسیٰ پر توریت تلاوت کرتے تھے ۔

حسنؒ اور قتادہؒ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہے ۔ یعنی اللہ کی طرف سے ایک شہادت دینے والا، جو محمد رسول اللہ تھے، قرآن کی تلاوت کرے گا اور قرآن کی صداقت کی شہادت حضرت موسیٰ کی کتاب توریت بھی دے رہی ہے جو قرآن سے پہلے نازل ہو چکی ہے ۔

ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتمؒ اور ابو الشیخؒ نے مجاہد کا قول نقل

کیا ہے کہ **من کان علی بینۃ** رسول اللہ تھے اور شاہد ایک فرشتہ تھا جو آپ کی حفاظت پر مامور تھا۔ (مظہری ۱۲۔ ۱۴ / ۵)

اَحْزَاب: گروہ۔ جماعتیں۔ واحد حِزْبٌ۔

مِرْیَۃ: شک۔ تردد۔

تشریح: جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ منور اور روشن دین پر قائم ہو اور اس کا روشن ہونا وحی آسمانی سے ثابت ہو تو وہ اس شخص کی مانند نہیں ہو سکتا جو محض دنیا کا طلب گار ہو اور اسے کوئی صحیح راستہ نظر نہ آتا ہو۔

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ دین پر عمل پیرا ہیں اور توریت و انجیل کے عالم و فاضل ہیں وہی مخلص مومن ہیں۔ مومنین مخلصین کے علاوہ دوسرے گروہوں میں سے جو شخص اس دین حق کا انکار کرتا ہے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ سو قرآن کے بارے میں کسی کو شک و شبہ میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ وہ اللہ کی سچی کتاب ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگ واضح دلائل کے باوجود اس پر یقین نہیں رکھتے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ اس امت میں سے جو کوئی کافر و مشرک اور یہودی و عیسائی ایسی حالت میں مرے گا کہ جو (ہدایت) مجھے دے کر بھیجا گیا ہے وہ اس پر ایمان نہ لایا ہو، تو وہ ضرور دوزخیوں میں سے ہو گا۔

(مظہری ۱۳۔ ۱۵ / ۵)

مکذبین کے عیوب

۱۸، ۲۲۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ○

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ یہ لوگ اپنے رب کے روبرو پیش ہوں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی تو ہیں وہ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔ دیکھو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور جو لوگ دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، وہی آخرت کے بھی منکر ہیں۔ یہ لوگ زمین پر بھی اللہ کے قابو سے باہر نہ تھے اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی تھا۔ ان کو دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ وہ نہ (حق بات) سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور جو کچھ وہ جھوٹ باندھتے تھے وہ کھو یا گیا۔ بے شک یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں ہوں گے۔

يَصُدُّوْنَ: وہ روکتے ہیں۔ وہ منع کرتے ہیں۔ صَدٌّ سے مضارع۔

عِوَجًا: کجی۔ ٹیڑھا پن۔ مصدر ہے۔

يُضٰعَفُ: وہ دوگنا کیا جائے گا۔ مُضَاعَفَۃٌ سے مضارع مجہول۔

جَرَمَ: شک۔ شبہ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مکذبین کے چند عیوب بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں افتراء اور دروغ گوئی کرے۔ مکذبین کا افتراء یہ ہے کہ وہ بتوں کو اپنا شفیع بتاتے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا انکار کرتے تھے۔ کسی چیز کی تحریم کو اللہ کی طرف منسوب کرتے حالانکہ اللہ کی طرف سے اس چیز کی تحریم نہیں کی گئی۔ اسی طرح کسی چیز کی تحلیل کو اللہ کی طرف منسوب کرتے حالانکہ اللہ نے اس کو حرام قرار دیا۔

۲۔ اُولٰٓئِکَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ ۔ قیامت کے روز یہ لوگ اللہ کے سامنے ذلت و رسوائی کے ساتھ پیش ہوں گے ۔ پھر وہ ان سے ان کے اعمال کی باز پرس کرے گا۔

۳۔ وَیَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ۔ قیامت کے روز شہادت دینے والے یعنی پیغمبر، اعمال لکھنے والے فرشتے اور جسمانی اعضاء، کافروں اور منافقوں کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے پکار کر کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا۔ منجملہ دوسرے شاہدوں کے زمانہ اور مقام بھی شہادت دے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ زمین کی خبریں کیا ہوں گی ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب واقف ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ زمین کی خبریں یہ ہوں گی کہ جس بندے اور بندی نے زمین کے اوپر جو کچھ کیا ہوگا زمین اس پر شہادت دے گی اور کہے گی کہ فلاں شخص نے ایسا ایسا کیا تھا ۔ یہی زمین کی خبریں ہوں گی ۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ مؤذن کی آواز جتنی مسافت پر پہنچے گی اور جہاں تک جن و انس اس کو سنیں گے، قیامت کے دن اس کی شہادت دیں گے ۔

ابن خزیمہؒ کی روایت میں ہے کہ مؤذن کی آواز جو پتھر، ڈھیلا، جن و انس سنے گا، مؤذن کے لئے شہادت دے گا۔

۴۔ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ۔

۵۔ اَلَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔ یہ ایسے ملعون ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے دین پر چلنے سے روکتے ہیں ۔

۶۔ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۔ یہ لوگ اللہ کے دین پر عمل کرنے کی بجائے اس کو اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق بنانا چاہتے ہیں ۔ ان کی یہ خواہش سراسر ظلم اور برائی کا راستہ ہے ۔

۷۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ کٰفِرُوْنَ ۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں ۔

۸۔ اُولٰٓئِکَ لَمْ یَکُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں عذاب

دینا چاہتا تو تمام زمین پر کہیں بھی یہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے تھے کہ کہیں بھاگ کر عذاب سے بچ جاتے۔ کیونکہ بندے کے لئے عذاب الٰہی سے چھٹکارا پانا محال ہے۔

۹۔ وَمَاكَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاءَ۔ اور دنیا میں ان کو عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی ان کا حمایتی نہیں۔ اللہ ہی نے ان کے عذاب کو آخرت پر ٹال رکھا ہے تاکہ ان کو سخت اور کبھی ختم نہ ہونے والے عذاب میں مبتلا کرے۔

صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب پکڑ لیتا ہے تو پھر اس کو چھٹکارا نہیں ملتا۔

۱۰۔ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ۔ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ان کو دو گنی سزا ملے گی۔ بعض مفسرین کے نزدیک دو گنا عذاب کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ بعض نے کہا کہ دو گنا عذاب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا اور اس پر افتراء باندھا۔

۱۱۔ مَاكَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں حق کو سننے کی استعداد ہی پیدا نہیں کی، اس لئے وہ حق کو نہیں سنتے۔ قتادہؒ نے کہا کہ یہ لوگ حق کو سننے سے بہرے تھے اس لئے بھلائی کو سن کر اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔

۱۲۔ وَمَاكَانُوْا يُبْصِرُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بصیرت پیدا ہی نہیں کی۔ اس لئے وہ آیاتِ خداوندی کو دیکھنے سے بھی بے بہرہ ہیں۔

۱۳۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا کیونکہ انہوں نے اللہ کی عبادت چھوڑ کر پتھروں کی پوجا اختیار کی اور جنت دے کر دوزخ خرید لی۔

۱۴۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّاكَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔ جن کو یہ اللہ کا شریک بناتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ کے ہاں یہ ان کی سفارش کریں گے اور حضرت مسیح ان کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے ہیں۔ یہ اور ایسے تمام باطل دعوے گم ہو جائیں گے۔

۱۵۔ لَاجَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۔ لامحالہ آخرت کے اعتبار سے یہی لوگ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (مظہری ۱۵۔۱۷ / ۵)

اہلِ ایمان کا حال و مآل

۲۳، ۲۴۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور وہ اپنے رب کے سامنے عاجزی کرتے رہے وہی لوگ اہل جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے (ایک) اندھا اور ایک بہرہ ہو (کافر) اور (دوسرا) دیکھنے والا اور سننے والا ہو (مومن)۔ کیا دونوں کا حال برابر ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔

اَخْبَتُوْا: انہوں نے عاجزی کی۔ وہ جھکے۔ اِخْبَاتٌ سے ماضی۔

اَصَمّ: بہرا۔ صَمَمٌ سے صفت شبہ۔

تشریح: بلاشبہ جو لوگ ایمان والے ہیں اور اپنے قول و فعل سے اپنے رب کے احکام پوری طرح بجالاتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں وہی لوگ جنت کے وارث ہیں۔ جہاں بلند بالاخانے، نچھے بچھائے اور بچے سجائے تخت ہیں، جھکے ہوئے خوشوں اور میووں کے درخت ہیں۔ قسم قسم کے خوش ذائقہ پھل، پسندیدہ اور لذیذ کھانے ہیں اور سب سے بڑھ کر دیدارِ خداوندی کی نعمت ملے گی۔ اہل جنت کو یہ نعمتیں ہمیشہ حاصل رہیں گی۔ نہ کبھی انہیں موت آئے گی اور نہ بڑھاپا، نہ بیماری، نہ غفلت۔

جن شقی القلب کافروں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان کو مومن و متقی اہلِ ایمان سے بالکل وہی نسبت ہے جو اندھے اور بہرے کو بینا اور سننے والے سے ہے۔ کافر دنیا میں نہ تو راہِ حق کو دیکھتے تھے اور نہ حق بات کو سنتے تھے، اس لئے وہ اندھے اور بہرے کی مانند ہیں۔ سو قیامت کے روز بھی وہ خیر کی طرف راہ نہیں پائیں گے۔ ان کے برخلاف مومن عاقل و عالم تھے، سمجھدار تھے، پیامِ حق سنتے اور اس کو قبول کرتے تھے، حق و باطل میں تمیز کرتے تھے، بھلائی کو اختیار کرتے اور برائی کو چھوڑتے تھے۔ یہ دونوں گروہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا تم ایسی مثالوں کو سننے اور ان پر غور و فکر

کرنے کے بعد بھی نصیحت قبول نہیں کرو گے۔(ابن کثیر ۲/۴۴۲)

حضرت نوح ؑ کا واقعہ

۲۶،۲۵۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝

اور بیشک ہم نے (حضرت) نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ (ان سے کہو) میں تمہیں صاف صاف خبردار کرتا ہوں (اور) یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے حق میں ایک بڑے دردناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

تشریح: منکرین کو بت پرستی سے روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر دنیا میں بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم کو مخاطب کرکے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے صاف صاف خبردار کرتا ہوں۔ سو تم بت پرستی چھوڑ کر ہمہ تن اس معبودِ حقیقی کی عبادت میں لگ جاؤ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر تم نے میری بات پر توجہ نہ دی تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہارے اوپر ایک دردناک دن کا عذاب نہ آجائے۔

متکبرین کی جہالت آمیز گفتگو

۲۷۔ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ۝

پس (حضرت) نوح کی قوم کے سردار کہنے لگے کہ ہم تو آپ کو اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری اتباع ان لوگوں نے بلا تامل کی ہے جو ہم میں بالکل رذیل ہیں اور ہم تمہارے لئے اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تمہیں (بالکل) جھوٹا سمجھتے ہیں۔

اَلْمَلَاُ: سرداروں کی جماعت۔

بَادِیَ: ظاہری۔ کھلا ہوا۔ بَدْوٌ و بَدَاوَۃٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کی بات سن کر ان کی قوم کے کافر سردار اور رؤساو امراء کہنے لگے کہ آپ کوئی فرشتے تو ہیں نہیں بلکہ آپ تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ صرف آپ ہی کے پاس اللہ کی وحی آئے اور ہمارے پاس نہ آئے۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جن لوگوں نے آپ کی اتباع اختیار کی ہے وہ ہم میں بہت کم درجے کے لوگ ہیں۔ کسی رئیس اور سردار نے آپ کی فرماں برداری اختیار نہیں کی۔ یہ لوگ تو سوچے سمجھے بغیر ہی اپنی سادہ لوحی کی بنا پر آپ کے ساتھ لگ گئے ہیں۔ ہم جیسے معززین کے لئے تو ایسے رذیل، جاہل اور بے عقل لوگوں کے ساتھ بیٹھنا بھی باعثِ ننگ و عار ہے۔ اگر یہ لوگ ذرا بھی غور و فکر کرتے تو کبھی آپ کی پیروی نہ کرتے۔ ایسے حقیر و فقیر اور بے عقل لوگوں کا آپ کی اتباع کرنا آپ کی صداقت کی دلیل کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مال و دولت یا عزت و شرف کے اعتبار سے بھی ہم پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں۔ ایسی صورت میں ہم آپ کی اتباع کیوں کریں بلکہ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ آپ سب جھوٹے ہیں۔

حضرت نوحؑ کا جواب

۲۸،۳۱ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً
مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا
كٰرِهُوْنَ ○ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا
عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ
وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ○ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ
اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ
خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ
لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ
بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

(حضرت) نوح نے کہا: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھے رحمت (نبوت) عطا فرمائی ہے پھر وہ تمہیں دکھائی نہ دیتی ہو تو کیا ہم اس (رحمت) کو تمہارے سر منڈھ دیں جبکہ تم اس سے نفرت کرتے ہو اور اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی مال تو نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے اور میں تو ان ایمان والوں کو دھتکار نہیں سکتا کیونکہ وہ تو اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں تو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو اور اے میری قوم! اگر میں انہیں دھتکار دوں تو مجھے اللہ تعالیٰ سے کون چھڑا سکتا ہے۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ جو لوگ تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں اللہ ان کو کوئی بھلائی نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے دل کا حال خوب جانتا ہے۔ بے شک ایسا کروں تو میں بھی ناانصافی کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

نُلْزِمُكُمُوْهَا: ہم اس کو تم سے لازم کریں گے۔ ہم اس کو تم پر مسلط کریں گے۔ اِلْزَامٌ سے مضارع۔

بِطَارِدِ: دور کرنے والا۔ نکالنے والا۔ طَرْدٌ سے اسم فاعل۔

طَرَدْتُّهُمْ: میں نے ان کو دور کر دیا۔ میں نے ان کو نکال دیا۔ طَرْدٌ سے ماضی۔

تَزْدَرِیْ: وہ کمتر جانتی ہے۔ وہ حقیر دیکھتی ہے۔ اِزْدِرَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میری قوم! بیشک انسان ہونے میں ہم سب برابر ہیں مگر انسان اور بشر ہونا، نبوت و رسالت کے منافی نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لے کر آیا ہوں۔ اگرچہ صورتِ بشریہ کے اعتبار سے میں تمہارے ہی جیسا انسان ہوں مگر باطنی فضائل و کمالات اور آیاتِ بینات کے اعتبار سے میں تم سے ممتاز ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی استحقاق کے بغیر محض اپنے فضل سے مجھے اپنی نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے۔ پھر یہ روشن حقیقت تم پر پوشیدہ اور مخفی کر دی گئی۔ کیونکہ تکبر و غرور نے تمہیں اندھا کر رکھا ہے اس لئے میری نبوت تمہیں نظر نہیں آتی۔ اللہ نے میرے ذریعہ

جو رحمت تمہیں دی ہے تم نے اس کی قدر نہیں کی بلکہ تم اس کو جھٹلانے لگے، تمہاری اس کراہت و نفرت کے باوجود کیا میں اللہ کی ہدایت و رحمت کو تمہارے گلے باندھ دوں۔

اے میری قوم! میں جو تمہیں وعظ و نصیحت اور تبلیغ دین کر رہا ہوں، میں تم سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا جس کا دینا تم پر شاق ہو اور نہ دینا مجھے ناگوار ہو۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے جس نے مجھے نبوت و رسالت دے کر بھیجا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ میں تمہارے کہنے پر ان ضعیف مومنوں کو اپنی مجلس سے نہیں ہٹا سکتا۔ ان کا مرتبہ تو یہ ہے کہ قیامت کے روز یہ درویشانِ اسلام، عزت و کرامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے ایمان اور نیکیوں کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ تم واقعی ایک جاہل قوم ہو کہ اپنے مال و دولت کو عزت و ناموری کا ذریعہ سمجھتے ہو اور اہلِ ایمان جو اللہ کے نزدیک معزز و مقرب ہیں، ان کو حقیر و ذلیل کہتے ہو۔ تمہاری جہالت کی انتہا یہ ہے کہ تمہیں عزت و ذلت کے معنی بھی معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق (ایمان) کا نام عزت اور اس سے بغاوت اور قطع تعلق (کفر) کا نام ذلت ہے۔

اے میری قوم! اگر بالفرض میں تمہارے کہنے پر ان غریب اور خدا کے مخلص بندوں کو اپنے پاس سے ہٹا دوں تو بتاؤ اللہ کے مقابلے میں میری کون مدد کرے گا اور میرے اوپر سے اس کے عذاب کو کون دفع کرے گا۔ ایسے مخلص بندوں کو اپنی مجلس سے نکالنا سراسر بے انصافی اور ظلم ہے۔ لہٰذا تمہارے کہنے پر میں ان کے ساتھ بے انصافی نہیں کر سکتا۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ بندہ ایمان و اطاعت کے ذریعہ اللہ کے نزدیک مقبول ہو جاتا ہے ایسے لوگوں کو رد کرنے کی کسی کو مجال نہیں۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس مال و دولت کے خزانے ہیں جن کو تم عزت و شرف کا ذریعہ سمجھتے ہو۔ تمہیں دعوتِ حق سے میری غرض مال سمیٹنا نہیں۔ میرے نزدیک مال و دولت کا ہونا یا نہ ہونا سب برابر ہے کیونکہ یہ سب فانی ہیں اور ان کے ہونے سے کسی کی عزت و شرف میں اضافہ نہیں ہوتا اور ان کے نہ ہونے سے کوئی حقیر و کمتر نہیں ہو جاتا۔ عزت و شرف کا دار و مدار تو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی اطاعت پر ہے اسی لئے میں تم سب کو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اور توحید کی طرف بلاتا ہوں۔ میری دعوت ہر چھوٹے بڑے کے لئے عام ہے جو اسے قبول کرے گا وہ نجات پائے گا۔

میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں غیب کی باتوں سے واقف ہوں۔ مجھے تو صرف وہی کچھ معلوم

ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتا دیا جاتا ہے اور میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتا بلکہ میں تو ایک انسان اور اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ جن لوگوں کو تم ان کی مفلسی کی وجہ سے ذلیل و حقیر سمجھتے ہو میں ان کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ کے ہاں ان کو کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا ان کے باطن کا حال بھی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اگر وہ ظاہر کی طرح باطن میں بھی ایماندار ہیں تو ان کو اللہ کے ہاں ضرور اجر و ثواب ملے گا۔ میں تو ان کے ظاہر کو دیکھ کر ان سے معاملہ کرتا ہوں۔ لہٰذا اگر میں محض شبہ اور گمان کی بنا پر ان کو اپنے پاس سے نکال دوں تو بلاشبہ میں ظالموں میں سے ہوں گا۔ (ابن کثیر ۴۴۳ / ۲، مواہب الرحمٰن ۲۶۔ ۲۸ / ۱۲)

قومِ نوح کی ہٹ دھرمی

۳۲، ۳۵ قَالُوا يٰنُوحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ٥ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ٥ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ٥

وہ کہنے لگے کہ اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا۔ پس تو ہم سے بہت جھگڑا کر چکا سو جس چیز سے تو ہمیں دھمکا رہا ہے اس کو لے آ، اگر تو سچا ہے۔ (حضرت) نوح نے کہا کہ اس کو تو اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے گا اور تم اس کو روک نہ سکو گے اور میری خیر خواہی تمہارے کام نہیں آسکتی گو میں تمہاری کیسی ہی خیر خواہی کرنا چاہوں اگر اللہ کو تمہارا گمراہ رکھنا ہی منظور ہے۔ وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے (قرآن) خود بنالیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے خود بنالیا ہے تو اس کا گناہ مجھ پر ہے اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کی گفتگو سن کر ان کی قوم نے کج فہمی اور ہٹ دھرمی کا

مطالبہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ آپ ہمارے ساتھ خوب بحث و مباحثہ کر چکے، اگر آپ اپنے نبوت کے دعوے اور عذاب کی وعید میں سچے ہیں تو وہ عذاب لے آئیے جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ میرے اختیار میں تو دعوت و نصیحت تھی جو میں نے کر دی۔ رہا عذاب کا لانا تو وہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ جب اس کو منظور ہو گا عذاب آجائے گا۔ اس وقت تم اس عذاب سے نہیں بچ سکو گے اور نہ اس کو ٹال سکو گے۔ اگر اللہ نے ازل میں تمہاری گمراہی کا ارادہ فرمالیا ہے تو میں اس کو نہیں بدل سکتا۔ اس صورت میں میری نصیحت و خیر خواہی تمہارے لئے فائدہ مند نہ ہو گی اور تم ہلاکت سے نہ بچ سکو گے۔ اللہ ہی تمہارا رب اور پروردگار ہے، تمہیں اس کے احکام پر عمل کرنا چاہئے تھا مگر تم تو اپنے عناد کی بنا پر ان کو جھٹلاتے رہے۔ ایک دن تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے جہاں تم اپنے اعمال کا بدلہ پاؤ گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح! کیا کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں آپ نے اپنی طرف سے گھڑلی ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ پیغام میں نے خود گھڑ لیا ہے تو میرے اس جرم کا وبال بھی مجھ پر ہی ہو گا اور جن جرائم کا ارتکاب تم کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔

(مواہب الرحمن ۲۸، ۲۹ / ۱۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۴۴ / ۳)

حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم

۳۶، ۳۹ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ
فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا
وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ
۝ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۗ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا
مِنْهُ ۗ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ
۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

اور (حضرت) نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم میں سے اب کوئی ایمان

نہ لائے گا مگر جو لا چکا۔ سو جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں آپ اس پر غمگین نہ ہوں اور (اے نوح) تم ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بناؤ اور ظالموں کے حق میں مجھ سے بات نہ کرنا کیونکہ وہ غرق کئے جائیں گے اور (حضرت) نوح تو کشتی بنانے لگے اور جب ان کی قوم کا کوئی سردار ان کے پاس سے گزرتا تو وہ ان (حضرت نوح) کا مذاق اڑاتا۔ (حضرت) نوح کہتے کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم بھی اسی طرح تم پر ہنسیں گے۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے وہ جس پر عذاب آئے گا اور اس کو رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔

تَبْتَئِسْ : تو غمگین ہوتا ہے۔ تو ناامید ہوتا ہے۔ اِبْتِئَاسٌ سے مضارع۔

اَلْفُلْکَ : کشتی۔ جہاز۔ مذکر و مونث، واحد و جمع سب کے لئے آتا ہے۔

کُلَّمَا : جب کبھی۔ جس وقت۔ اکثر

یَحِلُّ : وہ نازل ہو گا۔ وہ واقع ہو گا۔ حُلُوْلٌ سے مضارع۔

تشریح : حضرت نوح علیہ السلام ایک زمانے تک اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرتے رہے مگر ان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر جب قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام سے اس عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کیا جس کی وہ ان کو وعید سناتے رہتے تھے تو حضرت نوح نے عاجز آکر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت نوح کو آگاہ کیا کہ اب اس قوم میں سے ان لوگوں کے سوا جو اب تک ایمان لا چکے ہیں مزید کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا۔ آپ کو ان پر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس عذاب کا یہ لوگ مذاق اڑا رہے ہیں اس کا وقت نزدیک آگیا ہے۔ اب یہ اس سے نہیں بچ سکتے۔

اے نوح! اب آپ ہماری تعلیم کے مطابق ہماری نگرانی میں ایک کشتی تعمیر کیجئے اور ان کافروں میں سے کسی کو بچانے کے لئے مجھ سے عذاب دور کرنے کی درخواست نہ کرنا۔ بلاشبہ یہ لوگ غرق کئے جائیں گے۔ ان کی غرقابی کا حکم قطعی ہے۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق کشتی بنانے میں مشغول ہو گئے۔ جب ان کی قوم کے سرداروں میں سے کچھ لوگ ان کے پاس سے گزرتے تو ازراہِ تمسخر کہتے کہ اے نوح! پہلے تو تم پیغمبر تھے اب بڑھئی ہو گئے ہو۔ دریا سے دور خشکی میں اتنی بڑی کشتی چلے گی۔ کیا تم

دیوانے ہو گئے ہو ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو جواب دیا کہ جس طرح جاہل و نادان قرار دے کر آج تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو آئندہ ہم بھی تمہیں طوفان میں ڈوبتے دیکھ کر تمہارا مذاق اڑائیں گے اور تمہیں جاہل قرار دیں گے ۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کس پر آخرت میں ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب نازل ہو گا ۔ چنانچہ جب قوم نوح پر طوفان کی شکل میں اللہ کا عذاب آیا تو سب غرق ہو گئے اور عالمِ برزخ میں پہنچ گئے، جہاں قیامت تک ان پر عذاب ہوتا رہے گا ۔ پھر قیامت کے روز ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا ۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے ۔ (مواہب الرحمن ۳۰، ۳۳ / ۱۲)

عذابِ الٰہی کی آمد

۴۰۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ○

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور (غضبِ الٰہی) جوش میں آگیا تو ہم نے کہا کہ (اے نوح) اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا رکھ لو اور اپنے گھر والوں کو بھی (اس میں سوار کر لو) سوائے ان کے جن کے بارے میں ہمارا فیصلہ ہو چکا اور جو لوگ ایمان لے آئے (ان کو بھی سوار کر لو) اور اس کے ساتھ تو بہت تھوڑے سے لوگ ایمان لائے تھے ۔

فَارَ: اس (پانی) نے جوش مارا ۔ وہ ابلنے لگا ۔ فَوْرٌ و فَوَرَانٌ سے ماضی ۔

اَلتَّنُّوْرُ: تنور ۔ نان پکانے کا چولھا ۔

تشریح: پھر جب عذاب کے متعلق اللہ کا حکم آپہنچا تو آسمان سے موسلا دھار بارش برسنے لگی، زمین بھی پانی اگلنے لگی اور روٹی پکانے کا تنور جوش مارنے لگا ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جب اس تنور سے پانی ابلنے لگے تو اہل ایمان کو لے کر کشتی میں سوار ہو جانا ۔ ابن عباسؓ کے مطابق تنور کے ابلنے کا مطلب یہ ہے کہ روئے زمین سے چشمے پھوٹ پڑے یہاں تک کہ آگ کی جگہ تنور میں سے پانی ابل پڑا ۔ جمہور سلف و خلف کا بھی یہی قول ہے ۔

جب عذاب کی علامت ظاہر ہو گئی اور تنور سے پانی ابلنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو حکم دیا کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے جو انسان کے لئے کار آمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے، ایک ایک جوڑا (ایک نر اور ایک مادہ) کشتی میں اپنے ساتھ لے لو۔ اپنے اہل و عیال اور مومنوں کو بھی اس کشتی میں سوار کر لو، سوائے ان لوگوں کے جن کو غرق کرنے کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی واہلہ اور حضرت نوح کا بیٹا کنعان، دونوں کافر تھے۔ **من سبق علیه القول** سے یہی دونوں مراد ہیں۔ (ابن کثیر ۴۴۵ / ۲)

کشتی پر سوار ہونے کا حکم

۴۱، ۴۳۔ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝

اور (حضرت) نوح نے کہا کہ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے۔ بیشک میرا رب معاف کرنے والا مہربان ہے اور وہ کشتی ان لوگوں کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چلنے لگی اور (حضرت) نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جبکہ وہ کنارے پر (کھڑا) تھا کہ اے میرے بیٹے تو ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ اس نے کہا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لیتا ہوں، جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ (حضرت) نوح نے کہا کہ آج اللہ کے حکم (عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر اللہ ہی مہربانی فرما دے (تو بچ جائے گا) اور دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی۔ سو وہ بھی غرق ہو گیا۔

اِرْكَبُوْا: تم سوار ہو جاؤ۔ رُکُوْبٌ سے امر۔

مَجْرِىهَا: اس کو جاری کرنا۔ اس کا چلنا۔ جَرَيَانٌ سے اسم ظرف۔
مُرْسٰهَا: اس کا رکنا۔ اس کا ٹھہرنا۔ اِرْسَاءٌ سے مصدر میمی۔
مَعْزِلٍ: کنارہ۔ الگ جگہ۔ عَزْلٌ سے اسم ظرف و مصدر میمی۔
يَعْصِمُنِىْ: وہ میری حفاظت کرے گا۔ وہ مجھے بچائے گا۔ عِصْمَةٌ سے مضارع۔
تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا اور کہا کہ تم اس کے غرق ہونے کا اندیشہ مت کرو کیونکہ اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کے نام کی برکت سے ہے۔ بلاشبہ میرا پروردگار بخشنے والا اور مہربان ہے۔ نجات کا دارومدار اسی کی رحمت پر ہے۔ یہ کشتی تو نجات کا ظاہری سبب ہے۔ لہٰذا تم اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھتے ہوئے کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ اس کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی ان کو لے کر پہاڑ جیسی بلند موجوں میں چل رہی تھی۔

کشتی روانہ ہونے سے پہلے حضرت نوح نے اپنے بیٹے کنعان کو جو کشتی سے علیحدہ تھا، آواز دے کر کہا کہ اے میرے بیٹے اللہ پر ایمان لے آ اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کا ساتھ چھوڑ دے تاکہ اس مصیبتِ عظمیٰ سے نجات پا سکے۔ بیٹے نے جواب دیا کہ مجھے کشتی کی ضرورت نہیں میں تو کسی بلند پہاڑ پر ٹھکانا بنالوں گا، جو مجھے پانی میں غرق ہونے سے بچالے گا۔ اس وقت تک پانی پہاڑوں پر نہیں پہنچا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کو جواب دیا کہ یہ کوئی معمولی سیلاب نہیں، یہ تو اللہ کا قہر ہے۔ آج اللہ کے قہر سے بچانے والا کوئی نہیں، سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرمادے۔ پہاڑ بھی اسی کے حکم کے تابع ہے وہ اس کے حکم کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ پانی کی ایک بڑی موج ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئی اور کافروں کے ساتھ حضرت نوح کا بیٹا بھی غرق ہو گیا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۰، ۵۵۱ / ۳)

زمین کو پانی نگلنے کا حکم

۴۴۔ وَقِيْلَ يٰاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ

وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○

اور حکم ہوا اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی سکھا دیا گیا اور کام تمام ہو گیا اور کشتی جودی (پہاڑ) پر آٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ ظالموں پر پھٹکار ہے۔

اِبْلَعِیْ: تو نگل جا۔ بَلْعٌ سے امر۔

اَقْلِعِیْ: تو تھم جا۔ تو بند ہو جا۔ اِقْلَاعٌ سے امر۔

غِیْضَ: وہ زمین میں جذب کر دیا گیا۔ وہ خشک کر دیا گیا۔ غَیْضٌ سے ماضی مجہول۔

اِسْتَوَتْ: وہ ٹھہر گئی۔ وہ (کشتی) لگ گئی۔

اَلْجُوْدِیِّ: ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد ٹھہری تھی۔

تشریح: جب سب کافر طوفان کے سبب غرق آب ہو گئے اور مسلمان صحیح و سلامت رہے تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اپنا اگلا ہوا اور آسمان کا برسایا ہوا تمام پانی نگل لے اور آسمان کو حکم دیا کہ وہ پانی برسانا بند کر دے۔ اس طرح پانی کم ہونے لگا اور اللہ کے حکم سے کشتی جودی پہاڑ پر آکر رک گئی۔ لوگ زمین پر اتر گئے اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ہلاک و برباد کرنے اور مومنوں کو بچانے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی کر دی گئی کہ اللہ نے ظالم قوم کو نیست و نابود اور اپنی رحمت سے دور کر دیا کیونکہ انہوں نے اہلِ حق کے ساتھ ناانصافی کی تھی۔

حضرت نوحؑ کی دعاء

۴۵، ۴۷ وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ○ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْــَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ

اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَالَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ ط وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَ تَرْحَمْنِیْ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ہ

اور (حضرت) نوح نے اپنے رب کو پکار کر کہا کہ اے میرے رب! میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے تھا اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح! بیشک وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے۔ سو تو مجھ سے ایسی بات کی درخواست نہ کر جس کا تجھے علم ہی نہیں۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ (آئندہ) تو جاہلوں میں سے نہ ہونا۔ حضرت نوح نے کہا کہ اے میرے رب! میں ایسی بات کا سوال کرنے سے جس کا مجھے علم نہیں میں تیری پناہ مانگتا ہوں اور اگر تو مجھے معاف نہ فرمائے گا اور مجھ پر مہربانی نہ فرمائے گا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کفر کا حال صحیح طور پر معلوم نہ تھا۔ انہوں نے ظاہری اور نسبی قرابت کی بنا پر یہ خیال کیا کہ ان کا بیٹا بھی ان کے اہل میں سے ہے۔ اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے میرے پروردگار یہ میرا لڑکا تو میرے اہل میں سے ہے اور تو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کیا ہے۔ بلاشبہ تیرا وعدہ حق ہے اس لئے تو میرے بیٹے کو ڈوبنے سے بچالے۔

آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کے ڈوبنے کے بعد دعاء کی ہو کہ میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے تھا اور تو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کیا تھا اور تو سب سے زیادہ علم والا اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔ تیرے حکم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ پھر میرا بیٹا کیوں ہلاک ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! تیرا بیٹا ان لوگوں میں سے نہیں تھا جن کی نجات کا میں نے وعدہ کیا تھا۔ اگرچہ قرابت کے اعتبار سے یہ تیرا بیٹا ہے، مگر اس کے اعمال صالح نہیں تھے، اس لئے وہ تیرے اہل میں سے نہیں بلکہ کافر ہے۔ اہل ہونے کا دارومدار نسبی قرابت پر نہیں بلکہ دین کی قرابت پر ہے جو کفر کی وجہ سے منقطع ہو گئی۔ مسلم و کافر کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہوتا اسی لئے وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ پس نبی کے اصل اہل تو وہی لوگ ہوتے ہیں جو نبی

پر ایمان لائیں اور اس کی کامل اتباع کریں۔ سو تو مجھ سے ایسی بات کا سوال نہ کر جس کے صحیح یا غلط ہونے کا تجھے علم نہیں۔ تحقیق میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا سوال کر کے تم ان نادانوں میں سے نہ ہو جانا جو جہالت و نا سمجھی کی بنا پر ایسی چیز کا سوال کرتے ہیں جس کا ان کو علم نہیں۔

جب حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے سوال کا رضائے الہٰی کے خلاف ہونا معلوم ہو گیا تو فوراً تضرع و عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت کی درخواست کی کہ اے میرے پروردگار! جس چیز کا مجھے علم نہ ہو آئندہ اس کے بارے میں سوال کرنے سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں اور شفقتِ پدری کی بنا پر اپنے کافر لڑکے کی نجات کی درخواست کی شکل میں مجھ سے جو خطا و لغزش سرزد ہوئی اگر تو میری اس خطاء کو معاف نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ (مواہب الرحمن ۴۲، ۴۵ / ۱۲، روح المعانی ۶۸، ۷۲ / ۱۲)

حضرت نوحؑ کو کشتی سے اترنے کا حکم

۴۸۔ قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

حکم ہوا، اے نوح! (کشتی سے) اترو۔ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہیں تم پر اور تمہارے ساتھ والوں پر اور (بعد میں) بہت سی جماعتیں ایسی بھی ہوں گی جن کو ہم (دنیا میں) کچھ دن تک فائدہ دیں گے پھر (آخرت میں) ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

اِهْبِطْ: تو اتر۔ ہُبُوْطٌ سے امر۔

اُمَمٌ: امتیں۔ گروہ۔ یہاں اُمَمٌ سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ وہ خود بھی جماعتوں کی شکل میں تھے اور تمام اقوام انہیں کی نسل سے پیدا ہونے والی تھیں اس لئے ان کو اُمَمٌ فرمایا۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی تو حضرت نوح اور ان کے ساتھی کچھ دنوں تک جب تک اللہ نے چاہا کشتی میں ہی ٹھہرے رہے۔ پھر

اللہ تعالیٰ نے ان کو کشتی سے اترنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اب تم ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر اترو جو تم پر اور ان جماعتوں پر نازل ہوں گی جو تمہارے ساتھ ہیں۔ آپ کے ساتھیوں کی مسلمان نسل کو بھی اس سلامتی اور برکت سے حصہ ملے گا۔

پھر فرمایا کہ تمہارے ساتھیوں کی نسل سے کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم ان کو دنیا میں کچھ روز تک عیش و آرام دیں گے۔ پھر اپنے کفر و شرک کی وجہ سے آخرت میں یہ لوگ دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔ کافر دنیا میں جو فلاحی کام کرتے ہیں ان کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں ان کے لئے عذاب کے سوا کچھ نہیں۔

غیب کی خبریں

۴۹۔ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

یہ (باتیں) غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں، اس سے پہلے نہ تو ان (باتوں) کو آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔ سو آپ صبر کیجئے۔ اچھا انجام تو پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔

تشریح: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ طوفان نوح کے یہ واقعات غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے وحی کے ذریعہ آپ پر القاء کی ہیں۔ آپ ان کو پہلے سے نہیں جانتے تھے۔ اور نہ آپ کی قوم کو ان کی خبر تھی۔ آپ ہی کے ذریعہ ان کو ان واقعات کا علم ہوا آپ ان کو ٹھیک اسی طرح بیان کرتے ہیں جس طرح یہ واقعات سابقہ آسمانی کتب میں موجود ہیں۔ اگر آپ کی قوم کے لوگ پڑھے لکھے اور تاریخِ عالم سے واقف ہوتے تو پھر یہ کہا جا سکتا تھا کہ آپ نے یہ واقعات ان لوگوں سے سن کر بیان کر دیئے۔ لیکن جب پوری قوم ہی ان سے بے خبر ہو اور آپ بھی حصولِ علم کے لئے کسی دوسرے ملک نہ گئے ہوں تو پھر ایسی خبر کا ذریعہ وحی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہی آپ کے پیغمبر برحق ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اگر ایسے روشن دلائل کے بعد بھی یہ بدبخت آپ کی نبوت و رسالت کو نہ مانیں تو آپ

بھی ان کی ایذاء اور تکلیف دہ باتوں پر اسی طرح صبر سے کام لیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے صبر کیا تھا۔ آخر کار پرہیزگار ہی کامیاب ہوتے ہیں۔

حضرت ہود ؑ کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہودؑ کو قوم عاد میں مبعوث فرمایا جو اپنے ڈیل ڈول اور قوت و شجاعت کے اعتبار سے پوری دنیا میں ممتاز تھی۔ ان کے شہر نہایت سرسبز و شاداب تھے۔ کھیتی، باغوں اور مویشی کی کثرت تھی۔ پھر جب انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قحط میں مبتلا کر دیا اور تین سال تک ان پر بارش نہ ہوئی۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی قوم کے فرد تھے۔ یہ لوگ شرک و بت پرستی میں مبتلا اور دولت و ثروت کی کثرت کے سبب نہایت مغرور اور خودسر تھے اور انبیاء اور ان کی اتباع کرنے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

حضرت ہود ؑ کی نصیحت

۵۰،۵۲ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا، قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ، اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ o یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا، اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ o وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ o

اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف ان کے بھائی حود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم تو محض افتراء کرنے والے ہو۔ اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ پھر کیا تم (یہ) نہیں سمجھتے۔ اے میری قوم! تم اپنے رب سے معافی مانگو۔ پھر اسی کی طرف رجوع کرو۔ وہ

تم پر خوب بارشیں برسائے گا اور (ایمان و عمل کی برکت سے) تمہیں قوت دے کر تمہاری موجودہ قوت کو بڑھا دے گا اور تم نافرمان ہو کر روگردانی نہ کرو۔

فَطَرَنِیْ: اس نے مجھے پیدا کیا۔ فَطْرٌ سے ماضی۔

مِدْرَارًا: بہت برسنے والا۔ دَرٌّ سے مبالغہ۔

تشریح: حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم نے محض اپنے گناہ سے بتوں کو اپنا معبود اور اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے۔ میں تم سے اس نصیحت کا کوئی بدلہ اور معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا اجر و ثواب تو اس اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ وہی مجھے دنیا میں روزی دیتا ہے اور وہی مجھے آخرت میں ثواب دے گا۔ کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں کہ تم جھوٹ و سچ اور حق و باطل میں فرق کر سکو۔

اے میری قوم! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم کفر و معصیت کو ترک کر کے توبہ و استغفار میں لگ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرو اور آئندہ کے لئے گناہوں سے رک جاؤ۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تم پر بارش نازل کرے گا، تمہارے کھیتوں کو پھر سے سرسبز و شاداب کر دے گا اور تمہاری موجودہ قوت میں اضافہ کر دے گا۔ سو تم مجرم و ہٹ دھرم بن کر اللہ کے پیغام سے انحراف نہ کرو۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص استغفار کو لازم پکڑ لے، اللہ تعالیٰ اسے ہر مشکل سے نجات دیتا ہے، ہر تنگی سے کشادگی عطا فرماتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جو خود اس کے بھی خواب و خیال میں نہیں ہوتی۔

(ابن کثیر ۴۴۹ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۶۰ / ۳)

قوم کا جواب

۵۳۔ قَالُوْا یٰھُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِکِیْٓ اٰلِھَتِنَا عَنْ قَوْلِکَ وَمَا نَحْنُ لَکَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰکَ بَعْضُ اٰلِھَتِنَا بِسُوْٓءٍ

وہ کہنے لگے اے ہود! تو نے ہمارے سامنے کوئی دلیل (معجزہ) پیش نہیں کی (لہذا) ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں (کی عبادت) کو ترک کرنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لائیں گے۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں کسی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔

تشریح: حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ان کی نصیحت کے جواب میں کہنے لگی کہ آپ جس چیز کی طرف ہمیں بلا رہے ہیں اس کی کوئی روشن دلیل تو ہمارے پاس لائے نہیں۔ اس لئے نہ تو ہم آپ کو سچا مانتے ہیں اور نہ آپ کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑیں گے اور نہ آپ پر ایمان لائیں گے بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چونکہ آپ ہمارے معبودوں کو عیب لگاتے ہیں اور ہمیں ان کی عبادت سے روکتے ہیں، اس لئے آپ پر ان میں سے کسی کی مار پڑی ہے اور اس نے آپ کو کسی دماغی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے جس کی وجہ سے آپ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں اور آپ کا یہ بہکی بہکی باتیں کرنا ہمارے بتوں کو عیب لگانے کی سزا ہے۔

حضرت ہودؑ کی پیغمبرانہ جرأت

۵۷،۵۴۔ قَالَ إِنِّيٓ أُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوٓا أَنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝
مِنْ دُونِهٖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُونِ ۝ إِنِّي تَوَكَّلْتُ
عَلَى اللّٰهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۚ
إِنَّ رَبِّي عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّآ
أُرْسِلْتُ بِهٖٓ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا
تَضُرُّونَهٗ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝

(حضرت ہود نے) کہا کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم اس کے سوا شریک ٹھہراتے ہو۔ سو تم سب مل کر میرے ساتھ (ہر طرح کی) تدبیر کر لو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ کوئی بھی زمین پر چلنے والا ایسا نہیں جس کی چوٹی اس نے نہ پکڑ رکھی ہو۔ بے شک میرا رب ہی

سیدھی راہ پر ہے ۔ پھر اگر تم نے نہ مانا تو جو پیغام دے کر مجھے بھیجا گیا ہے وہ تو میں نے پہنچا دیا اور میرا رب دوسری قوم کو تمہارا قائم مقام کر دے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے ۔ بیشک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے ۔

دَابَّۃٍ: چلنے والا ۔ چوپایہ ۔ دَبٌّ وَ دَوَابٌّ سے اسم فاعل ۔

اٰخِذٌ: اخذ کرنے والا ۔ پکڑنے والا ۔ اَخْذٌ سے اسم فاعل ۔

نَاصِیَتِھَا: اس کی پیشانی کے بال ۔ اس کی چوٹی ۔ جمع نَوَاصِیْ ۔

تشریح: قوم کی گفتگو سن کر حضرت ہودؑ نے کہا کہ اگر تم میری بات نہیں مانتے تو سنو! میں نہ صرف تمہیں بلکہ اللہ کو بھی گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں کہ میں اللہ کے سوا تمہارے سب معبودوں سے بیزار ہوں ۔ اب تم اور تمہارے سب معبود مل کر میرے خلاف جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو ۔ میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر رکھا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ۔ اس کی منشا کے بغیر کوئی بھی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا دنیا بھر کے جاندار اس کے قبضہ ، قدرت اور اس کی ملکیت میں ہیں ۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم سے باہر اور اس کی بادشاہت سے الگ ہو ۔ بندوں کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں ۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم اور مشیت کے بغیر کسی کو ذرہ برابر نقصان یا تکلیف پہنچا سکے ۔ ماں ، باپ اپنی اولاد پر جس قدر مہربان ہوتے ہیں ، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے ۔ وہ کریم ہے ۔ اس کے کرم کی کوئی حد نہیں اسی لئے بعض لوگ بہک جاتے ہیں اور غافل ہو جاتے ہیں ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اسی کو ملتا ہے اور اسی کی مدد کرتا ہے جو صراطِ مستقیم پر چلتا ہے ۔

پھر فرمایا کہ اگر تم اسی طرح حق سے برگشتہ رہے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا تھا وہ تو میں تمہیں پہنچا چکا ہوں ۔ اگر تم اب بھی منہ موڑتے ہو تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ تم پر اللہ کا قہر اور غضب آجائے اور تم نیست و نابود ہو جاؤ اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور قوم کو اس زمین پر آباد کر دے ۔ اس معاملے میں تم اپنا ہی نقصان کر رہے ہو ۔ اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں ۔ یقیناً میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے ۔ وہ تمہارے ہر کام اور ہر خیال سے باخبر ہے ۔ (ابن کثیر ۴۴۹،۴۵۰ / ۲)

قومِ عاد پر عذاب کا آنا

۵۸۔ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝

اور جب ہمارا حکم (عذاب) آگیا تو ہم نے (حضرت) ھود اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچالیا اور ان کو ایک بھاری عذاب سے نجات دی۔

تشریح: قومِ عاد کے لوگ جب کسی طرح بھی اپنی کج روی اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو آلیا۔ خیر و برکت سے خالی اور عذاب و سزا سے بھری ہوئی آندھیاں ان پر چلنے لگیں۔ عذاب کی یہ آندھی متواتر آٹھ دن اور سات رات تک چلتی رہی، جس سے قومِ عاد کے لوگوں کے اعضائے جسمانی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو حضرت ہود پر ایمان لائے تھے، محض اپنے لطف و کرم اور فضل و رحمت سے اس خوفناک آندھی کے عذاب سے محفوظ رکھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عذابِ دنیوی ہو یا عذابِ اخروی، ایمان کے بغیر اس سے نجات نہیں ملتی۔ (تفسیر عثمانی ۶۴۴/۱)

اہلِ عرب کو خطاب

۶۰،۵۹۔ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝

اور یہ تھی (قوم) عاد جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ایک سرکش و ظالم کے کہنے پر چلتے رہے۔ دنیا میں لعنت ان کے ساتھ رہی اور آخرت میں بھی۔ سن لو! (قوم) عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ خوب سن لو! (دونوں جہان میں) رحمت سے دور ہو گئی (قوم) عاد جو (حضرت) ہود کی قوم تھی۔

جَحَدُوا: انہوں نے انکار کیا۔ جُحُودٌ سے ماضی۔
عَنِيدٍ: عناد رکھنے والا۔ مخالف۔ عُنُودٌ سے صفت شبہ۔
تشریح: اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اہلِ عرب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ تھی قومِ عاد جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، اس کے رسولوں کو جھٹلایا اور ہر سرکش و عناد رکھنے والے سردار کے حکم کی پیروی کی۔ ان کے اجڑے ہوئے مکانات اور ان کی بربادی کے نشانات و کھنڈرات تمہارے سامنے ہیں۔ ہر پیغمبر توحید کی دعوت دیتا ہے اور اپنے سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے، اس لئے ایک پیغمبر کا انکار تمام پیغمبروں کا انکار ہے اور ایک کی نافرمانی سب کی نافرمانی ہے۔ قومِ عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا تو گویا انہوں نے تمام پیغمبروں کا انکار کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و شرک اور ضد و عناد کی بنا پر ان کو دنیا میں بھی ملعون کر دیا اور قیامت کے روز بھی میدانِ حشر میں سب کے سامنے ان پر اللہ کی لعنت ہوگی اور پکار کر کہا جائے گا کہ آگاہ ہو جاؤ! بلاشبہ قومِ عاد کے لوگ اپنے رب کے منکر ہیں۔ خوب سن لو! قومِ عاد پر اللہ کی طرف سے ہلاکت و بربادی ہے جو حضرت ہود کی قوم تھی۔ سو اے اہلِ عرب تم قومِ عاد کے حال سے عبرت پکڑو۔ (ابن کثیر ۴۵۲ / ۲، مظہری ۹۶،۹۵ / ۵)

حضرت صالح ؑ کا واقعہ

۶۱۔ وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ ۝

اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی (حضرت) صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس میں آباد کیا سو تم اسی سے مغفرت طلب کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب قریب ہے اور (دعاء) قبول کرنے والا ہے۔

اَنْشَاَکُمْ: اس نے تمہیں پیدا کیا۔ اس نے تمہاری پرورش کی۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی۔

اِسْتَعْمَرَکُمْ: اس نے تمہیں آباد کیا۔ اس نے تمہیں بسایا اِسْتِعْمَارٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے۔ حضرت ہود کی امت کو عادِ اولیٰ کہتے ہیں اور حضرت صالح کی امت کو جس کا نام ثمود ہے عادِ ثانیہ کہتے ہیں۔ قومِ ثمود کے لوگ حجر میں رہا کرتے تھے جو شام اور مدینہ کے درمیان ہے۔

حضرت صالحؑ قومِ ثمود کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو سب سے پہلے توحید کی دعوت دی۔ قوم نے حسبِ عادت ان کو جھٹلایا اور کہا کہ ہم تو آپ کو اس وقت نبی مانیں گے جب ہمارے سامنے اس پہاڑی چٹان سے ایک ایسی اونٹنی نکل آئے جس میں فلاں فلاں صفات ہوں۔ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو اس بات سے ڈرایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارا مطلوبہ معجزہ ظاہر فرما دیا اور تم پھر بھی ایمان نہ لائے تو تم پر اللہ کا عذاب آجائے گا اور تم سب ہلاک و برباد ہو جاؤ گے۔ مگر وہ لوگ اپنی ضد سے باز نہ آئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کا مطلوبہ معجزہ ظاہر فرما دیا اور پہاڑی چٹان میں سے ان کے بتائے ہوئے اوصاف کی اونٹنی برآمد ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس اونٹنی کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں، ورنہ ان پر عذاب آجائے گا۔ مگر انہوں نے اللہ کے حکم کو پس پشت ڈالتے ہوئے اونٹنی کو ہلاک کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۴۳ / ۴)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ حضرت صالح نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی خالق و مالک اور منعم و معبود نہیں۔ اسی نے تمہیں حضرت آدم کی نسل سے پیدا کیا اور حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہاری عمریں دراز کیں۔ قوم ثمود کی عمریں ۳۰۰ سے ۱۰۰۰ برس تک ہوتی تھیں۔

پھر فرمایا کہ تم اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ تم نے جہالت کی بنا پر خالق کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کی۔ بلاشبہ میرا رب توبہ و استغفار کرنے والوں کے قریب ہے اور ان کی توبہ و استغفار کو جلد قبول کرتا ہے۔

(مواہب الرحمن ۵۳،۵۲ / ۱۲)

حضرت صالحؑ اور قوم کے درمیان گفتگو

۶۲، ۶۳ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ
مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ٥
قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ
رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۔ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ
غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ٥

وہ کہنے لگے اے صالح! اس سے پہلے تو ہمیں تجھ سے بڑی امیدیں تھیں ۔ کیا تم ہمیں ان معبودوں کے پوجنے سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے اور جس (دین) کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کی طرف سے تو ہم بڑے شبہ میں ہیں ۔ (حضرت) صالح نے کہا ۔ اے میری قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنی رحمت (نبوت) بھی عطا فرما دی ہو، پھر بھی اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے اس (کے عذاب) سے کون بچائے گا ۔ تم مجھے نقصان کے سوا اور کیا دے سکو گے ۔

مَرْجُوًّا: امید کیا ہوا ۔ رَجَاءٌ سے اسم مفعول ۔

مُرِيْبٌ: شک میں ڈالنے والا ۔ اِرَابَۃٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا کہ جب تک آپ نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور ہمیں توحید کی دعوت اور بت پرستی سے منع نہیں کیا تھا اس وقت تک ہمیں آپ کی نیکی اور سچائی کی وجہ سے آپ سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں ۔ ہمارا خیال تھا کہ دنیا حاصل کرنے میں آپ ہمارے لئے بڑے مددگار اور رہنما ثابت ہوں گے، کیونکہ اعلانِ نبوت سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کے ضعیفوں کی خبر گیری کرتے تھے اور ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری کرتے تھے ۔ مگر آپ کی ان باتوں نے ہماری سب امیدوں پر پانی پھیر دیا ۔ آپ ہمیں باپ، دادا کے طریقہ عبادت سے روکتے ہیں، ہمارے بتوں کی مذمت کرتے ہیں اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں ۔ ہم تو آپ کے اعلانِ توحید سے اس دین کے بارے میں شک و شبہ میں پڑ گئے جس کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں ۔

حضرت صالحؑ نے جواب دیا کہ اے میری قوم! میرے پاس میرے رب کی واضح دلیل اور نشانی ہے اور اس نے مجھے اپنی نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ مجھے اپنی سچائی پر دلی اطمینان ہے۔ اگر میں اللہ کا پیغام اس کی مخلوق کو نہ پہنچاؤں، ان کو شرک سے منع نہ کروں اور تمہارے کہنے پر اس کی نافرمانی میں تمہارا ساتھ دوں تو مجھے عذابِ الٰہی سے کون بچائے گا۔ میرا ایمان و یقین ہے کہ مخلوق میرے ذرا بھی کام نہیں آسکتی۔ تم مجھے نافرمانی کا مشورہ دے کر محض میرا نقصان اور خسارہ ہی بڑھا سکتے ہو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری تکذیب سے مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ تم بہت نقصان اٹھاؤ گے اور بڑے خسارے میں رہو گے۔

(مواہب الرحمٰن ۵۲، ۵۴ / ۱۲، روح المعانی ۸۹، ۹۰ / ۱۲)

اونٹنی کا معجزہ

۶۴، ۶۵ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ○ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ○

اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے۔ سو تم اس کو چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین پر کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تم فوراً عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ پھر انہوں نے اس کی کونچیں (پاؤں) کاٹ ڈالیں۔ تب (حضرت) صالح نے کہا کہ (اچھا) اپنے گھروں میں تین دن اور فائدہ اٹھالو۔ یہ (ایسا) وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہو گا۔

نَاقَةٌ: اونٹنی۔ جمع نُوْقٌ

فَذَرُوْهَا: سو تم اس کو چھوڑ دو۔ وَذْرٌ سے امر۔

فَعَقَرُوْهَا: سو انہوں نے اس (اونٹنی) کے پاؤں کاٹ دیئے۔ عَقْرٌ سے ماضی۔

تشریح: مذکورہ بالا بحث و مباحثہ کے بعد حضرت صالحؑ کی قوم نے ان سے نبوت و رسالت کے ثبوت میں معجزہ طلب کیا کہ اگر آپ اپنے نبوت کے دعوے میں سچے ہیں تو اس پتھر سے اونٹنی

نکال کر دکھائیں۔ حضرت صالحؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی۔ پھر اللہ کے حکم سے پتھر سے اونٹنی پیدا ہو گئی۔ اس واقعہ کی تفصیل سورہ اعراف میں گزر چکی ہے۔

پتھر سے صحیح و سالم اونٹنی نکلنے کے بعد حضرت صالحؑ نے نصیحت کے طور پر قوم سے فرمایا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو دفعتاً پتھر سے نمودار ہوئی ہے اور بے حساب دودھ دیتی ہے۔ یہ اللہ کی قدرت اور میری نبوت و رسالت کی نشانی ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق میری صداقت ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی ظاہری سبب کے بغیر ایک دم پتھر سے نکلی ہے۔ یہی اونٹنی آگے چل کر تمہاری ہلاکت اور عذاب کا پیش خیمہ بنے گی۔

پس تم اس کو کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چرتی پھرے۔ اسی طرح پانی کے بارے میں اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو کہ جتنا چاہے پئے۔ تم اس میں رکاوٹ نہ بنو کیونکہ اللہ کی اونٹنی کا حق سب پر مقدم ہے۔ یہ اونٹنی اس قدر فربہ اور دراز تھی کہ دوسرے جانور اس کو دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔ اے میری قوم کے لوگو! تم اس کو بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تمہیں مہلت بھی نہ ملے گی۔

حضرت صالحؑ کی قوم نے ان کی نصیحت کے باوجود اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ یہ دیکھ کر حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اچھا اب تم لوگ تین دن اپنے گھروں میں اور گزار لو، اس کے بعد تم پر اللہ کا عذاب آجائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا وعدہ ہے کہ اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔ تین دن کے بعد تم غارت ہو جاؤ گے۔ چنانچہ بدھ کے روز جو تین روزہ مہلت میں سے پہلا دن تھا، ان کے چہرے زرد ہو گئے، پھر جمعرات کے روز سرخ اور جمعہ کو سیاہ ہو گئے اور ہفتہ کے دن ان پر عذاب نازل ہوا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۶۵،۵۶۶ / ۳)

قومِ صالح پر عذاب

۶۶، ۶۸ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ
مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ○
وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ

جٰثِمِیْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝

پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے (حضرت) صالح اور ان کے ساتھیوں کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان کو اس دن کی رسوائی سے نجات دی ۔ بیشک آپ کا رب ہی قوت (اور) غلبہ والا ہے اور ان ظالموں کو ایک ہولناک آواز نے آلیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ۔ گویا کہ وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ ہوئے تھے، دیکھو! (قوم) ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا ۔ دیکھو! (قوم) ثمود پر پھٹکار ہوئی ۔

تشریح: پھر جب مہلت کا وقت گزرنے کے بعد ہمارے عذاب نے ان کو آلیا تو اس وقت ہم نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، محض اپنے فضل و مہربانی سے اس عذاب سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی اور ہلاکت سے محفوظ رکھا ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہایت قوت اور غلبہ والا ہے ۔ وہ جسے چاہے ہلاک و برباد کردے اور جسے چاہے محفوظ و مامون کر دے ۔ یہ ظالم لوگ سب کے سب ایک چنگھاڑ سے ہی اپنے گھروں میں ایسے اوندھے پڑے رہ گئے گویا کہ وہ ان گھروں میں رہتے ہی نہ تھے ۔ خوب سن لو! یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کا کفر کیا ۔ خوب سن لو! ان کے کفر کے سبب ان کو اللہ کی رحمت سے دور پھینک دیا گیا اور وہ ایسے ہلاک و برباد ہوئے کہ ان کا نام و نشان بھی نہ رہا ۔

یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت صالح کی قوم ایک سخت آواز کے ذریعہ ہلاک کی گئی ۔ لیکن سورہ اعراف میں یہ آیا ہے کہ ان کو زلزلے نے آپکڑا ۔ قرطبی نے اس بارے میں فرمایا کہ اس میں کوئی تضاد نہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے زلزلہ آیا ہو، پھر سخت آواز سے سب ہلاک کر دیئے گئے ہوں ۔ علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ شاید نیچے سے زلزلہ اور اوپر سے ہولناک آواز آئی ہو ۔

(روح المعانی ۹۰، ۹۳ / ۱۲، عثمانی ۱/۴۷۱)

حضرت ابراہیم ؑ کے مہمان

۶۹، ۷۰ ۔ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ

سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ○ فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَاتَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ، قَالُوْا لَاتَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ○

اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (حضرت) ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے۔ انہوں نے سلام کیا۔ (حضرت) ابراہیم نے بھی سلام کیا۔ پھر دیر نہ کی کہ (حضرت) ابراہیم (کھانے کے لئے) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ پھر جب (حضرت) ابراہیم نے دیکھا کہ ان (فرشتوں) کے ہاتھ کھانے پر نہیں پہنچتے تو وہ ان کو اجنبی سمجھے اور ان سے ڈرے۔ وہ کہنے لگے کہ ڈرو نہیں، ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

عِجْلٍ: بچھڑا۔ گائے کا بچہ۔ جمع عُجُوْلٌ۔

حَنِيْذٍ: بھنا ہوا۔ تلا ہوا۔ حَنْذٌ سے صفت شبہ بمعنی مفعول۔

لَبِثَ: وہ رہا۔ وہ ٹھہرا۔ لُبْثٌ سے ماضی۔

نَكِرَ: وہ انجان ہوا۔ اس نے ان کو نہیں پہچانا۔ نَكَارَةٌ سے ماضی۔

اَوْجَسَ: اس نے دل میں محسوس کیا۔ وہ جی میں گھبرایا۔ اِیْجَاسٌ سے ماضی۔

تشریح: یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند فرشتوں کو اولاد کی بشارت دینے کے لئے حضرت ابراہیم کے پاس بھیجا، جو انسانی شکل میں تھے۔ حضرت ابراہیم نے انہیں انسان سمجھ کر ان کی مہمان نوازی شروع کر دی اور نہایت فربہ بچھڑے کا بھونا ہوا گوشت لا کر ان کے سامنے رکھا۔ مگر وہ چونکہ فرشتے تھے اور کھانے پینے سے پاک اس لئے انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اس زمانے کے دستور کے موافق جو مہمان کھانے سے انکار کرتا اس کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ کسی اچھے خیال سے نہیں آیا۔ جب انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ یہ مہمان نہیں معلوم ہوتے، ممکن ہے کسی فساد کی نیت سے آئے ہوں۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں، ہم تو فرشتے ہیں جو قوم لوط کو تباہ کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

طبریؒ نے نقل کیا ہے کہ فرشتوں نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کیا تھا کہ ہم مفت کا کھانا نہیں کھاتے۔ اگر آپ قیمت لے لیں تو ہم کھانا کھا لیں گے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں فرمایا

کہ ہاں اس کھانے کی ایک قیمت ہے وہ ادا کر دو ۔ وہ قیمت یہ ہے کہ شروع میں اللہ کا نام لو اور آخر میں اس کی حمد کرو ۔ حضرت جبرائیل نے یہ سن کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو خلیل بنایا ہے یہ اسی کے مستحق ہیں ۔

(عثمانی ۶۴۶، ۶۴۷ / ۱، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۴۶ / ۴)

حضرت سارہ کو بشارت

۷۱، ۷۳۔ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

اور (حضرت) ابراہیم کی بیوی (حضرت سارہ کہیں) کھڑی ہوئی (یہ گفتگو سن رہی تھیں) تب وہ (خوشی میں آکر) ہنس پڑیں ۔ پھر ہم نے ان کو (حضرت) اسحاق اور ان کے بعد (حضرت) یعقوب کے (پیدا ہونے کی) بشارت دی ۔ (حضرت) سارہ کہنے لگیں کہ ہائے خرابی ہو ۔ کیا میں بڑھیا ہو کر بچہ جنوں گی اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے ۔ یہ تو ایک عجیب بات ہے ۔ فرشتوں نے (حضرت سارہ سے) کہا کہ کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو ۔ اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں ۔ بیشک وہ حمد کے قابل (اور) بڑی شان والا ہے ۔

ضَحِكَتْ : وہ ہنسی ۔ ضِحکٌ سے ماضی ۔

وَّرَآءِ : پس پشت ۔ پیٹھ پیچھے ۔

يٰوَيْلَتٰى : ہائے میری شامت ۔ ہائے خرابی ہو ۔

عَجُوْزٌ : بوڑھی عورت ۔ جمع عجائزُ ۔

بَعْلِىْ : میرا خاوند ۔ میرا شوہر ۔

تشریح: حضرت سارہ وہاں کھڑی ہوئی فرشتوں کی گفتگو سن رہی تھیں۔ بڑھاپے میں اولاد کی خوش خبری سن کر ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ کیا میں اس بڑھاپے میں اولاد جنوں گی اور میرے یہ شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بہت ہی اچنبھے کی بات ہے۔ حضرت سارہ کی عمر بقول ابن اسحاق ۹۰ سال اور بقول مجاہد ۹۹ سال تھی جبکہ حضرت ابراہیم کی عمر بقول ابن اسحاق ۱۲۰ سال اور بقول مجاہد ۱۰۰ سال تھی اور بشارت کے ایک سال بعد لڑکا پیدا ہوا۔ یہ بشارت حضرت سارہ کو شاید اسی لئے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیم کی پہلی بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے ایک بیٹا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پہلے ہی موجود تھا۔ حضرت سارہ کو بھی بیٹے کی تمنا تھی مگر وہ بوڑھی ہو کر مایوس ہو چکی تھیں۔

فرشتوں نے کہا کہ جس گھرانے پر اللہ کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہی ہوں اور جنہیں ہمیشہ معجزات و خوارق دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا ہو انہیں اللہ کی قدرت پر تعجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا۔ پس وہ چیز ہو جاتی ہے بلاشبہ وہ نہایت قابلِ ستائش اور بڑی شان والا ہے۔

(عثمانی ۶۴۲ / ۱، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۴۶، ۶۴۸ / ۴)

حضرت ابراہیمؑ کا فرشتوں سے مکالمہ

۷۴-۷۶، فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝

پھر جب (حضرت) ابراہیم کے دل سے خوف دور ہو گیا اور ان کے پاس (بیٹا ہونے کی) بشارت آچکی تو وہ ہم سے قومِ لوط کے معاملے میں جھگڑنے لگے۔ بیشک (حضرت) ابراہیم بڑے حلیم، رحم دل اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔ (فرشتوں نے کہا) اے ابراہیم اس بات کو چھوڑو (کیونکہ) آپ کے رب کا حکم آچکا ہے اور اب تو ان پر عذاب آکر ہی رہے گا۔ اب وہ ٹلنے والا نہیں۔

اَلرَّوْعُ: ڈر۔ خوف۔ مصدر ہے۔

یُجَادِلُنَا: وہ ہم سے جھگڑا کرتا ہے۔ مُجَادَلَۃٌ سے مضارع۔

اَوَّاهٌ: بہت آہ کرنے والا۔ دردمند۔ رحم دل۔ اَوْہٌ سے مبالغہ۔

مُّنِیْبٌ: رجوع کرنے والا۔ گڑگڑانے والا۔ اِنَابَۃٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب حضرت ابراہیمؑ کے دل سے وہ خوف جاتا رہا جو مہمانوں کے کھانا نہ کھانے سے طاری تھا اور ان کو مہمانوں کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ وہ فرشتے ہیں اور خوف کی جگہ حضرت اسحاق و یعقوب کی پیدائش کی بشارت نے لے لی تو حضرت ابراہیم ہمارے قاصدوں سے قومِ لوط کے بارے میں بحث مباحثہ کرنے لگے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں سے کہا کہ اگر (حضرت) لوط کی بستیوں میں پچاس مومن ہوں گے تو کیا تم ان کو ہلاک کردو گے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ نہیں پھر فرمایا کہ اگر چالیس مومن ہوں؟ فرشتوں نے کہا کہ نہیں۔ اگر تیس ہوں، فرشتوں نے کہا نہیں۔ اسی طرح آپ پانچ تک پہنچے اور فرشتے نہیں کہتے رہے۔ آخر آپ نے فرمایا کہ اگر وہاں ایک مسلمان ہو گا تو کیا تم اس کو ہلاک کر دو گے۔ فرشتوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا وہاں (حضرت) لوط موجود ہیں (اس لئے ان بستیوں کو ہلاک نہ کرو)۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ وہاں کون کون (مومن) موجود ہے۔ (حضرت) لوط کو اور ان کی بیوی کے سوا ان کے دیگر گھر والوں کو بچالیں گے۔ ان کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں (اور ہلاک ہو جانے والوں میں) شامل ہو گی۔

حضرت ابراہیمؑ نے قومِ لوط کو ہلاک نہ کرنے کے متعلق فرشتوں سے جو بحث و مباحثہ کیا تھا۔ اس کی وجہ آپ کی فطری شفقت، نرم خوئی اور رحم دلی تھی۔ حضرت ابراہیم اس قوم پر ترس کھا کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کچھ سفارش کرنا چاہتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ اس خیال کو چھوڑ دیجئے۔ آپ کے رب کی طرف سے قضاءِ ازلی کے موافق قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کا حکم ہو چکا ہے۔ اب عذاب آکر رہے گا جو کسی سفارش یا دعا وغیرہ سے نہیں ٹل سکتا۔ (عثمانی ۶۴۸/۱، مظہری ۳۹، ۵/۴۰)

قومِ لوط کی بے حیائی

۷۷۔۸۰۔ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا
وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۗ
وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۗ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىْ
هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِىْ ضَيْفِىْ ۗ اَلَيْسَ
مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے حضرت) لوط کے پاس آئے تو وہ ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگدل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج تو بڑی مصیبت کا دن ہے اور ان کی قوم ان کے پاس دوڑی ہوئی آئی اور یہ لوگ پہلے ہی سے برے کام کیا کرتے تھے۔ (حضرت) لوط نے کہا اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں (موجود) ہیں وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں (ان سے نکاح کر لو) پس اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رسوانہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں۔

سِيٓءَ: وہ غمگین ہوا۔ وہ ناخوش ہوا۔ سُوْءٌ سے ماضی مجہول۔

ضَاقَ: وہ تنگ دل ہوا۔ ضَيْقٌ و ضِيْقٌ سے ماضی۔

ذَرْعًا: دل۔ طاقت۔ مصدر ہے۔

عَصِيبٌ: کٹھن۔ سخت۔ بھاری۔ عَصْبٌ سے صفت شبہ بمعنی مفعول۔

يُهْرَعُوْنَ: وہ بے تحاشا دوڑائے جاتے ہیں۔ اِهْرَاعٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: یہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ سے گفتگو کرنے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ یہ نہایت حسین و جمیل، بے ریش، لڑکوں کی شکل میں تھے تاکہ قوم لوط کی پوری طرح آزمائش ہو جائے۔ حضرت لوط ان کو نہ پہچان سکے۔ وہ ان کو عام مہمان سمجھ کر اپنی قوم کی بے حیائی و بدخوئی سے فکر مند ہو گئے۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ اس نامعقول قوم کے ہاتھ نہ پڑ جائیں اور زبان سے بھی نکل گیا کہ آج کا دن بڑا سخت ہے۔ پھر جب بد بخت قوم کو ان خوبصورت لڑکوں کے بارے میں پتہ چلا تو وہ حضرت لوط کے مکان پر چڑھ دوڑے اور ان سے مہمانوں کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا کیونکہ وہ پہلے بھی بری حرکتیں کرتے رہتے تھے۔

اس وقت حضرت لوط علیہ السلام ان کو نصیحت کرنے لگے کہ تم اللہ سے ڈرو اور اس بد خصلت کو چھوڑ دو، اپنی خواہش عورتوں سے نکاح کر کے حلال طریقے پر پوری کیا کرو۔ یہ میری لڑکیاں ہیں تم ان سے نکاح کر لو۔ یہی شائستہ اور پاکیزہ طریقہ ہے۔ یہ میرے مہمان ہیں۔ تم کم از کم میری عزت کا ہی خیال کر لو اور مجھے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک بھی سمجھ دار آدمی نہیں۔ (عثمانی ۶۴۸، ۶۴۹ / ۱، ابن کثیر ۴۵۳ / ۲)

اس وقت کافر کا نکاح مسلمان عورت سے جائز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی کافر و مومن کے درمیان ازدواجی رشتہ جائز تھا۔ بعد میں شریعتِ اسلامیہ میں کافروں سے نکاح کو حرام قرار دے دیا گیا۔

قومِ لوط کا جواب

۷۹، ۸۰۔ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِکَ مِنْ حَقٍّ ج وَاِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ○ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ○

وہ کہنے لگے کہ تجھے معلوم ہے ہمیں تیری بیٹیوں سے کوئی غرض نہیں اور تم ہمارے ارادے سے خوب واقف ہو۔ (حضرت) لوط نے کہا۔ کاش مجھ میں تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی یا میں کسی مستحکم پناہ میں جا بیٹھتا۔

تشریح: حضرت لوط کی قوم کے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ تو جانتے ہیں کہ آپ کی لڑکیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں، ان سے ہمارا نکاح نہیں ہوا، اس لئے ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ آپ یقیناً ہمارے ارادے سے واقف ہیں۔ لہٰذا اب جھگڑے اور نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں۔

جب حضرت لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی نصیحت کا قوم پر کوئی اثر نہیں تو انہوں نے ان کو دھمکایا کہ اگر مجھ میں تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی یا کوئی میرا مضبوط اور زور دار کنبہ قبیلہ ہوتا تو میں تمہیں تمہاری اس شرارت کا مزہ چکھا دیتا۔

حضرت لوطؑ کو فرشتوں کی تسلی

۸۱۔ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ
بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ ؕ اِنَّهٗ
مُصِیْبُھَا مَآ اَصَابَھُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَھُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ
بِقَرِیْبٍ ۝

(فرشتوں نے) کہا کہ اے لوط! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں۔ یہ لوگ تم تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ سو جب رات کا کچھ حصہ باقی رہ جائے تو تم اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے، مگر تمہاری بیوی (ساتھ نہ جائے گی) بیشک اس پر بھی وہی مصیبت آنے والی ہے جو ان لوگوں پر آئے گی۔ بیشک ان کی تباہی کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے۔ کیا صبح قریب نہیں۔

تشریح: حضرت لوطؑ نے اندر سے دروازہ بند کر رکھا تھا اور اندر ہی سے قوم کے بدبختوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ جب لوگوں نے دروازہ توڑ کر اندر گھسنا چاہا تو حضرت لوط کا اضطراب و قلق انتہا کو پہنچ گیا۔ اس وقت فرشتوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور کہا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور اس قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ خبیث ہمارا تو کیا بگاڑیں گے یہ تو آپ تک بھی ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ اس لئے آپ بالکل پریشان اور فکر مند نہ ہوں۔ آپ رات کے آخری حصہ میں اپنے اہل و عیال کو لے کر یہاں سے نکل جائیے اور سیدھے اپنے راستے پر چلتے جائیے۔ قوم کے لوگوں کی آہ و بکا اور ان کے چیخنے چلانے پر کسی کو پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھنا چاہئے۔ پھر حضرت لوط کی بیوی کا پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے سے استثنا کر دیا کہ وہ اس حکم کی پابندی نہیں کر سکے گی اور وہ عذاب کے وقت قوم کی ہائے دہائی سن کر پیچھے مڑ کر دیکھے گی، کیونکہ اللہ کے ہاں اس کا بھی اس کی قوم کے ساتھ ہلاک ہونا طے ہو چکا ہے۔ چنانچہ عذاب نازل ہونے پر وہ قوم کا شور سن کر صبر نہ کر سکی۔ اس نے مڑ کر قوم کی طرف دیکھا اور زبان سے نکل گیا کہ ہائے میری قوم۔ اسی وقت آسمان سے ایک پتھر اس پر آگرا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی تسلی کے لئے ان کو بتایا کہ اس خبیث قوم کی ہلاکت صبح ہوتے ہی ہو جائے گی اور صبح اب

بالکل قریب ہے۔ (ابن کثیر ۲/۴۵۴، عثمانی ۱/۶۵۰)

قومِ لوط پر عذاب

۸۲، ۸۳۔ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا
حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ مَّنْضُودٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۚ وَمَا
هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝

پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے کر دیا اور ہم نے ان پر کھنگر کے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے۔ جن پر آپ کے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے اور یہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔

سِجِّيلٍ: کنکر۔ کھنگر۔ سنگ گل۔ سخت چیز۔

مَنْضُودٍ: تہ بہ تہ۔ جمایا ہوا۔ گھنا۔ نَضْدٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: صبح ہوتے ہی اللہ کا عذاب آگیا۔ حضرت جبرائیلؑ نے ان کی بستیوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر نیچے پٹخ دیا۔ اس طرح سب بستیاں تہ و بالا ہو گئیں۔ پھر ان کی ذلت و رسوائی کی تکمیل کے لئے آسمان سے پکی مٹی کے پتھر اور جھانوے برسنے لگے، جو پے در پے اور ایک کے بعد ایک برس رہے تھے۔ ان پتھروں پر قدرتی طور پر ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جس پتھر پر جس کا نام لکھا ہوا تھا وہ اسی پر گرتا تھا۔ جو لوگ شہر کی آبادی سے الگ دوسرے مقامات پر تھے وہ انہیں مقامات پر ہلاک کر دیئے گئے جہاں وہ تھے۔ اگر کوئی شخص کسی جگہ کھڑا ہوا کسی سے باتیں کر رہا تھا تو وہیں آسمان سے پتھر آیا اور اس کو ہلاک کر گیا۔ غرض جو جہاں تھا، وہیں پتھر سے ہلاک کر دیا گیا اور ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔ پھر فرمایا کہ اس طرح کا عذاب ایسے ظالموں سے اب بھی کچھ دور نہیں اس لئے ہمیشہ اللہ کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ (روح المعانی ۱۲/۱۱۲، ۱۱۴)

تفسیر نسفی میں ہے کہ آیت کے آخری حصہ میں اہلِ مکہ کے لئے وعید ہے اور بیضاوی میں ہے کہ ہر ظالم کے لئے وعید ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ یہاں آپ کی امت کے ظالم مراد ہیں۔ ان میں سے کوئی ظالم ایسا نہیں کہ وہ پتھر کے نشانے پر نہ ہو جو کسی وقت بھی اس پر گر سکتا ہے۔ بعض کے نزدیک ضمیر "ھی" بستیوں کے

لئے ہے ۔ یعنی یہ بستیاں مکہ کے ظالموں سے بہت قریب ہیں ۔ اہلِ مکہ اپنے شام کے سفروں میں ان بستیوں کے پاس سے گزرتے ہیں ۔ (بیضاوی ۱۹۰، تفسیر نسفی ۲۰۰ / ۲)

اہلِ مَدْیَنْ کا واقعہ

۸۴۔۸۶ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ
مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْٓ اَرٰىکُمْ
بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ○ وَیٰقَوْمِ
اَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ○ بَقِیَّتُ اللّٰہِ
خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ○

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی (حضرت) شعیب کو بھیجا ۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو کیونکہ میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تمہارے متعلق ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو سب کو گھیرلے گا اور اے میری قوم! ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کر کے دیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں کمی کر کے نہ دیا کرو اور نہ زمین میں فساد مچاتے پھرو ۔ اللہ کا دیا ہوا جو کچھ (حلال مال) بچ جائے وہ تمہارے لئے (حرام کمائی سے) بہتر ہے اگر تم مومن ہو ۔ اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں ۔

اَلْمِکْیَالَ: غلہ ناپنے کا پیمانہ ۔ کَیْلٌ سے اسم آلہ ۔

تَبْخَسُوْا: تم کم دینے لگو ۔ تم گھٹانے لگو ۔ بَخْسٌ سے مضارع ۔

تَعْثَوْا: تم فساد مچاؤ ۔ تم پھرو ۔ عَثْیٌ سے مضارع ۔

تشریح: عرب کے شمال مغربی حصہ کے بیابانوں میں ایک بستی کا نام مدین ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام بحرِ قلزم عبور کر کے کوہِ سینا اور اس کے اطراف میں بنی اسرائیل کو لئے پھرتے تھے ۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے جو عرب میں آکر آباد ہو گئے تھے ۔ ان

کی نسل کے لوگ یہاں رہتے تھے۔ اس لئے اس بستی یا قبیلے کو مدین کہا جاتا ہے۔ مدین کا اطلاق قبیلہ اور شہر دونوں پر ہوتا ہے۔ اہلِ مدین میں سے ایک شخص (حضرت شعیب) کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ آپ نہایت فصیح و بلیغ گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر اہل مدین کی طرف بھیجا جو نہایت شریر اور بت پرست تھے۔ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، رہزن تھے اور کھوٹے سکے چلاتے تھے اور بڑے سرمایہ دار تھے۔ آج کل کے سرمایہ داروں کی طرح یہ لوگ بھی اپنے اموال کے بارے میں یہی کہتے تھے کہ ہم ان کے تصرف میں آزاد و خود مختار ہیں۔ جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں۔

حضرت شعیبؑ شریف النسب اور اعلیٰ خاندان کے تھے اور اسی قوم میں سے تھے۔ اسی لئے قرآن کریم نے ان کے لئے "اخاھم" (ان کا بھائی) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آپ نے بھی انبیاء علیہم السلام کے طریقے کے مطابق اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دیا جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہی دعوتِ توحید تمام عقائد اور اعمال کی روح ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ تول میں کمی کرنے سے منع کیا کہ کسی کا حق نہ مارو اور اللہ کا یہ احسان یاد رکھو کہ اس نے تمہیں فارغ البال اور آسودہ حال کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری مشرکانہ روش اور ظالمانہ حرکتوں کی وجہ سے تمہاری خوشحالی بدحالی سے بدل جائے۔ لہٰذا تم اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔ ناپ تول میں کمی نہ کرو، لین دین میں پورا پورا عدل و انصاف کرو اور زمین میں فساد اور تباہی نہ پھیلاؤ۔ اگر تم مومن ہو تو یقین رکھو کہ صحیح صحیح ناپ تول کر دینے کے بعد جو کچھ اللہ کا دیا ہوا حلال مال تمہارے پاس بچ جائے وہ تمہارے لئے اس حرام مال سے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کمی کر کے حاصل کرتے ہو۔ میں کوئی تمہارا نگہبان نہیں کہ زبردستی تمہیں برائیوں سے بچا لوں اور نیک راہ پر چلا دوں۔ میں تو صرف نصیحت کرنے اور اللہ کا حکم پہنچانے والا ہوں۔ تم مانو یا نہ مانو، میرا کام تو حکم پہنچانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

(روح المعانی ۱۱۴، ۱۱۶/ ۱۲، مظہری ۴۶، ۴۸/ ۵)

قومِ مَردود کا جواب

۸۷۔ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ

اَنۡ نَّفۡعَلَ فِیۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّکَ لَاَنۡتَ الۡحَلِیۡمُ الرَّشِیۡدُ ○

وہ کہنے لگے۔ اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے یا ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں۔ بس تو ہی تو بڑا باوقار اور نیک چلن رہ گیا ہے۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کثرت سے نماز پڑھتے تھے۔ ان کی قوم ان کو نماز پڑھتا دیکھتی تو تمسخر کے طور پر ان سے یہ کہتی کہ اے شعیب! ہم نے آپ کا وعظ و نصیحت سن لی۔ کیا آپ کی نماز اور عبادت آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے آباء واجداد پوجتے تھے اور کیا ہم آپ کے کہنے سے سب بتوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود کے ہو جائیں یا ہم اپنے مالوں میں سے حسبِ منشا تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ہم تو اپنے مالوں کے مالک و مختار ہیں۔ جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں۔ ہمارے خیال میں تو آپ بڑے سنجیدہ اور ہدایت یافتہ ہیں ہم تو گمان بھی نہیں کرتے تھے کہ آپ ایسی بات کہیں گے۔

آج کل کے سرمایہ دار بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرمایہ کے مالک اور مختار ہیں اور اس کے کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہیں۔ ان کے نزدیک حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے کوئی معنی نہیں۔ شریعت یہ کہتی ہے کہ تم اپنے اموال کے مالک تو ہو مگر مطلق اور حقیقی مالک نہیں۔ تمہارے وجود اور تمہارے اموال کا حقیقی اور مطلق مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ تم سب اس کے بندے اور غلام ہو۔ تم اپنے تمام امور میں اس کے نازل کردہ قوانین و احکام کے پابند ہو۔ تم نے یہ مال و دولت اس کے عطا کردہ اعضاء اور قدرت سے کمائی ہے۔ اس لئے تمہیں اس کے احکام کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں۔ اگرچہ اس نے اپنے فضل و رحمت سے تمہیں ان اموال کی عارضی ملکیت عطا فرما دی ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم قانونِ شریعت کی حدود و قیود اور اس کے اوامر و نواہی سے آزاد ہو کر جو چاہو تصرف کرو۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۷۹ / ۳)

قوم کو حضرت شعیبؑ کا جواب

۸۸، ۹۰ قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَ رَزَقَنِیۡ مِنۡهُ

رِزْقًا حَسَنًا ، وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ، اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ، وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ، وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ○ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ، اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ○

(حضرت) شعیب نے کہا کہ اے میری قوم! اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اچھا رزق عطا فرمایا (تو پھر میں تمہاری بات کیسے مان لوں) اور میں نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے میں تمہیں منع کروں، میں خود ان کو کرنے لگوں۔ جہاں تک میری استطاعت میں ہے میں تو اصلاح چاہتا ہوں اور مجھے جو توفیق ہوتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اے میری قوم! میرے ساتھ تمہاری ضد اس کا سبب نہ بن جائے کہ تم پر بھی وہی مصیبت آپڑے جو قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح پر پڑ چکی ہے اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں۔ اور تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ پھر اسی کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب بہت مہربان (اور) محبت والا ہے۔

اُنِيْبُ: میں رجوع کرتا ہوں۔ اِنَابَةٌ سے مضارع۔

يَجْرِمَنَّكُمْ: وہ ضرور تمہیں آمادہ کرتا ہے۔ وہ ضرور تمہارا باعث بنے گا۔ جُرْمٌ سے مضارع بانون تاکید۔

شِقَاقِيْ: میری مخالفت۔ میری عداوت۔

تشریح: حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے مجھے فہم و بصیرت دے کر وہ صاف اور سیدھا راستہ دکھا دیا جو تمہیں نظر نہیں آتا، میں تمہیں اسی کی طرف بلا رہا ہوں۔ اس نے مجھے اپنی مہربانی سے بہترین روزی دے رکھی ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ان انعامات کے باوجود حق کی طرف سے آنکھیں بند کر لوں اور اللہ کے احکام سے روگردانی کرنے لگوں یا تمہارے استہزاء اور تمسخر سے گھبرا کر تمہیں نصیحت کرنا چھوڑ دوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ

تمہاری خام خیالی ہے کہ میں ایسا کروں گا۔

میں یہ نہیں چاہتا کہ جن بری باتوں سے تمہیں روکتا ہوں، تم لوگوں سے علیحدہ ہو کر میں خود ان کو کرنے لگوں۔ میں تمہارے لئے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور تمہارے لئے وہی بات ناپسند کرتا ہوں جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں۔ میرا مقصد تو محض اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا ہے۔ البتہ میرے ارادے کی کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور میں تمام مصائب و حوادث میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ میری عداوت اور بغض میں آکر ایسی حرکتیں نہ کرو جو تمہیں گزشتہ اقوام کی طرح سخت عذاب کا مستحق بنا دیں۔ مثلاً حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی امتوں پر تکذیب و عداوت کی بدولت جو عذاب آئے وہ تم سے پوشیدہ نہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ تو ان سب کے بعد ماضی قریب میں ہوا ہے۔ اس کی یاد تو تمہارے حافظہ میں تازہ ہوگی۔ ان سب واقعات کو فراموش نہ کرو۔

پس تم اپنے رب سے گزشتہ شرک و معاصی کی معافی مانگو، اسی کی طرف رجوع کرو، آئندہ اس کے احکام کی تعمیل کرو اور ممنوعات سے پرہیز کرو۔ بلاشبہ میرا رب توبہ کرنے والے مومنوں پر بڑا مہربان اور ان سے بڑی محبت کرنے والا ہے۔ (عثمانی ۶۵۲ / ۱، ابن کثیر ۴۵۶، ۴۵۷ / ۲)

قوم کی ہٹ دھرمی

۹۱۔ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا
ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ○

انہوں نے کہا اے شعیب! تیری بہت سی باتیں، ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور اپنے درمیان، ہم تو تجھے کمزور دیکھ رہے ہیں اور اگر تیرے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تجھے سنگسار کر ڈالتے اور ہماری نگاہ میں تیری کچھ عزت نہیں۔

نَفْقَهُ: ہم سمجھتے ہیں۔ فِقْهٌ سے مضارع۔

رَهْطُكَ: تیری برادری۔ تیرا قبیلہ۔ دس افراد سے کم کی جماعت۔

رَجَمْنٰكَ: ہم نے تجھ پر پتھراؤ کیا۔ ہم نے تجھ کو سنگسار کیا۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ ان کی وعظ و نصیحت کے بعد ہٹ دھرمی اور عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ آپ کی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں حالانکہ وہ سب سمجھتے تھے۔ آپ کا یہ کہنا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، شرک و بت پرستی چھوڑ دو اور ناپ تول میں کمی نہ کرو، یہ سب آپ کے خیالاتِ فاسدہ ہیں۔ یہ قابل توجہ نہیں۔ یوں بھی ہم تو آپ کو اپنے درمیان کمزور و ناتواں اور بے حقیقت آدمی دیکھتے ہیں۔ اگر ہم آپ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو آپ کے اندر اپنے دفاع کی بھی طاقت نہیں۔ ہمیں تو آپ کے قبیلے کے ان لوگوں کا خیال آتا ہے جو ہمارے ساتھ ہیں ورنہ اب تک تو ہم آپ کو سنگسار کر چکے ہوتے کیونکہ ہماری نظر میں آپ کی کوئی عزت و توقیر نہیں جو ہمیں سنگساری سے روک سکتی۔

قوم کو عذاب کی خبر

۹۲، ۹۳ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ○

(حضرت) شعیب نے کہا کہ اے میری قوم! کیا میرے خاندان کا دباؤ تم پر اللہ سے بھی زیادہ ہے۔ اس کو تو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ بیشک میرا رب تمہارے سب اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اے قوم! تم اپنی جگہ کام کرتے رہو، میں بھی کام کرتا ہوں۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

يُخْزِيْهِ: وہ اس کو ذلیل کرے گا۔ وہ اس کو رسوا کرے گا۔ اِخْزَاءٌ سے مضارع۔

اِرْتَقِبُوْا: تم انتظار کرو۔ اِرْتِقَابٌ سے امر۔

تشریح: قوم کی ہٹ دھرمی کے جواب میں حضرت شعیبؑ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تعجب اور افسوس ہے تمہاری حالت پر کہ میری نبوت و رسالت تو تمہیں میری سنگساری سے

نہیں روکتی بلکہ میرے قبیلے اور خاندان کی قوت تمہیں میری سنگساری سے روکتی ہے۔ کیا میرا کنبہ اور برادری تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ عزت والا ہے کہ تم نے اس کا لحاظ کیا اور جس اللہ نے مجھے واضح دلائل کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا ہے اس کا لحاظ نہیں کرتے اور نہ اس کے احکام کی پرواہ کرتے ہو۔ یاد رکھو! بہت جلد تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا کیونکہ تمہارا کوئی عمل میرے رب سے پوشیدہ نہیں۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

پھر اپنی قوم کی طرف سے مایوس و ناامید ہو کر قوم سے کہا کہ اچھا تم اپنا کام کئے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ذلت و خواری کا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے۔ اب تم بھی اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸۲ / ۳)

قومِ شعیب پر عذاب

۹۴، ۹۵ وَلَمَّا جَاۤءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝

اور جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے (حضرت) شعیب اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے بچالیا اور ان ظالموں کو ایک سخت کڑک نے آپکڑا، سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کہ وہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے۔ دیکھو! مدین پر پھٹکار پڑی۔ جیسی پھٹکار ثمود پر پڑی تھی۔

اَلصَّيْحَةُ: چیخ۔ کڑک۔ ہولناک آواز۔

اَصْبَحُوْا: وہ ہو گئے۔ اِصْبَاحٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

جٰثِمِيْنَ: زانو کے بل گرے ہوئے۔ اوندھے پڑے ہوئے۔ جُثُوْمٌ سے اسم فاعل۔

يَغْنَوْا: وہ قیام کرتے ہیں۔ وہ بستے ہیں۔ وہ رہتے ہیں۔ غَنِيٌّ سے مضارع۔

تشریح: پھر جب عذاب کے لئے ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے دونوں فریقوں میں سے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی خاص رحمت سے آسمانی

عذاب سے بچالیا اور ان ظالموں کو جنہوں نے شرک و معصیت سے اپنے او پر ظلم کر رکھا تھا ایک سخت آواز نے آپکڑا، جس سے ایک دم سب کے دل پھٹ گئے اور سب ایک ساتھ ہلاک ہو گئے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں آباد ہی نہ تھے خوب سن لو کہ قومِ مدین کی ہلاکت اسی طرح ذلت و رسوائی کے ساتھ ہوئی، جس طرح قومِ ثمود ہلاک ہوئی تھی۔ (مواہب الرحمن ۸۳، ۸۴ / ۱۲)

فرعون کا انجام

۹۶، ۹۹۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَائِہٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ ۝ یَقْدُمُ قَوْمَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَاَوْرَدَھُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِیْ ھٰذِہٖ لَعْنَۃً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن دلیل دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا۔ سو وہ لوگ تو فرعون ہی کی اتباع کرتے رہے اور فرعون کا حکم درست نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا پھر وہ ان کو آگ (دوزخ) میں پہنچائے گا۔ اور وہ (دوزخ) بہت ہی بری جگہ ہے جس میں وہ اتارے جائیں گے۔ اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی۔ برا انعام ہے جو ان کو دیا گیا۔

اَوْرَدَ: اس نے داخل کیا۔ اس نے پہنچایا۔ اِیْرَادٌ سے ماضی۔

وِرْدٌ: گھاٹ۔ اترنے کی جگہ۔ اسم ہے۔ جمع اَوْرَادٌ۔

رِفْدٌ: انعام۔ عطا۔ بخشش۔

تشریح: ہم نے حضرت موسیٰ کو بہت سے واضح معجزے دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا۔ تب بھی انہوں نے ان کا حکم نہ مانا۔ یہاں آیات سے توریت کی آیات مراد نہیں کیونکہ توریت کا نزول تو فرعون کے ڈوبنے کے بعد ہوا تھا بلکہ ان سے معجزات مراد ہیں

سلطن مبین سے مراد یا تو صرف عصاء کا معجزہ ہے جو سب سے زیادہ واضح اور غالب تھا یا آیات و سلطن، دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے یعنی معجزہ۔

پس وہ لوگ فرعون کے طریقہ پر ہی چلتے رہے جو کفر و سرکشی اور حد سے بڑھی ہوئی گمراہی پر مبنی تھا۔ قیامت کے روز فرعون اپنی قوم کا پیشوا ہوگا اور سب کو جہنم میں لے جائے گا۔ اگرچہ دنیا میں اس کی پیروی کرنے سے ان کو مال و متاع اور پسند کی چیزیں ملتی تھیں مگر آخرت میں اس کی پیشوائی میں چلتے ہوئے دوزخ میں جا گریں گے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ دنیا میں لعنت ان کے ساتھ رہی اور قیامت کے روز بھی وہ ملعون ہوں گے جہاں اہلِ محشر، حتیٰ کہ کافر بھی ان پر لعنت کریں گے۔ یہ بہت برا انعام ہے جو ان کو دیا جائے گا۔ (مظہری ۵۲، ۵۳ / ۵)

انبیاء کے واقعات بیان کرنے کی حکمت

۱۰۰، ۱۰۱۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝

یہ چند بستیوں کے حالات ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض بستیاں تو اب تک قائم ہیں اور بعض بالکل ختم ہو گئیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ پھر جب آپ کے رب کا حکم آپہنچا تو ان کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے، کچھ بھی کام نہ آئے اور ان معبودوں نے ہلاکت کے سوا ان کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے۔ بیشک اس کی گرفت سخت تکلیف دینے والی ہے۔

اَنْۢبَآءِ: خبریں۔ واحد نَبَأٌ۔
حَصِیْدٌ: کٹی ہوئی کھیتی۔ جڑ سے کٹا ہوا۔

تَتْبِیْب: نقصان پہنچانا۔ ہلاک کرنا۔ تباہ و برباد کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے واقعات کے بیان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ ان بستیوں کے رہنے والوں کے چند واقعات ہیں جو ہم نے آپ کے سامنے بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے بعض بستیاں تو اب تک قائم ہیں اور بعض مٹ چکی ہیں۔ آپ یہ واقعات لوگوں کو سنا دیجئے تاکہ لوگ ان کو سن کر عبرت پکڑیں۔ ایک امی کے لئے جس نے کہیں تعلیم حاصل نہ کی ہو ایسے عجیب و غریب واقعات کا بیان کرنا اس کی نبوت و رسالت کی کافی و شافی دلیل ہے کیونکہ ایسا علم وحی کے بغیر ناممکن اور محال ہے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کو ہلاک و برباد کر کے ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا بلکہ پہلے ان کو نصیحت کی، پھر نافرمانی میں مہلت دی، پھر بھی کفر و معصیت پر قائم رہ کر انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ پھر جب تیرے رب کا حکم آگیا تو ان کے وہ معبود جن کو وہ اللہ کے سوا پکار کرتے تھے، ان کے ذرا کام نہ آئے۔ یہی نہیں کہ یہ معبود ان کو ہمارے عذاب سے نہیں بچا سکے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ معبود ہی ان کی ہلاکت و تباہی کا باعث بنے۔

آپ کے رب کی پکڑ ایسی دردناک اور سخت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی بستی والوں کو ان کے گناہوں اور بداعمالیوں کے سبب پکڑ لیتا ہے تو ان کو رہائی دلانے کی کسی میں مجال نہیں ہوتی۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ **وکذلک اخذ ربک.....**

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸۵ / ۳، مواہب الرحمن ۹۰، ۹۱ / ۱۲)

کفر و تکذیب کا انجام

۱۰۳، ۱۰۵۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِکَ یَوْمٌ
مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِکَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ○ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا
لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ○ یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ
شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ○

بیشک ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی نشانی (عبرت) ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ یہ (آخرت کا دن) ایک ایسا دن ہو گا جس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کے پیش ہونے کا دن ہے اور ہم نے اس کو ایک مقررہ مدت کے لئے ملتوی کیا ہوا ہے۔ جب وہ دن آجائے گا تو کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات بھی نہ کر سکے گا۔ پھر ان میں سے کچھ بد بخت اور کچھ نیک ہوں گے۔

تشریح: جو لوگ آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے اللہ کی پکڑ میں یا گزشتہ اقوام کے واقعات میں بڑی عبرت ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جب اس دنیا میں اس کی پکڑ اور عذاب ایسا شدید ہے تو آخرت میں تو اس کی پکڑ اور بھی زیادہ سخت ہو گی۔ قیامت کے روز تمام لوگوں کو حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے جمع کیا جائے گا۔ اس دن اس کی گھبراہٹ دیکھنے کے لئے سب حاضر ہوں گے، کسی کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ حاضر نہ ہو۔ قیامت کا دن مقرر ہو چکا ہے۔ جب وہ مقررہ دن آجائے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ اگرچہ بظاہر دنیا کی مدت طویل ہے۔ مگر آخرت کے مقابلے میں بہت قلیل ہے۔ قیامت کے روز اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی مجال نہ ہو گی۔ اس روز کچھ لوگ تو نیک بخت ہوں گے اور کچھ لوگ بد بخت، نیک بخت وہ لوگ ہیں جو ازلی برگزیدہ و محبوب بندے ہیں، اور بد بخت اور بد اعمال وہ ہیں جن کے حق میں ازلی شقاوت مقدر ہو چکی ہے۔ (مواہب الرحمن ۹۱، ۹۴ / ۱۲)

اہلِ محشر کی قسمیں

۱۰۶، ۱۰۹۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ○
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ۔
اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ۔
عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ○ فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ مَا
يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۔ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ

نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ○

پھر جو بد بخت ہوں گے وہ تو دوزخ میں چیختے چلاتے رہیں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں۔ مگر یہ کہ آپ کا رب ہی (ان کو نکالنا) چاہے۔ بیشک آپ کا رب جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور جو لوگ نیک بخت ہیں سو وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں مگر یہ کہ آپ کا رب (نکالنا) چاہے (یہ) بے انتہا عنایت ہے۔ سو یہ لوگ جن چیزوں کی پرستش کرتے ہیں، ان کے بارے میں ذرا بھی شک نہ کرنا۔ یہ لوگ بھی اسی طرح (بلا دلیل غیر اللہ کی) پرستش کرتے ہیں جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے اور ہم یقیناً ان کو عذاب کا پورا پورا حصہ دیں گے۔

زَفِيْرٌ: چیخ و پکار کرنا۔ مصدر ہے۔

شَهِيْقٌ: چیخنا۔ چلانا۔ مصدر ہے۔

مَجْذُوْذٍ: کاٹا ہوا۔ منقطع کیا ہوا۔ جُذٌّ سے اسم مفعول۔

مِرْيَةٍ: شک۔ تردد

لَمُوَفُّوْهُمْ: البتہ ان کو پورا پورا دینے والے۔ تَوْفِيَةٌ سے اسم فاعل۔

نَصِيْبَهُمْ: ان کا حصہ۔ جمع نُصُبٌ۔

تشریح: اہلِ محشر دو قسم کے ہوں گے۔ ایک شقی اور دوسرے نیک بخت۔ پس جو لوگ بد بخت ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے، جہاں وہ تکلیف اور غم و الم کی شدت سے چیخیں چلائیں گے۔ وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے، جب تک کہ آسمان و زمین قائم رہیں۔ یہاں آسمان و زمین سے دنیاوی آسمان و زمین مراد نہیں بلکہ آخرت کے آسمان و زمین مراد ہیں۔ سو کفار کا عذاب ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ وہ جہنم سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان کو وہاں موت آئے گی۔ وہ اس وقت تک اس عذاب میں مبتلا رہیں گے جب تک آسمان و زمین باقی ہیں یا اس سے بھی زیادہ جب تک اللہ چاہے۔ بلاشبہ آپ کا رب جو چاہے اس کے کرنے پر خوب قادر ہے۔

جو لوگ نیک بخت ہیں یعنی ابتداء میں اگر کوئی آدمی کافر ہو یا کسی گناہ میں مبتلا ہو، پھر اس کے بعد وہ توبہ کر کے ایمان لے آئے اور پھر ایمان ہی کی حالت میں اسے موت آجائے تو وہ نیک بخت اور سعید ہے۔ ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک

کہ آخرت آسمان و زمین باقی رہیں گے یا اس قدر زائد جو مشیت الٰہی میں ہے۔ یعنی ان بندوں کو ایسی نعمت دی گئی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔

آپ کو ان معبودوں کے باطل ہونے میں، جن کو یہ لوگ پوجتے ہیں، شک کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان لوگوں کے پاس اپنے معبودوں کی عبادت کے لئے جہالت کے سوا کوئی قطعی دلیل نہیں کہ ہم تو وہی کریں گے جو ہمارے باپ دادا پہلے سے بلا دلیل بلکہ خلافِ دلیل کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم ان کو ان کے جرم کے مطابق پوری پوری سزا دیں گے اور اس میں ذرا بھی کمی نہیں کریں گے۔ اگر کوئی نیکی ہوگی تو اس کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں دے دیں گے۔ (مواہب الرحمن ۹۵، ۱۱۰ / ۱۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸۸، ۵۹۴ / ۳)

احکامِ شریعت میں اختلاف کرنا

۱۱۰، ۱۱۱۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ وَلَوْلَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ۝ وَاِنَّ کُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّکَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی سو اس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات مقرر نہ ہو چکی ہوتی (کہ یہ فیصلہ قیامت میں ہوگا) تو ان میں فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ اس (قرآن) کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جو ان کو مطمئن نہیں ہونے دیتا۔ اور بے شک آپ کا رب سب کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ بلاشبہ اس کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔

سَبَقَتْ: وہ سبقت کر چکی۔ وہ پہلے ہو چکی۔ سَبْقٌ سے ماضی۔

مُرِیْبٍ: شک میں ڈالنے والا۔ اِرَابَۃٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے فرمایا کہ جو لوگ آپ کی نبوت و رسالت اور قرآن کریم کے بارے اختلاف کرتے ہیں اور کوئی ایمان لاتا ہے اور کوئی انکار

کرتا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ تو سابقہ انبیاء کے ساتھ بھی ہوتا چلا آیا ہے۔ بلاشبہ جب ہم نے اپنے فضل و رحمت سے حضرت موسیٰ کو اس زمانے کے لوگوں کی ہدایت کے لئے توریت دی تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ بعض نے اس کو مانا اور اس کی تصدیق کی اور بعض نے اس کا انکار اور تکذیب کی۔ اگر ہم ازل میں بندوں کے درمیان فیصلے کے لئے ایک وقت مقرر نہ کر چکے ہوتے تو حق پرستوں اور باطل پرستوں کا فیصلہ ہم اسی دنیا میں کر دیتے کہ حق پرستوں کو بچا لیتے اور باطل پرستوں کو عذاب دے دیتے۔ مشرکین مکہ قرآن یا عذاب کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔ یقیناً قیامت کے روز سب لوگ اللہ کے سامنے جمع کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دے گا کیونکہ لوگ جو کچھ اعمال کرتے ہیں وہ اچھے ہوں یا برے وہ سب اللہ کو معلوم ہیں۔ ان کا کوئی عمل بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ (مظہری ۵۹، ۶۰ / ۵)

احکامِ الٰہی پر استقامت کا حکم

۱۱۲، ۱۱۳ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○

پھر آپ بھی اس پر قائم رہئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ آپ کے ساتھ کفر چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے ہیں (وہ بھی)۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ بلاشبہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ سب دیکھ رہا ہے اور ان ظالموں کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ چھولے گی اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ تمہاری مدد کی جائے گی۔

اِسْتَقِمْ: تو قائم رہ۔ تو ثابت قدم رہ۔ اِسْتِقَامَۃٌ سے امر۔

تَطْغَوْا: تم سرکشی کرو۔ تم زیادتی کرو۔ تم حد سے بڑھو۔ طُغْیَانٌ سے مضارع۔

تَرْكَنُوْا: تم جھک جاؤ۔ تم مائل ہو جاؤ۔ تُرْکٌ سے ماضی۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی دین کے راستہ پر اسی طرح مستقیم رہئے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ کفر سے توبہ کر کے آپ پر ایمان لے آئے ہیں وہ بھی اس پر

مستقیم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مقررہ کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کو اپنے ہر کام اور ہر حال میں استقامت پر رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ استقامت لفظ تو چھوٹا سا ہے مگر اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، کسب معاش اور اس کی آمد و صرف کے تمام ابواب میں اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کے اندر اس کے بتائے ہوئے راستہ پر سیدھا چلتا رہے۔ اگر ان میں سے کسی عمل اور کسی حال میں کسی ایک طرف جھکاؤ یا کمی یا زیادتی ہو جائے تو استقامت باقی نہیں رہتی۔

دنیا میں جتنی گمراہیاں اور خرابیاں آتی ہیں وہ سب اسی استقامت سے ہٹ جانے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ مثلاً عقائد میں استقامت نہ رہے تو بدعات سے شروع ہو کر کفر و شرک تک نوبت پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات کے متعلق جو معتدل اور صحیح اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے، ان میں افراط و تفریط یا کمی بیشی کرنے والے خواہ نیک نیتی ہی سے اس میں مبتلا ہوں وہ گمراہ کہلائیں گے۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام کی عظمت و محبت کی مقررہ حدود میں کمی کرنے والے گمراہ اور گستاخ ہیں اسی طرح ان میں زیادتی اور غلو کرکے رسول کو خدائی صفات و اختیارات کا مالک بنا دینا بھی گمراہی ہے۔ یہود و نصاریٰ اسی گمراہی میں کھوئے ہوئے تھے۔ جس طرح عبادات اور تقرب الی اللہ کے لئے جو طریقے قرآن کریم اور اللہ کے رسول نے متعین فرما دیئے، ان میں ذرا سی کمی یا کوتاہی انسان کو استقامت سے گرا دیتی ہے۔ اسی طرح ان میں اپنی طرف سے کوئی زیادتی بھی استقامت کو برباد کرکے ان کو بدعات میں مبتلا کر دیتی ہے۔

اسی طرح معاملات و اخلاق و معاشرت کے تمام ابواب میں قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصولوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی تعلیم کے ذریعہ ایک معتدل اور صحیح راستہ قائم کر دیا ہے، جس میں دوستی، دشمنی، نرمی، گرمی، غصہ اور بردباری، کنجوسی اور سخاوت، کسب معاش اور ترک دنیا، اللہ پر توکل اور امکانی تدبیر، اسباب ضروریہ کی فراہمی اور مسبب الاسباب پر نظر۔ ان سب چیزوں میں مسلمانوں کو ایک ایسا معتدل صراط مستقیم دیا ہے کہ عالم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ان کو اختیار کرنے سے ہی انسان، انسان کامل بنتا ہے اور استقامت سے ذرا گرنے ہی کے نتیجہ میں معاشرہ کے اندر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۷۰،۲۷۱/ ۴)

پھر فرمایا کہ ظالموں کی طرف ادنیٰ میلان بھی نہ رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے ساتھ

تمہیں بھی جہنم کی آگ چھو جائے، اس وقت اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی مدد گار نہ ہوگا اور نہ اللہ کی طرف سے تمہیں کچھ مدد ملے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ادنیٰ میلان سے مراد محبت اور دل کا جھکاؤ ہے۔ بیضاوی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ جب ظالموں کی طرف ادنیٰ جھکاؤ کا نتیجہ دوزخ ہے تو سمجھ لو کہ خود ظلم کرنے اور ظلم میں منہمک رہنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مغبوض وہ عالم ہے جو ظالم کی ملاقات کو جاتا ہے۔

حضرت اوسؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ظالم کو ظالم جانتے ہوئے قوت پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ جاتا ہے وہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھ مومنوں کو اس آیت میں خطاب کی غرض یہ ہے کہ وہ استقامت یعنی عدل پر ثابت قدم رہیں۔ افراط و تفریط کی طرف جھکاؤ سے اپنے اوپر ظلم ہو یا دوسرے پر وہ فی نفسہ ظلم ہی ہے۔

(مظہری ۶۰۔ ۶۲ / ۵۔ بیضاوی ۱۹۲)

اقامتِ صلوٰۃ کی تاکید

۱۱۴، ۱۱۵۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصہ میں نماز قائم کیجئے۔ بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ یاد رکھنے والوں کے لئے ایک نصیحت ہے اور صبر کرو کیونکہ اللہ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

طَرَفَيِ: دونوں طرف۔ دونوں کنارے۔

زُلَفًا: گھڑیاں۔ ساعتیں۔ حصے۔ واحد زُلْفَۃٌ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے آپ کی پوری امت کو اقامتِ صلوۃ کا حکم دیا ہے۔ علماء تفسیر، صحابہ و تابعین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں

"صلوۃ" سے مراد فرض نمازیں ہیں اور صلوۃ کی اقامت سے مراد ان کی پوری پابندی اور مداومت ہے۔ بعض کے نزدیک نماز کو اس کے تمام آداب کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے اور بعض نے کہا کہ نماز کو اس کے افضل وقت میں ادا کرنا مراد ہے۔ اقم الصلوۃ کی تفسیر میں یہی تین قول منقول ہیں۔ ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں۔ اقامتِ صلوۃ کے مفہوم میں یہ سب چیزیں آجاتی ہیں۔

اقامتِ صلوۃ کے حکم کے بعد، نماز کے اوقات کا اجمالی بیان ہے کہ دن کے دونوں سروں یعنی شروع اور آخر میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ پہلے سرے کی نماز، نمازِ فجر ہے۔ البتہ آخری سرے کی نماز کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض نے مغرب کی نماز کو آخری سرے کی نماز قرار دیا ہے کیونکہ وہ دن کے بالکل ختم پر ہے۔ اور بعض نے عصر کی نماز کو دن کے آخری سرے کی نماز قرار دیا ہے کیونکہ دن کی آخری نماز وہی ہے اور مغرب کا وقت دن گزرنے کے بعد آتا ہے۔ جمہور مفسرین نے رات کے حصوں کی نماز مغرب و عشاء کی نماز کو قرار دیا ہے۔ اس طرح اس آیت میں چار نمازوں کے اوقات کا بیان ہے۔ یعنی فجر، عصر، مغرب اور عشاء۔ البتہ یہاں ظہر کی نماز کا وقت بیان نہیں کیا گیا جو قرآن کریم کی دوسری آیت **اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ** میں آیا ہے۔

اس آیت میں مقررہ اوقات میں اقامتِ صلوۃ کے حکم کا ایک عظیم فائدہ بھی بتادیا گیا ہے کہ نیک کام برے کاموں کو مٹادیتے ہیں۔ نیک کام سے تمام نیک کام مراد ہیں جن میں نماز، روزہ، زکوۃ، صدقات، حسن خلق، حسن معاملہ وغیرہ سب داخل ہیں، مگر نماز کو ان سب میں اولیت حاصل ہے۔ اسی طرح برے کام سے تمام برے کام یعنی صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبٰٓئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ

(النساء۔ آیت ۳۱)

اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کو خود کفارہ کر دیں گے۔

پھر فرمایا کہ یہ قرآن یا اس کے مذکورہ احکام امر و نہی، ان لوگوں کے لئے ہدایت و نصیحت ہیں جو نصیحت سنتے اور مانتے ہیں۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہٹ دھرم اور ضدی آدمی جو کسی چیز پر غور ہی نہ کرے وہ ہر ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ آپ صبر و ثابت قدمی کے ساتھ

اقامتِ صلوۃ وغیرہ پر قائم رہیے۔ یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آپ مخالفین کی مخالفت اور ایذاؤں پر صابر و ثابت قدم رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔
(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶ / ۲۷،۸۔۶۷۷ / ۴، روح المعانی ۱۵۶، ۱۵۷ / ۱۲)

مسند احمد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حارث سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت عثمانؓ آکر بیٹھے اور ہم بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر مؤذن آیا تو حضرت عثمانؓ نے ایک برتن میں پانی منگوایا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ اس برتن میں ایک مد کی مقدار پانی ہو گا پھر انہوں نے وضو کیا، پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس وضو کی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے اور کھڑے ہو کر ظہر کی نماز ادا کرے تو اس کے فجر کی نماز سے لے کر اس وقت تک کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر عصر کی نماز پڑھے تو ظہر سے عصر تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پھر مغرب کی نماز ادا کرے تو عصر سے لے کر مغرب تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں پھر عشاء کی نماز سے مغرب سے عشاء تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سوتا ہے لوٹ پوٹ ہوتا ہے۔ پھر صبح کو اٹھ کر فجر کی نماز پڑھ لینے سے عشاء سے لے کر صبح کی نماز تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہی ہیں وہ بھلائیاں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ (مسند احمد ۱۱۴ / ۱)

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ہی نہر جاری ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا اس کے جسم پر ذرا سا بھی میل باقی رہے گا۔ لوگوں نے کہا ہر گز نہیں۔ آپ نے فرمایا بس یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں اور گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ (بخاری ۷۴ / ۱)

سابقہ امتوں کی ہلاکت کا ظاہری سبب

۱۱۶، ۱۱۷۔ فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ
الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○ وَمَا كَانَ

رَبُّکَ لِیُھْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَھْلُھَا مُصْلِحُوْنَ ○

پھر تم سے پہلے زمانوں میں ایسے سمجھدار لوگ کیوں نہ ہوئے جو (دوسروں کو) ملک میں فساد پھیلانے (کفر و شرک) سے منع کرتے، تھوڑے سے لوگوں کے سوا ان میں سے جن کو ہم نے (عذاب) سے بچالیا تھا۔ اور جنہوں نے نافرمانی کی تھی وہ جس ناز و نعمت میں تھے، وہ اسی میں پڑے رہے اور وہ تو تھے ہی بدکردار، اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ناحق ہلاک کردے جبکہ وہاں کے باشندے (اپنی اور دوسروں) کی اصلاح میں لگے ہوئے ہوں۔

اُولُوْا: والے۔ جمع ہے اس کا واحد نہیں آتا۔

اُتْرِفُوْا: ان کو عیش و آرام دیا گیا۔ اِتْرَافٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: سابقہ امتوں کے احوال بیان کرنے کا مقصد امتِ محمدیہ کو اس کی ترغیب دینا ہے کہ ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کثرت سے موجود رہنے چاہئیں۔ سابقہ قومیں اسی لئے تباہ و ہلاک ہوئیں کہ ان میں سے چند لوگوں کے سوا ان کی پوری قوم دنیا کی لذتوں میں پھنس کر جرائم پیشہ بن گئی اور ان کے بڑے اور بااثر لوگ جن میں کچھ تھوڑا بہت خیر کا اثر باقی تھا، انہوں نے قوم کو برائی سے روکنا ترک کر دیا۔ اس طرح کفر و عصیان اور ظلم و طغیان عام ہوتا چلا گیا اور اس کی اصلاح کرنے والا کوئی نہ رہا۔ معدود چند آدمیوں نے اصلاح احوال کی کوشش بھی کی تو نقار خانے میں طوطی کی آواز کے مصداق بے اثر رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منع کرنے والے چند آدمی تو محفوظ رہے باقی تمام قوم تباہ و ہلاک ہو گئی۔ اگر نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔

اگر کسی بستی کے لوگ اپنی حالت درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں، نیکی کو رواج دیں، ظلم و فساد کو روکیں تو اللہ تعالیٰ خوامخواہ کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ اللہ کا عذاب اسی وقت آتا ہے جب لوگ کفر و عصیان اور ظلم و طغیان میں حد سے نکل جائیں۔ (عثمانی ۶۵۹/ ۱)

سابقہ امتوں کی ہلاکت کا باطنی سبب

۱۱۸، ۱۱۹۔ وَلَوْشَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ

مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ ؕ وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ مختلف طریقوں پر رہیں گے۔ مگر یہ کہ جس پر تیرے رب کی رحمت ہو اور اس نے ان کو اسی لئے پیدا بھی کیا ہے اور آپ کے رب کی (یہ) بات پوری ہو گئی کہ وہ جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دے گا۔

تشریح: سابقہ امتوں کی ہلاکت کا باطنی سبب اس کی مشیت و ارادہ تھا۔ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت و ملت بنا دیتا مگر بتقاضائے حکمت اس نے دنیا میں انسان کو ایک قسم کا اختیار دے دیا ہے کہ وہ اچھا یا برا جو عمل چاہے کر سکتا ہے۔ چونکہ انسانوں کی طبائع مختلف ہیں، اس لئے ان کی راہیں بھی مختلف ہوتی ہیں اور اعمال بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اسی لئے کچھ لوگ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں اور کچھ اس کا انکار کرتے ہیں۔ پس جس پر اللہ کی مہربانی ہوگی وہ دینِ حق اور صراطِ مستقیم پر قائم رہے گا اور باقی لوگ گمراہ اور اس کے منکر رہیں گے کیونکہ اللہ نے ان میں سے بعض کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور بعض کو جنت کے لئے۔ اور اللہ کی بات پوری ہو گئی کہ وہ جہنم کو نافرمان جنوں اور انسانوں سے ضرور بھر دے گا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۸۰ / ۴، مواہب الرحمن ۱۳۵۔۱۳۸/۱۲)

مذکورہ واقعات کے بیان کی حکمت

۱۲۰۔ وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ ج وَجَآءَکَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِکْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور پیغمبروں کے یہ قصے ہم اس لئے آپ سے بیان کرتے ہیں تاکہ ہم ان سے آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور ان واقعات کے ساتھ ساتھ آپ کے پاس حق بات بھی پہنچ جائے گی اور ایمانداروں کے لئے نصیحت و یاد دہانی بھی ہو جائے گی۔

نُثَبِّتُ: ہم تقویت دیں گے۔ ہم مطمئن کریں گے۔ تَثْبِیْتٌ سے مضارع۔

فُؤَادَ: دل۔ قلب۔ جمع اَفْئِدَۃٌ۔

ذِکْرٰی: ذکر کرنا۔ نصیحت کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ امتوں کا اپنے بندوں کو جھٹلانا، انبیاء کا ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا، پھر اللہ کے عذاب کا آنا، کافروں کا برباد ہونا، انبیاء، رسولوں اور مومنوں کا نجات پانا، یہ سب واقعات ہم آپ کو اس لئے سنا رہے ہیں تاکہ ہم آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور ان واقعات کو سن کر آپ کو کامل سکون و اطمینان ہو جائے کہ دعوت و تبلیغ دین میں انبیاء کرام علیہم السلام کو ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان واقعات کے ضمن میں آپ کو پتہ چل گیا کہ ابتداء میں حق ضعیف و ناتواں ہوتا ہے اور آخر میں ایسا قوی ہوتا ہے کہ بڑے بڑے متکبر اور سرکش اس کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔ نیز ان واقعات میں اہلِ ایمان کے لئے نصیحت و عبرت ہے۔ نصیحت تو یہ ہے کہ آئندہ ایسا نہ کریں اور عبرت یہ ہے کہ ان واقعات کو سن کر اللہ سے ڈریں اور اس سے پناہ مانگیں۔ (ابن کثیر ۴۶۵/ ۲)

کافروں کو تنبیہ

۱۲۱، ۱۲۳۔ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو، ہم بھی عمل کر رہے ہیں اور تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ بات اللہ ہی جانتا ہے اور سب امور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ سو تم اسی کی عبادت کرو اور اسی پر توکل کرتے رہو اور آپ کا رب ان باتوں سے غافل نہیں جو تم کر رہے ہو۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جب حق آگیا اور حجت پوری ہو گئی تو اگر کوئی اس پر بھی نہ

مانے اور اپنے عناد و ضد پر قائم رہے تو آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تم اپنی حالت پر رہو اور نتیجہ کا انتظار کرو، ہم بھی نتیجہ کا انتظار کرتے ہیں۔ بہت جلد تمہیں اپنی ہٹ دھرمی کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ۔ دنیا نے ان کافروں کا انجام دیکھ لیا اور ان مسلمانوں کا بھی جو اللہ کے فضل و کرم سے دنیا پر چھا گئے اور مخالفین پر کامیابی کے ساتھ غلبہ حاصل کر لیا۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اس کو ذرہ ذرہ کا علم ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ دنیا اور آخرت کے تمام امور اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ لہذا آپ ہمہ تن اس کی عبادت میں لگے رہئے، اسی پر بھروسہ رکھئے اور آپ ان کافروں اور منافقوں کی عداوت سے دلگیر نہ ہوں۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے نتیجہ کا انتظار کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کے کسی عمل سے بے خبر نہیں۔

(ابن کثیر ۴۶۶ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۰۳، ۶۰۴ / ۳)

کامل ایمان

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بندے کا اللہ پر ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس میں پانچ خصلتیں پیدا نہ ہو جائیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ (۲) ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں پر صبر کرنا۔ (۴) اللہ تعالیٰ کا حکم قبول کرنا۔ (۵) اور اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی رہنا۔ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے محبت کرے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بغض رکھے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے منع کرے تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔ (خطب الرسول۔ مطبوعہ قاہرہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ یوسف

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کا تفصیلی بیان ہے، اس لئے یہ سورت سورۂ یوسف کے نام سے موسوم ہو گئی۔

تعارف: اس میں بارہ رکوع، ایک سو گیارہ آیتیں، ۱۸۰۸ کلمات اور ۷۴۱۱ حروف ہیں۔

ارجح اور اصح یہ ہے کہ یہ پوری سورت مکیہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ تسلسل اور ترتیب کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوا ہے۔ قرآن کریم میں دوبارہ اس کا کہیں ذکر نہیں، جبکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے قصص و واقعات خاص حکمت کے تحت پورے قرآن میں اجزا اجزا کر کے بار بار بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ لوگوں کی فرمائش پر نازل ہوا اس لئے یکجا اور مسلسل بیان کیا گیا۔ اسی طرح اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے واقعے بھی لوگوں کی فرمائش پر نازل ہوئے۔ اس لئے وہ بھی یکجا بیان ہوئے اور مکرر نہیں لائے گئے۔

حضرت یوسفؑ کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے بہت مشابہت رکھتا ہے حضرت یوسفؑ کی طرح آپ کی نبوت کا آغاز بھی رویائے صالحہ سے ہوا۔ جس طرح حضرت یوسف کے بھائیوں نے ان پر حسد کیا اور ان کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، اسی طرح آپؐ کو بھی قریش سے بہت سی تکلیفیں پہنچیں۔ جس طرح حضرت یوسف کو ایذاؤں اور تکلیفوں پر صبر و استقامت کی برکت سے عزت و غلبہ نصیب ہوا اور انہوں نے بھائیوں سے کوئی انتقام نہ لیا بلکہ **لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ** کہہ کر سب کو معاف کر دیا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں اور تکلیفوں پر صبر و استقامت سے کام لیا۔ بالآخر جب مکہ فتح ہوا تو اس وقت آپؐ نے بھی قریش پر کوئی ملامت نہیں کی بلکہ حضرت یوسف کی طرح **لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ** کہہ کر سب کو معاف فرما دیا۔ جس طرح حضرت یوسف نے بھائیوں کو معاف فرمانے کے بعد ان کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کو حنین کے مالِ غنیمت میں سے تالیفِ قلب کے طور پر سو سو اونٹ عطا

فرمائے تاکہ اسلام کی کراہت و نفرت، الفت سے بدل جائے۔
(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱/ ۴)

ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلے سورۂ یونس نازل ہوئی۔ پھر سورۂ ہود اور اس کے بعد سورۂ یوسف نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۷۰/ ۱۲)

سورۂ یوسف کا سببِ نزول

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو آپؐ (اس کو) صحابہ کے سامنے تلاوت فرماتے۔ پس صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے سامنے کوئی قصہ بیان فرماتے (جس میں سابقہ امتوں کے مفید حالات بیان ہوتے)۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ آپ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کا قصہ بیان کریں۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہود نے کفار مکہ سے کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے مصر میں آباد ہونے کی وجہ دریافت کریں۔ اس پر اس سورت کا نزول ہوا۔
(روح المعانی ۱۷۰/ ۱۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کی حقانیت اور حضرت یوسفؑ کے خواب کا ذکر ہے۔ آخر میں حضرت یوسف کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان ہے۔

رکوع ۲: حضرت یوسفؑ کے عبرت انگیز واقعہ کا آغاز۔ حضرت یوسف کو ساتھ لیجانے کے لئے ان کے بھائیوں کی اپنے باپ حضرت یعقوبؑ سے درخواست۔ حضرت یعقوب کا اندیشہ اور بھائیوں کا حضرت یوسف کو لیجا کر کنوئیں میں ڈالنا۔ آخر میں حضرت یوسف کا اہلِ قافلہ کے ہاتھوں فروخت ہونا مذکور ہے۔

رکوع ۳: عزیزِ مصر کا حضرت یوسفؑ کو خریدنا۔ پھر عزیزِ مصر کی بیوی کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے حضرت یوسف کا دروازے کی طرف بھاگنا۔ آخر میں عزیزِ مصر کی صاف گوئی کا بیان ہے۔

رکوع ۴: شہر کی عورتوں میں حضرت یوسف کا چرچا اور ان کو قید میں ڈالنے کا ذکر ہے۔

رکوع ۵: حضرت یوسفؑ کا اعلان توحید، پھر حضرت یوسف کا اپنے دونوں قیدی ساتھیوں کے خوابوں کی تعبیر دینا۔

رکوع ۶: بادشاہ کے خواب اور اس کی تعبیر کا بیان ہے۔

رکوع ۷: حضرت یوسفؑ کی رہائی اور زلیخا کا اقبالِ جرم، پھر حضرت یوسف کا اعلان برأت مذکور ہے۔ آخر میں مالیات کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت یوسف کی تقرری بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۸: حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا غلہ کے لئے حضرت یوسف کے پاس آنا اور غلہ لے کر واپس جانا۔ بھائیوں کی طرف سے اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو ساتھ لے جانے کے لئے اصرار پر حضرت یعقوب کا اپنے بیٹوں سے عہد و پیمان لینا اور ان کو نصیحت کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۹: حضرت یوسفؑ کا بنیامین سے خصوصی معاملہ اور چوری کے الزام میں بھائیوں کے سامان کی تلاشی۔ چوری برآمد ہونے پر حضرت یوسف کا بنیامین کو اپنے پاس روکنا اور بھائیوں کا حضرت یوسف سے اس کی رہائی کے لئے درخواست کرنا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۱۰: رکوع کے شروع میں بنیامین کے بارے میں بھائیوں کا آپس میں مشورہ کرنا اور اس معاملے میں حضرت یعقوبؑ کے صبر و استقامت کا بیان ہے۔ پھر حضرت یعقوب کی طرف سے بیٹوں کو حضرت یوسفؑ کی تلاش کا حکم مذکور ہے۔ آخر میں حضرت یوسف کا اپنے آپ کو ظاہر کرنا اور ان کے عفو و درگزر کا بیان ہے۔

رکوع ۱۱: کنعان میں حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کی خوشبو محسوس ہونا اور پھر ان کی بینائی بحال ہونے کا بیان ہے۔ اس کے بعد باپ بیٹوں کا سجدۂ تعظیمی اور حضرت یوسف کی دعا، مذکور ہے۔ آخر میں بتایا گیا کہ یہ واقعات غیب کی خبریں ہیں جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی گئیں تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور وہ ان سے نصیحت حاصل کریں۔

رکوع ۱۲: شروع میں وحدانیت کی نشانیوں کا ذکر ہے۔ پھر تمام انبیاء کا انسان ہونا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں بتایا گیا ہے کہ یہ واقعات سمجھ بوجھ اور عقل و دانش والوں کے لئے بڑی عبرت و نصیحت کے حامل ہیں۔

قرآنِ کریم کی حقانیت

۱، ۳۔ الٓرٰ ۔ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ o اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ o نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ق وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ o

الر ۔ یہ ایک واضح کتاب کی آیتیں ہیں ۔ ہم نے اس کو تمہارے سمجھنے کے لئے عربی زبان میں نازل کیا ۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اس قرآن کے ذریعہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے، ہم آپ سے ایک نہایت عمدہ قصہ بیان کرتے ہیں اور (ہمارے) اس (بیان کرنے) سے پہلے آپ کو اس کی بالکل خبر نہ تھی۔

تشریح: الر ۔ یہ متشابہات میں سے ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کی مراد معلوم نہیں ۔ جمہور کے نزدیک یہی قول راجح اور مختار ہے ۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ متشابہات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں ۔ رسول کے سوا کسی کا مرتبہ ایسا نہیں کہ وہ ان اسرار کو سمجھ سکے۔

یہ ایک ایسی کتاب کی آیات ہیں جو بالکل واضح اور روشن ہے، حق و باطل کو خوب واضح کرتی ہے ۔ احکامِ حلال و حرام اور ہر کام کی حدود و قیود بیان کر کے انسان کو ہر شعبہ زندگی میں ایک معتدل اور سیدھا سادہ نظامِ حیات بخشتی ہے ۔ یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ اہلِ عرب اس کے مطالب و معانی کو خوب اچھی طرح سمجھ سکیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو تسلیم کریں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس قرآن کے ذریعہ، جو ہم نے آپ پر وحی کیا ہے، آپ کے سامنے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے سے پہلے آپ اس قصے کے بارے میں بالکل بے خبر تھے۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانیاں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بڑی ہدایتیں اور احکام و مسائل موجود ہیں۔ اس میں بہت سی عبرتیں، نصیحتیں اور حکمتیں ہیں، عجائباتِ قدرت اور دقائق و فوائد ہیں کہ جس بچے کو بھائیوں نے ہلاکت کے غار میں ڈال دیا تھا، اللہ نے اس کی کس طرح حفاظت فرمائی اور اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور کس طرح مخالفین کو اس کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔ اس میں بادشاہوں اور رعایا کی سیرتیں ہیں، عورتوں کے مکر و فریب اور دشمنوں کی ایذاء پر صبر کرنے کا بیان ہے۔ غلبہ پانے کے باوجود دشمنوں سے درگزر کی تعلیم ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳، ۴ / ۴، مظہری ۱۳۵ / ۵)

حضرت یوسفؑ کا خواب

۴، ۵۔ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

(یہ اس وقت کا ذکر ہے) جب (حضرت) یوسف نے اپنے باپ (حضرت یعقوب) سے کہا کہ اے میرے باپ! میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے ہیں۔ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ (حضرت) یعقوب نے کہا۔ اے میرے بیٹے! تم اپنا (یہ) خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا (ورنہ) وہ تمہارے (ایذا رسانی کے) لئے کوئی خاص تدبیر کرلیں گے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

كَوْكَبًا: ستارہ۔ جمع کَوَاکِبْ

كَيْدًا: خفیہ تدبیر۔ مکر۔ فریب

تشریح: حضرت یوسف نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ گیارہ ستاروں سے مراد یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور سورج اور چاند سے مراد (ان کے) ماں باپ ہیں۔

قرطبی میں ہے کہ حضرت یوسف کی والدہ اس واقعہ سے پہلے وفات پا چکی تھیں۔ مگر ان کی خالہ ان کے والد ماجد کے نکاح میں آ گئی تھیں۔ ویسے بھی خالہ ماں کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے۔
(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/۶)

حضرت یوسفؑ کا خواب سن کر ان کے والد حضرت یعقوبؑ نے ان سے کہا کہ یہ سچا خواب ہے، یہ پورا ہو کر رہے گا۔ تم اس کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اس خواب کو سن کر اور شیطان کے بہکاوے میں آکر ابھی سے تمہاری دشمنی میں لگ جائیں اور حسد کی وجہ سے کوئی نامعقول فریب کاری اور حیلہ سازی کر کے تجھے پست کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔ (ابن کثیر ۴۶۶، ۴۶۷/ ۲)

اللہ کی طرف سے انعامات کا وعدہ

۶۔ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اور اسی (خواب کی) طرح (بڑے ہونے پر) تمہارا رب تمہیں برگزیدہ کرے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر دینا سکھائے گا اور تمہیں اور آل یعقوب کو اپنی نعمتوں سے نواز کر اپنا انعام اسی طرح کامل کرے گا جس طرح اس سے پہلے وہ تمہارے دادا ابراہیم و اسحٰق پر کامل کر چکا ہے۔ بیشک تمہارا پروردگار بڑے علم والا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔

يَجْتَبِيْكَ: وہ تجھ کو منتخب کرتا ہے۔ اِجْتِبَاءٌ سے مضارع۔
تَاْوِيْل: تعبیر بتانا۔ حقیقت بیان کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے چند انعامات عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے انعامات و احسانات کے لئے آپ کو منتخب فرمائے گا۔ اس کا ظہور مصر میں حکومت اور عزت و دولت ملنے سے ہوا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خواب کی تعبیر کا علم سکھا دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعبیر خواب ایک مستقل فن ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کسی کو عطا فرماتا ہے۔ ہر شخص اس کا اہل نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھرپور نعمت یعنی نبوت عطا فرمائے گا، جیسا کہ اس سے پہلے اس نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسحق علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی تھی۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑے علم و حکمت ولا ہے اور خوب جانتا ہے کہ نبوت کے لائق کون ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۱۲ / ۵)

عبرت انگیز واقعات

۷۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝

البتہ (حضرت) یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصے میں سوال کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

تشریح: حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے اس قصے میں ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اس کے بارے میں سوال کیا ہے۔ بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اور جن لوگوں نے اس واقعے کے بارے میں سوال نہیں کیا ان کے لئے بھی اس میں اللہ کی قدرتِ کاملہ کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

لیا بنت لیان کے بطن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے چھ لڑکے اور دینہ نام کی ایک لڑکی تھی۔ لڑکوں میں سب سے بڑے لڑکے کا نام روبیل تھا۔ ان کے علاوہ چار لڑکے دو باندیوں کے بطن سے تھے۔ ان باندیوں کے نام زلفہ اور بلہہ تھے۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ لیا کے مرنے کے بعد حضرت یعقوب نے اس کی بہن راحیل سے نکاح کر لیا تھا، جس کے بطن سے دو بیٹے یوسف اور بنیامین پیدا ہوئے۔ اس طرح کل بارہ لڑکے ہو

گئے - ہر لڑکا صاحبِ اولاد ہوا اور سب کے خاندان پھیلے - حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا اس لئے ان بارہ لڑکوں کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی اور ہر لڑکے کی اولاد ایک خاندان تھی -

بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ شریعتِ اسرائیل میں ایک وقت میں دو بہنوں سے نکاح درست تھا - حضرت یعقوب کے نکاح میں ایک ہی زمانے میں دو بہنیں لیا اور راحیل تھیں -

(مظہری ۱۴۲، ۱۴۳ / ۵، بیضاوی ۱۹۴)

قصہ کا آغاز

۸، ۱۰- إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ۚ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَٰلِحِينَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَٰعِلِينَ ۝

(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب (حضرت یوسف کے سوتیلے بھائیوں نے آپس میں) کہا کہ یوسف اور ان کا (حقیقی) بھائی ہمارے باپ کو بہت پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں - بیشک ہمارا باپ کھلی غلطی پر ہے - (اب ایک ہی صورت ہے کہ) یا تو یوسف کو قتل کر ڈالو یا اس کو کہیں (دور دراز ملک میں) پھینک آؤ، تاکہ باپ کی توجہ خاص تمہاری ہی طرف ہو جائے اور اس کے بعد پھر نیک جماعت بن کر رہنا (یعنی توبہ کر لینا) - ان میں سے ایک نے کہا کہ اگر تم کو یہی کرنا ہے تو یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اس کو ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دو تاکہ کوئی راہ گیر (قافلے والا) اس کو نکال کر لے جائے -

عُصْبَةٌ: عصبہ اور اور عصابہ دونوں اسم جمع ہیں - ان کا واحد نہیں آتا اور یہ دس سے چالیس تک کی جماعت پر بولے جاتے ہیں - (لسان العرب ۶۰۵ / ۱)

اِطْرَحُوْهُ: تم اس کو ڈال دو - تم اس کو پھینک دو - طَرْحٌ سے امر -

غَيَٰبَتِ: کنوئیں کی گہرائی - ہر اس چیز کو غَیَابَہ کہتے ہیں جو کسی چیز کو چھپا لے اور غائب کر

دے۔ اسی لئے قبر کو بھی غیابہ کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن ۱۹ / ۵)

اَلْجُبِّ: گہرا کنواں۔ ایسا کنواں جس کی من بنی ہوئی نہ ہو۔

یَلْتَقِطْهُ: وہ اس کو نکال لے جائے گا۔ وہ اس کو اٹھالے گا۔ یہ لقطہ سے بنا ہے۔ لقطہ اس گری پڑی چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو طلب کے بغیر مل جائے

سَیَّارَۃِ: کاروان۔ قافلہ۔ سَیْرٌ سے صفت شبہ۔

تشریح: حضرت یوسف کے بھائی آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے والد، ہم لوگوں کے مقابلے میں یوسف اور بنیامین سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں حالانکہ ہم تعداد میں دس ہیں اور ان سے بڑے ہیں، گھر کے کام کاج سنبھالنے کی طاقت و قدرت رکھتے ہیں، جبکہ یہ دونوں تو ابھی بچے اور ناسمجھ ہیں اور کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کے مقابلے میں والد صاحب کو، ہم سے زیادہ محبت کرنی چاہیئے تھی۔ مگر وہ تو صریح غلطی اور ناانصافی کر رہے ہیں۔ بس اب ایک کام کرنا چاہیئے کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری، حضرت یوسف کا قصہ ہی تمام کر دو، نہ یہ ہوگا اور نہ ہماری راہ کا کانٹا بنے گا۔ پھر باپ کی پوری محبت و توجہ ہماری طرف ہو جائے گی۔

یوسف کو راستے سے ہٹانے کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اسے قتل کر ڈالو یا کہیں دور دراز جگہ پھینک آؤ، جہاں سے واپس نہ آسکے۔ یہ کام کر کے توبہ کے ذریعہ نیک و صالح بن جانا۔ اللہ معاف کرنے والا ہے۔ یہ سن کر ان میں سے ایک (غالباً سب سے بڑے بھائی) نے مشورہ دیا کہ یہ تو سراسر ناانصافی ہے۔ کسی وجہ اور قصور کے بغیر صرف عداوت کی بنا پر خونِ ناحق گردن پر لینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

اللہ کی مرضی اور حکمت یہ تھی کہ حضرت یوسفؑ قتل نہ ہوں، ان کو نبوت و بادشاہت عطا کی جائے اور ان کے بھائیوں کو حضرت یوسف کے سامنے عاجز و بے بس کر کے لائے۔ چنانچہ بھائی کی گفتگو سن کر ان کے دل نرم ہو گئے اور طے یہ ہوا کہ ان کو قتل کرنے کے بجائے کسی غیر آباد کنوئیں کی تہہ میں ایسی جگہ ڈال دیا جائے جہاں وہ زندہ رہے تاکہ کوئی گزرنے والا قافلہ جب وہاں آئے تو اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائے۔ اس طرح اس کا پاپ ہی کٹ جائے گا اور تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ (ابن کثیر ۴۶۹، ۴۷۰ / ۲)

حضرت یوسف ؑ کے بھائیوں کی درخواست

۱۱، ۱۲۔ قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا مَا لَکَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰی یُوۡسُفَ وَ اِنَّا لَہٗ لَنٰصِحُوۡنَ ○
اَرۡسِلۡہُ مَعَنَا غَدًا یَّرۡتَعۡ وَ یَلۡعَبۡ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○

انہوں نے کہا کہ اے ہمارے باپ! کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ ہم (دل و جان سے) اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل آپ اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ خوب کھائے اور کھیلے اور البتہ ہم اس کے محافظ ہیں۔

تَاۡمَنَّا: تو ہمیں امین بناتا ہے۔ تو ہمارا اعتبار کرتا ہے۔ اَمۡنٌ و اَمَانَۃٌ سے مضارع۔

یَرۡتَعۡ: وہ خوب کھاتا ہے۔ وہ مزے اڑاتا ہے۔ رَتۡعٌ و رُتُوۡعٌ سے مضارع۔

تشریح: بھائی کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے سب نے اس پر اتفاق کر لیا کہ حضرت یوسف کو لیجا کر کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈال آئیں۔ چنانچہ وہ اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے باپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آخر کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمیں امین نہیں جانتے؟ ہم تو اس کے بھائی ہیں۔ ہم سے زیادہ اس کا خیر خواہ کون ہو سکتا ہے۔ کل اس کو ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لئے بھیج دیجئے تاکہ وہ بھی ہمارے ساتھ خوب کھائے پیئے، دو گھڑی کھیل کود لے اور ہنس بول لے۔ آپ اطمینان رکھئے ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے کھیل کود اور سیر و تفریح جائز و مباح ہے۔ صحیح احادیث سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کھیل کود میں شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے اور نہ کسی ناجائز فعل کو اس کے ساتھ ملایا جائے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/۲۱)

حضرت یعقوب ؑ کا اندیشہ

۱۳، ۱۴۔ قَالَ اِنِّیۡ لَیَحۡزُنُنِیۡۤ اَنۡ تَذۡہَبُوۡا بِہٖ وَ اَخَافُ اَنۡ یَّاۡکُلَہُ الذِّئۡبُ
وَ اَنۡتُمۡ عَنۡہُ غٰفِلُوۡنَ ○ قَالُوۡا لَئِنۡ اَکَلَہُ الذِّئۡبُ وَ نَحۡنُ عُصۡبَۃٌ

إِنَّآ إِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝

حضرت یعقوب نے کہا کہ مجھے یہ بات (ہی) غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور مجھے (یہ بھی) خوف ہے کہ کہیں تم اس کی طرف سے غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں، اگر پھر بھی اس کو بھیڑیا کھا جائے تو ہم تو بالکل ہی گئے گزرے ہوئے۔

تشریح: حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو جواب میں دو باتیں کہیں۔ ایک بات تو یہ کہی کہ اگر تم یوسف کو لے جاؤ گے تو مجھے اس کی اتنی دیر کی جدائی بھی شاق گزرے گی اور مجھے صبر و قرار نہ آئے گا۔ یہاں حزن سے وہ قلبی دکھ مراد ہے جو محب کو محبوب کے فراق سے ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہی کہ مجھے اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ تم تو کھانے پینے، کھیل کود اور سیر و تفریح میں مشغول ہو کر اس کی طرف سے غافل ہو جاؤ گے۔ اس کی حفاظت نہ کر سکو گے اور بھیڑیا آکر اس کو کھا جائے گا۔ انہوں نے حضرت یعقوبؑ کی اس بات کو لے لیا اور دماغ میں بسا لیا کہ یہی ٹھیک عذر ہے۔

حضرت یعقوب کو بھیڑیئے کا اندیشہ یا تو اس وجہ سے ہوا کہ کنعان میں بھیڑیوں کی کثرت تھی یا اس وجہ سے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ کسی پہاڑی کے اوپر ہیں اور یوسف علیہ السلام نیچے اس کے دامن میں ہیں۔ اچانک دس بھیڑیوں نے ان کو گھیر لیا اور ان پر حملہ کرنا چاہا مگر ایک بھیڑیئے نے مدافعت کر کے چھڑا دیا۔ پھر حضرت یوسفؑ زمین کے اندر چھپ گئے۔

اس خواب کی تعبیر بعد میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ دس بھیڑیئے تو ان کے دس بھائی تھے جنہوں نے سازش کی تھی۔ جس بھیڑیئے نے ان کو ہلاکت سے بچایا وہ ان کا بڑا بھائی تھا اور زمین میں چھپ جانے سے مراد کنوئیں کی گہرائی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت یعقوب کو اس خواب کی بنا پر خود ان کے بھائیوں سے خطرہ تھا، انہی کو بھیڑیا کہا تھا مگر مصلحت کی بنا پر پوری بات ظاہر نہیں فرمائی۔

بیٹوں نے حضرت یعقوب کے اندیشے کے جواب میں کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم دس کے دس یوسف سے غافل ہو جائیں۔ اگر ہم دس آدمی بھی یوسف کی حفاظت نہ کر سکیں اور ہمارے ہوتے ہوئے بھیڑیا ان کو کھا جائے تو ہم تو بالکل ہی بد نصیب اور نامراد و ناکارہ ہوئے۔

(مظہری ۱۴۶ / ۵، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۱، ۲۲ / ۵)

حضرت یوسف ؑ کو کنوئیں میں ڈالنا

۱۵۔ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ
وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○

پھر جب وہ اس (حضرت یوسف) کو اپنے ساتھ لے گئے اور انہوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ وہ اس کو ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیں تو ہم نے (یوسف کی تسلی کے لئے) اس کی طرف وحی کی کہ البتہ ایک دن تو ضرور ان کو ان کے اس کام (بد سلوکی) کی خبر دے گا۔ اور ان کو (اس بات کا) شعور بھی نہ ہو گا۔

تشریح: آخر انہوں نے باپ کو راضی کر لیا اور وہ حضرت یوسف کو لے کر چلے گئے۔ جنگل میں جاکر انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ حضرت یوسف کو کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈال دیں حالانکہ وہ حضرت یوسف کو باپ سے یہ کہہ کر لائے تھے کہ وہ اس کا دل بہلائیں گے، اس کو خوش رکھیں گے اور اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔ پھر خود ہی ان کے حق میں بھیڑیئے بن گئے۔

پھر انہوں نے حضرت یوسفؑ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کو کنوئیں میں لٹکا دیا۔ وہ بھائیوں سے فریاد کرتے رہے مگر کسی نے ان کی فریاد پر کان نہیں دھرا۔ جب وہ کنوئیں کے درمیان میں آدھے فاصلے پر پہنچے تو انہوں نے رسی کاٹ دی تاکہ حضرت یوسف گر کر ہلاک ہو جائیں۔ حضرت یوسف پانی میں گرے اور پھر ایک پتھر پر آکر کھڑے ہو گئے جو کنوئیں کے درمیان میں پڑا ہوا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے اطمینانِ قلب کے لئے ان کو وحی کے ذریعہ اطلاع دی کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ آپ اپنے بھائیوں پر غالب آجائیں گے اور ان کو ان کے اس کرتوت پر تنبیہ کریں گے اور ان کو کچھ بھی خبر نہ ہو گی۔

ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا جب حضرت یوسفؑ کے بھائی ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے بھائیوں کو پہچان لیا مگر بھائی حضرت یوسف کو نہ پہچان سکے۔ حضرت یوسف نے ایک پیالہ منگوایا اور اس کو اپنے ہاتھ پر رکھ کر اسے انگلی سے ٹھونکا۔ پھر کہا کہ یہ پیالہ تمہارے بارے میں کچھ بتا رہا ہے کہ تمہارا ایک سوتیلا بھائی تھا جس کا نام یوسف تھا۔ تمہارے مقابلے میں وہ باپ کے زیادہ قریب تھا۔ تم اسے

باپ کے پاس سے لے گئے اور اسے کنوئیں میں پھینک دیا۔ پھر تم اس کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر اپنے باپ کے پاس گئے اور اس کو کہا کہ تیرے لڑکے کو بھیڑیئے نے کھالیا ہے۔ پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس پیالے نے تو ہماری تمام باتیں بادشاہ کو بتا دیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہی ہے وہ وحی جو آپ کو کنوئیں میں ہوئی تھی کہ تو ان کے اس کرتوت سے انہیں ان کی بے شعوری میں بتائے گا۔ (روح المعانی ۱۹۶، ۱۹۸ / ۱۲)

حضرت یعقوبؑ کے سامنے بھائیوں کا رونا

۱۶، ۱۸۔ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝

اور وہ سب عشاء کے وقت روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے۔ وہ کہنے لگے، اے ہمارے باپ! بیشک ہم سب تو ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے دوڑنے لگے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا سو اس کو ایک بھیڑیئے نے (آکر) کھالیا۔ اور آپ ہماری بات کا یقین کبھی نہیں کریں گے خواہ ہم کیسے ہی سچے (کیوں نہ) ہوں اور وہ اس کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لائے تھے۔ (حضرت یعقوب نے) کہا بلکہ تم نے اپنے دل سے یہ بات بنائی ہے۔ سو (اب) صبر ہی بہتر ہے اور جو باتیں تم بنا رہے ہو ان پر اللہ ہی سے مدد کا طالب ہوں۔

يَبْكُوْنَ: وہ روتے ہیں۔ وہ آہ و زاری کرتے ہیں۔ بُكَاءٌ سے مضارع۔

اَلذِّئْبُ: بھیڑیا۔ جمع ذِئَابٌ۔

دَمٍ: لہو۔ خون۔ جمع دِمَاءٌ۔

سَوَّلَتْ: اس نے چکمہ دیا۔ اس نے فریب دیا۔ تَسْوِيْلٌ سے ماضی۔

تَصِفُوْنَ: تم بیان کرتے ہو۔ تم بتاتے ہو۔ وَصْفٌ سے مضارع۔
صَبْرٌ جَمِیْلٌ: ایسا صبر جو خالص اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونے کے لئے ہو۔
تشریح: عشاء کے وقت حضرت یوسفؑ کے بھائی روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے۔ عشاء کے وقت اندھیرے میں اس لئے آئے تاکہ حضرت یعقوب پر ان کا مکر و فریب ان کے چہروں سے ظاہر نہ ہو سکے۔ ان کی چیخ و پکار سن کر حضرت یعقوب نے باہر نکل کر ان سے پوچھا کہ کیا بکریوں پر کوئی افتادہ پڑ گئی ہے۔ پھر پوچھا کہ یوسف کا کیا حال ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ! ہم تو آپس میں دوڑ لگانے لگ گئے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ سو ہماری غفلت کی وجہ سے اس کو بھیڑیئے نے آکر کھالیا اور آپ کو چونکہ حضرت یوسف سے انتہائی محبت ہے اور ہم لوگوں سے بد گمانی ہے، اس لئے اگر ہم اپنی بات میں سچے بھی ہوں تب بھی یوسف کی محبت آپ کو یقین نہیں ہونے دے گی۔ یوں بھی آپ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شاید تم غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے اور اتفاق سے ایسا ہی ہو گیا۔

وہ لوگ اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے ایک بکری کے بچے کو ذبح کر کے حضرت یوسف کی قمیض کو اس کے خون میں رنگ کر لائے تھے۔ حضرت یعقوب نے اس قمیض کو دیکھ کر فرمایا کہ وہ بھیڑیا بڑا ہی دانا اور حکیم تھا کہ یوسف کو تو کھا گیا اور اس کے کرتے کو صحیح و سالم چھوڑ دیا۔ پھر فرمایا کہ بھیڑیئے نے تو یوسف کو نہیں کھایا بلکہ تم نے اپنی طرف سے یہ بات بنائی ہے۔ حقیقت میں یوسف ابھی زندہ ہے سو میرا کام تو اب صبرِ جمیل ہے۔ میں اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس صبر کرنے میں میری مدد فرمائے۔ (مواہب الرحمن ۱۸۶، ۱۸۹ / ۱۲)

حضرت یوسفؑ کو فروخت کرنا

۱۹، ۲۰۔ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَأَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢبِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ ۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ○

اور ایک قافلہ (کنوئیں کی طرف) آنکلا سو انہوں نے پانی لانے کے لئے اپنا آدمی

(کنوئیں پر) بھیجا اور اس نے اپنا ڈول (کنوئیں میں) ڈالا۔ وہ (حضرت یوسف کو دیکھ کر) کہنے لگا کہ کیا خوشی کی بات ہے۔ یہ تو ایک لڑکا (نکل آیا) ہے اور اس نے (حضرت) یوسف کو تجارت کا مال سمجھ کر چھپالیا اور اللہ خوب جانتا تھا جو کچھ وہ کر رہے تھے اور ان کو ان کے بھائیوں نے بہت ہی کم قیمت (یعنی) چند درہم کے بدلے بیچ دیا کیونکہ وہ سب ان (بھائی) سے بیزار تھے۔

وَارِدٌ: وارد ہونے والا۔ آنے والا۔ وُرُوْدٌ سے اسم فاعل۔

اَدْلٰی: اس نے ڈالا۔ اس نے لٹکایا۔ اِدْلَاءٌ سے ماضی۔

دَلْوَہٗ: اس کا ڈول۔ جمع دِلَاءٌ۔

بِضَاعَةٌ: سرمایہ۔ پونجی۔ تجارت کا مال۔

ثَمَنٍ: دام۔ قیمت۔ مول۔

بَخْسٍ: بہت کم۔ ناقص۔

تشریح: حضرت یوسف کے بھائی ان کو ایک گہرے کنوئیں میں ڈال کر چلے گئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف تین روز تک کنوئیں میں پڑے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ ان کا بڑا بھائی روزانہ ان کو کنوئیں میں کھانا پہنچاتا تھا۔ آخر ایک روز مدین سے مصر کو جانے والا ایک قافلہ ادھر سے گزرا۔ انہوں نے کنواں دیکھ کر اپنے ایک آدمی کو پانی بھرنے کے لئے بھیجا۔ اس آدمی نے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف ڈول میں بیٹھ گئے اور ہاتھ سے اسے پکڑ لیا۔ ڈول کھینچنے والا ان کو دیکھ کر خوشی سے پکار اٹھا کہ یہ تو نہایت حسین لڑکا ہے۔ اچھی قیمت میں بکے گا۔ پھر اس نے مالِ تجارت کے طور پر حضرت یوسف کو دوسرے قافلے والوں سے چھپالیا کہ کہیں وہ اس میں شرکت کے دعویدار نہ بن جائیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت یوسف کے معاملے کو چھپالیا اور دوسرے لوگوں سے کہا کہ کنوئیں پر رہنے والوں نے ہمیں یہ لڑکا دیا ہے تاکہ مصر لیجا کر ہم ان کی طرف سے اسے فروخت کر دیں۔ یہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے، اللہ اس سے خوب واقف تھا۔ ان کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں تھی۔

پھر جب بھائیوں کو معلوم ہوا کہ قافلے والے حضرت یوسف کو نکال کر لے گئے تو انہوں نے قافلے والوں کے پاس پہنچ کر ان پر ظاہر کیا کہ وہ ان کا غلام ہے جو بھاگ کر آگیا ہے۔ اس کو بھاگنے کی عادت ہے۔ اس لئے ہم اسے رکھنا نہیں چاہتے۔ تم چاہو تو اسے خرید سکتے ہو۔ لیکن اس

کی سخت نگرانی رکھنا، کہیں بھاگ نہ جائے۔ پھر بھائیوں نے بہت تھوڑے سے داموں کے عوض ان کو فروخت کر دیا کیونکہ وہ ان سے اس قدر بیزار تھے کہ ان کو مفت بھی دے ڈالتے تو ان سے بعید نہ تھا۔ جو کچھ مل گیا اسی کو غنیمت جانا۔ (عثمانی ۶٦٦ / ۱، مواہب الرحمن ۱۹۱، ۱۹۴ / ۱۲)

عزیزِ مصر کا حضرت یوسفؑ کو خریدنا

۲۱، ۲۲۔ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور جس شخص نے ان کو مصر میں (اہلِ قافلہ) سے خریدا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت سے رکھنا شاید (آگے چل کر) ہمارے کام آئے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور تاکہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر دینا سکھادیں اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ (یہ بات) نہیں جانتے اور جب وہ (حضرت یوسف) اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ گیا تو ہم نے اس کو علم و حکمت عطا کیا اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

تشریح: حضرت یوسفؑ کے بھائی ان کو اہلِ قافلہ کے ہاتھوں فروخت کر کے مطمئن ہو گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ اب باپ کی تمام تر توجہ انہی کی طرف ہو گی۔ لیکن حضرت یعقوب، حضرت یوسف کے فراق میں روتے رہتے تھے۔ اس لئے ان کا مقصد پورا نہ ہوا۔ ادھر حضرت یوسف جب اہلِ قافلہ کے ساتھ مصر پہنچے تو ان کو عزیزِ مصر نے خرید لیا۔ اللہ نے اس کے دل میں حضرت یوسف کی عزت و قعت ڈال دی۔ چنانچہ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو غلاموں کی طرح نہ رکھنا بلکہ اچھی طرح عزت و احترام اور آرام و سکون سے رکھنا۔ یہ ہونہار ہے شاید ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو حقیقت میں بیٹا بنالیں۔

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے حضرت یوسف کو بھائیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچالیا اور کنوئیں سے صحیح و سالم نکلوایا اور عزیزِ مصر کو اس پر مہربان بنایا، اسی طرح ہم نے ملک مصر کی زمین پر ان کا قدم جما دیا اور مصر کی ساری پیداوار پر ان کو حاکم مقرر کر دیا تاکہ وہ وہاں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے اور اللہ کے احکام جاری کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن بہت سے لوگ اس کی حکمت کی باریکیوں کو نہیں جانتے۔

پھر جب آپ کی عقل کامل ہو گئی اور جسمانی نشو و نما تمام ہو گئی اور آپ شباب کی انتہا اور قوت و شدت پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں، ہم نیک اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیتے ہیں جیسے حضرت یوسف کو ایذا پر صبر و ثبات کے عوض دیا۔ (مظہری ۱۵۱، ۱۵۲/ ۵)

حضرت یوسف ؑ کا امتحان

۲۳، ۲۴۔ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۚ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝

اور جس عورت کے گھر میں (حضرت) یوسف رہتے تھے اس نے ان کو اپنے نفس کے بارے میں پھسلایا اور دروازہ بند کر کے کہنے لگی کہ بس آجاؤ۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کی پناہ۔ بیشک وہ (تیرا شوہر) تو میرا آقا ہے جس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔ بے شک بے انصاف لوگ فلاح نہیں پاتے اور البتہ اس عورت نے اس حضرت یوسف سے ارادہ (بد) کر لیا تھا اور وہ (یوسف) بھی اس (عورت) سے ارادہ کر ہی لیتا اگر اس نے اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لی ہوتی۔ اسی طرح ہوا (ہم نے ان کو بچالیا) تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور

رکھیں۔ بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

رَاوَدَتْهُ: اس (عورت) نے اس کو برائی کی ترغیب دی۔ اس نے اس کو پھسلایا۔ مُرَاوَدَةٌ سے ماضی۔

غَلَّقَتِ: اس (عورت) نے بند کر دیا۔ تَغْلِيقٌ سے ماضی۔

هَيْتَ لَكَ: تو آجا۔ تو جلدی کر۔

هَمَّتْ: اس (عورت) نے ارادہ کیا۔ هَمٌّ سے ماضی۔

نَصْرِفَ: ہم دور کر دیں۔ ہم پھیر دیں۔ صَرْفٌ سے مضارع۔

تشریح: عزیزِ مصر نے آپ کو اپنی اولاد کی مانند رکھا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو بھی کہہ دیا تھا کہ ان کو نہایت عزت و اکرام سے رکھنا۔ لیکن اس عورت کی نیت میں فتور آگیا، وہ حضرت یوسف کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی۔ اس نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے بناؤ سنگھار کر کے ان کو پھسلایا اور دروازہ بند کر کے حضرت یوسف کو اپنے قریب بلایا۔ حضرت یوسف نے جواب دیا کہ اس بری حرکت سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ بلاشبہ تیرا خاوند میرا سردار ہے۔ اس نے مجھ پر مہربانی کی ہے، مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس کی خیانت کروں۔ بلاشبہ ظالم و بے انصاف لوگ فلاح نہیں پاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت نے تو حضرت یوسف کو پھانسنے کی کوشش کی مگر انہوں نے عورت کا داؤ نہیں چلنے دیا، اگر حضرت یوسف نے اپنے رب کی روشن دلیل کو نہ دیکھا ہوتا تو ثابت قدم رہنا مشکل تھا۔ بعض مفسرین نے "**وَهَمَّ بِهَا**" کو "**وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ**" سے علیحدہ کر کے "**لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ**" سے متعلق کیا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ عورت نے تو حضرت یوسف کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف بھی عورت کا ارادہ کر لیتے، اگر وہ اپنے پروردگار کی قدرت و حجت کو نہ دیکھ لیتے۔ بعض نے لفظ "**وَهَمَّ**" کو میلان و رغبت کے معنی میں لیا ہے، یعنی حضرت یوسف کے دل میں کچھ فطری رغبت و میلان بے اختیار پیدا ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اس کو اپنے عزم سے رد کا۔

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے اس وقت اسے ایک دلیل دکھا کر برائی سے بچا لیا، اسی طرح اس کے دوسرے کاموں میں بھی اس کی مدد کرتے رہے اور اسے برائیوں اور بے حیائیوں سے

بچاتے رہے کیونکہ وہ ہمارا برگزیدہ اور مخلص بندہ تھا۔

(ابن کثیر ۴۷۳/۲، ۴۷۵، عثمانی ۶۶۹/۱)

حضرت یوسفؑ کا دروازے کی طرف بھاگنا

۲۵، ۲۷۔ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوْٓءًا إِلَّآ أَنْ يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ○ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِنْ كَانَ قَمِيْصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَإِنْ كَانَ قَمِيْصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○

اور (جب یوسف بھاگ کر جانے لگے) وہ دونوں دروازے تک دوڑتے گئے اور عورت نے پیچھے سے اس کا کرتہ پھاڑ ڈالا اور دونوں نے (اتفاقاً) اس عورت کے شوہر کو دروازے کے پاس (کھڑا) پایا۔ (پیش بندی کے طور پر) وہ عورت کہنے لگی کہ جو شخص تیرے اہل کے ساتھ برا ارادہ کرے، اس کی تو یہی سزا ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے یا دردناک عذاب دیا جائے۔ (حضرت) یوسف نے کہا کہ یہ خود ہی مجھے پھسلا رہی تھی اور (اس موقع پر) اس عورت کے خاندان میں سے ایک دیکھنے والے نے یہ شہادت دی کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی اور یہ (یوسف) جھوٹا۔ اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو عورت جھوٹی اور وہ (یوسف) سچا۔

قَدَّتْ: اس (عورت) نے پھاڑ دیا۔ قَدٌّ سے ماضی۔

اَلْفَيَا: ان دونوں نے پایا۔ اِلْفَاءٌ سے ماضی۔

لَدَا: پاس۔ نزدیک۔ طرف۔ اسم ظرف ہے۔

تشریح: پھر حضرت یوسفؑ اپنے آپ کو بچانے کے لئے دروازے کی طرف دوڑے اور وہ عورت ان کو پکڑنے کے ارادے سے ان کے پیچھے پیچھے بھاگی۔ حضرت یوسف کے کرتے کا پچھلا حصہ

اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے زور سے اپنی طرف کھنچا۔ جس سے حضرت یوسف کا توازن خراب ہو گیا لیکن انہوں نے بھی آگے کی طرف زور لگا کر دوڑ جاری رکھی، جس کے نتیجہ میں کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا۔ اس دوران دونوں دروازے پر پہنچ گئے جہاں عورت کا خاوند موجود تھا۔ جس کو دیکھتے ہی عورت نے سارا الزام حضرت یوسف کے سر تھوپ دیا اور اپنی پاکیزگی بیان کرنے لگی۔ اپنے شوہر کو حضرت یوسف کے خلاف بھڑکانے کے لئے اس نے کہا کہ جس شخص نے آپ کی بیوی سے برے کام کا ارادہ کیا ہو اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ یا تو اس کو قید کر دیا جائے یا اس کو کوئی دردناک سزا دی جائے۔

حضرت یوسفؑ نے اپنی آبرو خطرے میں دیکھ کر خیانت کی بدترین تہمت سے بچنے کے لئے صاف صاف کہہ دیا کہ حقیقت یہ ہے کہ یہی میرے پیچھے پڑی تھی۔ میرے بھاگنے پر بھی مجھے پکڑ رہی تھی یہاں تک کہ میرا کرتہ بھی پھاڑ دیا۔ پھر عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اور ثبوت اور دلیل کے ساتھ ان سے کہا کہ پھٹے ہوئے پیرہن کو دیکھ لو کہ اگر وہ سامنے کی طرف سے پھٹا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے۔ کرتے کا آگے سے پھٹنا اس بات کی دلیل ہے کہ (معاذ اللہ) یوسف نے دست درازی کی تھی اور زلیخا نے اس کو دفع کرنے کی کوشش کی۔ اسی کشمکش میں کرتہ سامنے سے پھٹ گیا اور اگر یوسف کا کہنا صحیح ہے کہ عورت اس کو اپنی طرف بلاتی تھی اور وہ دروازے کی طرف بھاگا اور زلیخا نے اس کا تعاقب کیا تو ظاہر ہے وہ کرتہ پیچھے سے پکڑ کر کھینچے گی جس کے نتیجہ میں کرتہ پیچھے ہی سے پھٹے گا۔

(ابن کثیر ۴۷۵ / ۲، عثمانی ۱/۶۷۱)

عزیز مصر کی صاف گوئی

۲۸، ۲۹۔ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۫ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـــِٕيْنَ ○

پھر جب (عزیز مصر نے) اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو (عورت سے) کہنے لگا کہ بیشک یہ تم عورتوں کا مکر ہے۔ بیشک تمہارا مکر بہت عظیم ہے۔ اے

یوسف! اس معاملے کو جانے دو اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ ۔ بے شک تو ہی خطاکار ہے ۔

تشریح: مذکورہ بالا تجویز کے مطابق جب زلیخا کے شوہر نے حضرت یوسف کے کرتے کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا ۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ یوسف سچا ہے اور اس کی بیوی جھوٹی ہے اور وہ یوسف پر تہمت لگا رہی ہے ۔ چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ تو تیرا مکر و فریب ہے ۔ عموماً عورتیں ایسا ہی کیا کرتی ہیں ۔ تم اس نوجوان پر تہمت باندھ رہی ہو اور اس پر جھوٹا الزام رکھ رہی ہو ۔ پھر اس نے حضرت یوسف سے کہا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ۔ اب اس واقعہ کو بھول جائیے ۔ آئندہ کبھی اس کا ذکر نہ کرنا کہ یہ سخت رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے ۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ ، یقیناً تو ہی قصوروار ہے ۔

(ابن کثیر ۲/۴۷۶)

شہر کی عورتوں کی حیلہ جوئی

۳۰، ۳۲ ۔ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۗ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ز وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۗ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ○ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۗ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۗ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ○

اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیزِ مصر کی بیوی اپنے غلام (یوسف) کو اپنی خواہش نفس کی طرف مائل کرنا چاہتی ہے ، اس کا دل اس کی محبت میں فریفتہ ہو گیا ہے ۔ بیشک ہم تو اس کو صریح غلطی پر دیکھتے ہیں ۔ پھر جب عزیز کی بیوی نے ان عورتوں کی مکاری کی باتیں سنیں تو ان کو بلا بھیجا اور ان کے واسطے

مسندیں تیار کیں اور (پھل تراشنے کے لئے) ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور (یوسف کو) کہا کہ (ذرا) نکل کر ان کے سامنے آجاؤ ۔ پھر جب عورتوں نے اس (یوسف) کو دیکھا تو (اس کے جمال سے) حیران رہ گئیں اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہا کہ اللہ کی پناہ! یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے ۔ وہ عورت کہنے لگی کہ یہی تو (یوسف) ہے جس کے لئے تم نے مجھے ملامت کی تھی اور بیشک میں نے اس کو اس کے نفس کے بارے میں پھسلایا لیکن وہ بچا رہا اور اگر وہ میرا کہنا نہ مانے گا تو ضرور اس کو قید کر دیا جائے گا اور یہ ضرور بے عزت ہو گا ۔

تُرَاوِدُ: وہ پھسلاتی ہے ۔ وہ بہلاتی ہے ۔ وہ اکساتی ہے ۔ مُرَاوَدَۃٌ سے مضارع ۔

فَتٰھَا: اس (عورت) کا خادم ۔ اس کا غلام ۔ جمع فِتْیَانٌ ۔

حَاشَ لِلّٰہِ: اللہ کی پاکی، اللہ کی پناہ ۔ توبہ توبہ، سبحن اللہ، کلمہ، تعجب ہے ۔ تنزیہ و براءت کے لئے آتا ہے (نسفی ۱/۲۲۰)

شَغَفَھَا: اس نے اس کے دل میں جگہ کر لی ۔ وہ اس کے دل میں اتر گیا ۔ شَغْفٌ سے ماضی ۔

مُتَّکَاً: تکیہ لگانے کی جگہ ۔ سہارا لگانے کی جگہ ۔ اِتِّکَاءٌ سے اسم ظرف ۔

سِکِّیْنًا: چھری ۔ چاقو ۔ جمع سَکَاکِیْنُ ۔

اَکْبَرْنَهٗ: ان (عورتوں) نے اس کو بہت بڑا سمجھا ۔ وہ حیران رہ گئیں ۔ اِکْبَارٌ سے ماضی ۔

لُمْتُنَّنِیْ: تم (عورتوں) نے مجھے ملامت کی ۔ لَوْمٌ سے ماضی ۔

اِسْتَعْصَمَ: اس نے تھامے رکھا ۔ اس نے بچائے رکھا ۔ اِسْتِعْصَامٌ سے ماضی ۔

یُسْجَنَنَّ: وہ ضرور قید کیا جائے گا ۔ سَجْنٌ سے مضارع مجہول ۔

تشریح: جب زلیخا کے مکر و فریب کی خبر شہر میں پھیلی تو کچھ عورتوں نے کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو عزیزِ مصر کی بیوی ہوتے ہوئے ایک غلام پر جان دے رہی ہے اور یوسف کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے ۔ بلاشبہ زلیخا صریح غلطی میں پڑی ہوئی ہے ۔ وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئی ہے اور اس نے پاک دامنی کو چھوڑ دیا ہے ۔

پھر زلیخا کو ان کی پر فریب باتوں کا پتہ چل گیا ۔ یہاں عورتوں کی گفتگو کو مکر اس لئے کہا

گیا کہ وہ مکاروں کی طرح چھپ چھپ کر باتیں کرتی تھیں اور زلیخا پر طعن کرنے سے ان کا مقصد اپنی پارسائی جتانا تھا حالانکہ حضرت یوسف کے دیدار کا شوق ان کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ اس مکر و فریب اور حیلہ جوئی سے ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح زلیخاان کو بلواکر حضرت یوسف کا دیدار کرادے۔ چنانچہ اس نے اپنی مجبوری اور مصلحت کے پیش نظر اور ان کے حیلے اور چال کو سمجھتے ہوئے اسی وقت ان کو بلاوا بھیجا کہ فلاں وقت میرے ہاں دعوت ہے۔

پھر اس نے ان کے لئے کھانے پینے کی ایک مجلس مرتب کی جس میں بعض چیزیں چاقو سے تراش کر کھانے کی تھیں۔ جب وہ عوتیں اس کے پاس آگئیں تو زلیخا نے ہر ایک کو ایک ایک تیز چھری دے دی تاکہ کھانے کی چیزوں کو کاٹنے میں کسی کو انتظار نہ کرنا پڑے۔ پھر زلیخا نے حضرت یوسف کو آواز دے کر وہاں بلایا جو اس وقت دوسرے کمرے میں تھے۔ حضرت یوسف کا نکلنا تھا کہ بجلی سی کوند گئی اور تمام عورتیں حضرت یوسف کے حسن و جمال کو دیکھتے ہی ہوش و حواس کھو بیٹھیں اور مدہوشی کے عالم میں چھریوں سے پھلوں کی جگہ اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور ان کو تکلیف کا بھی احساس نہیں ہوا۔ اس پر زلیخا نے کہا کہ دیکھا حضرت یوسف کی ایک ہی جھلک نے تمہیں ایسا ازخود رفتہ کر دیا تو بتاؤ میرا کیا حال ہو گا۔ عورتوں نے جواب دیا کہ واللہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے اور وہ بھی بڑے رتبے والا۔ آج کے بعد ہم تمہیں کبھی ملامت نہیں کریں گے۔

ابن جریر، حاکم اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے آسمان کی طرف لیجایا گیا (شب معراج میں) میں نے دیکھا کہ یوسف چودھویں کے چاند کی طرح تھے۔ عکرمہؒ کا قول ہے کہ حسن میں یوسف کی دوسرے لوگوں پر برتری ایسی تھی جیسے ستاروں پر چودھویں رات کے چاند کی۔

پھر زلیخا نے ان عورتوں سے کہا کہ یہی وہ کنعانی غلام ہے جس کی محبت کے بارے میں تم نے مجھے برا بھلا کہا تھا ہر چند میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ میرے قبضے میں نہیں آیا۔ جہاں اس میں بے مثال ظاہری حسن و جمال ہے وہیں اس میں عصمت و عفت کی باطنی خوبی بھی بے نظیر ہے۔ اگر یہ میری بات نہ مانے گا تو یقیناً اسے قید کر دیا جائے گا۔ اور یہ ضرور ذلیل و خوار ہو گا

(عثمانی ۲/۷٦ ،۱، مظہری ۱۵۷، ۱۵۹ / ۵)

حضرت یوسف کی دعاء

۳۳، ۳۴ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا
تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝
فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ کَیْدَهُنَّ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ
الْعَلِیْمُ ۝

(حضرت) یوسف نے دعاء کی، اے میرے رب! مجھے تو اس (واہیات) کام سے قید بہتر ہے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اور اگر تو ان کا فریب مجھ سے دور نہ کرے گا تو (مجھے خوف ہے) کہیں میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور میں نادانوں میں سے ہو جاؤں۔ سو اللہ نے اس کی دعاء قبول کر لی اور اس سے ان کا فریب دور کر دیا۔ بیشک وہ (دعاؤں کا) بڑا سننے والا (اور ان کے احوال کا) خوب جاننے والا ہے۔

تَصْرِفْ: تو پھیرے گا۔ تو دفع کرے گا۔ صَرْفٌ سے مضارع۔

اَصْبُ: میں جھک جاؤں گا۔ میں مائل ہو جاؤں گا۔ صُبُوٌّ صَبْوَةٌ سے مضارع

تشریح: پھر حضرت یوسفؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے اللہ! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل جانا پسند ہے۔ اگر تو نے مجھے ان کے بد ارادوں اور مکر و فریب سے محفوظ نہ رکھا تو ایسا نہ ہو کہ میں کسی برائی میں پھنس جاؤں۔ اے اللہ! مجھے اپنے کسی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ تیری مدد اور تیرے رحم و کرم کے بغیر نہ تو میں کسی گناہ سے رک سکتا ہوں اور نہ کوئی نیک عمل کر سکتا ہوں۔ اے اللہ تو مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا کہ میں ان عورتوں کی طرف مائل ہو جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور ان کو عورتوں کے مکر و فریب سے محفوظ رکھا۔ بلاشبہ وہ دعاؤں کو سننے والا اور لوگوں کے احوال و مصالح کو خوب جاننے والا ہے۔ (ابن کثیر ۲/۴۷۷)

حضرت یوسفؑ کو قید کرنا

۳۶،۳۵۔ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ○ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

پھر (یوسف کی پاکی کی) نشانیاں دیکھنے کے باوجود ان کو یہی بہتر معلوم ہوا کہ ان کو ایک مدت تک قید میں رکھیں اور ان کے ساتھ دو جوان (بھی) قید خانہ میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میں (خواب میں) دیکھتا ہوں کہ میں (انگور سے) شربت نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں (اے یوسف) تو ہمیں اس کی تعبیر بتا۔ بیشک ہم تمہیں نیک سمجھتے ہیں۔

بَدَا لَهُمْ: وہ ان پر ظاہر ہو گیا۔ وہ ان پر کھل گیا۔ بَدْوٌ سے ماضی۔

حِيْنٍ: وقت۔ زمانہ۔ مدت۔

اَعْصِرُ: میں نچوڑتا ہوں۔ عَصْرٌ سے مضارع۔

خُبْزًا: روٹی۔ نان۔

تشریح: پھر جب حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی کا راز سب پر کھل گیا تو ان لوگوں نے حضرت یوسف کی برأت کی تمام نشانیاں دیکھنے کے باوجود یہی طے کیا کہ ان کو کچھ دن کے لئے قید کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ حضرت یوسف ہی قصور وار تھے، عورت کی اس میں کوئی خطا نہ تھی۔ اس طرح زلیخا نے حضرت یوسف کو قید کرنے کی جو دھمکی دی تھی اسے پورا کر کے چھوڑا۔

حضرت یوسفؑ کے ساتھ قید خانے میں دو نوجوان اور بھی داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک باشادہ کا باورچی اور دوسرا ساقی تھا۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو کھانے پینے میں زہر دینے کی سازش کی تھی۔ قید خانے میں حضرت یوسف کی راست گوئی، حسنِ خلق، کثرتِ

عبادت، سخاوت و حسنِ سلوک اور خواب کی صحیح تعبیر دینے کا چرچا تھا۔ یہ دونوں شاہی ملازم بھی حضرت یوسف سے بہت مانوس ہو گئے اور اظہارِ محبت کرنے لگے۔ ایک دن دونوں نے حضرت یوسف سے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ ان میں سے ایک نے جو بادشاہ کو پانی پلاتا تھا کہا کہ میں نے دیکھا کہ میں نے انگور نچوڑ کر پیالہ بھرا اور بادشاہ کو پلا دیا۔ دوسرے نے جو باورچی تھا کہا کہ میں نے دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے ان میں سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ آپ ہم میں سے ہر ایک کے خواب کی تعبیر بتائیے کیونکہ ہمارے خیال میں آپ صحیح تعبیر دینے والے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، ہم پر بھی احسان کیجئے اور ہمیں صحیح تعبیر بتا دیجئے۔

(عثمانی ۶۷۳، ۶۷۴ / ۱، مظہری ۱۶۰، ۱۶۲ / ۵)

حضرت یوسف کا اعلانِ توحید

۳۷، ۳۸ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ○ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ○

(حضرت یوسف نے) کہا کہ جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے وہ آنے نہ پائے گا کہ میں اس کے آنے سے پہلے ہی تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ تعبیر دینا بھی اس علم کی بدولت ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ بیشک میں نے اس قوم کا مذہب ترک کر دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں اور میں نے تو اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کے دین کو اختیار کر رکھا ہے۔ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں یہ ہم پر اور عام لوگوں پر اللہ کا ایک فضل ہے لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا)

شکر (ادا) نہیں کرتے۔

تشریح: حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں قیدیوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے خوابوں کی صحیح تعبیر میں جانتا ہوں اور بہت جلد میں تمہیں بتادوں گا۔ روزمرہ کا جو کھانا تمہارے لئے تمہارے گھروں یا جیل خانے کے مطبخ سے آتا ہے، اس کے آنے سے پہلے ہی تمہیں اپنے خوابوں کی حقیقت اور کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ اس سے پہلے میں تمہیں ایک ضروری بات بتاتا ہوں۔ یاد رکھو! میں کوئی کاہن یا منجم نہیں بلکہ میرے علم کا سرچشمہ وحی اور الہام ربانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وجہ سے عطا فرمایا ہے کہ میں نے ان لوگوں کا دین اختیار نہیں کیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور خصوصیت کے ساتھ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ میں تو اپنے باپ دادا حضرت ابراہیم واسحاق و یعقوب علیہم السلام کے دین کی اتباع کرتا ہوں۔ ہمیں کسی طرح زیب نہیں دیتا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ یہ توحید اور خدا کی وحدانیت کی گواہی اللہ کا خاص فضل و مہربانی ہے جس میں ہم تنہا نہیں بلکہ اللہ کی اور مخلوق بھی شامل ہے۔ البتہ ہمیں یہ فضیلت حاصل ہے کہ ہمارے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے جو ہم دوسرے لوگوں کو پہنچا دیتے ہیں لیکن اکثر لوگ اللہ کی اس نعمت کی ناشکری اور ناقدری کرتے ہیں جو اس نے ان کے پاس اپنا رسول بھیج کر ان پر انعام فرمائی۔ (ابن کثیر ۴۷۸ / ۲، مظہری ۱۶۲، ۱۶۳ / ۵)

حضرت یوسف ؑ کی تبلیغ

۳۹، ۴۰۔ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ ○ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْہَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ط ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا چند متفرق معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ (بہتر ہے) جو زبردست ہے۔ تم اللہ کو چھوڑ کر محض چند ناموں کی عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی

سند نازل نہیں کی ۔ اللہ کے سوا کسی کو حکم دینے کا اختیار نہیں ۔ اسی نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو ۔ یہی سیدھا طریقہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔

اَرْبَابٌ: بہت سے رب ۔ بہت سے معبود ۔ واحد رَبٌّ ۔

اَلْقَیِّمُ: درست ۔ سیدھا ۔

تشریح: اے میرے قید خانے کے ساتھیو! ایک ایسا خدا جو سب پر غالب اور ہر چیز پر قادر ہے ۔ جس کے سامنے تمام مخلوق عاجز و بے بس ہے اور جس کا کوئی شریک و ساتھی نہیں، وہ بہتر ہے یا تمہارے وہ خیالی معبود بہتر ہیں جن کو تم پوجتے ہو اور جو ہر طرح سے عاجز و بے بس ہیں ۔ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن بے حقیقت معبودوں کو پوجتے ہو وہ تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے گھڑے ہوئے ہیں ۔ اللہ نے ان کے وجود یا ان کے عبادت کے لائق ہونے کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی ۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا ۔ اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو سو تم بھی اسی حکم پر عمل کرو ۔ یہ توحید ہی سیدھا دین ہے ۔ اس میں کسی قسم کی کجی نہیں لیکن اکثر لوگ توحید و شرک کا فرق نہیں جانتے اسی لئے وہ شرک کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں ۔

دونوں قیدیوں کے خواب کی تعبیر

۴۱، ۴۲ ۔ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ۝ وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ۖ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ۝

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! تم میں سے ایک تو (جرم سے بری ہو کر) اپنے آقا کو (بدستور) شراب پلایا کرے گا اور دوسرا (مجرم قرار پاکر) سولی پر لٹکایا جائے گا، پھر پرندے اس کے سر سے کھائیں گے ۔ جس امر کے بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدر ہو چکا ہے ۔ اور ان دونوں شخصوں میں سے جس

کے بارے میں یوسف نے گمان کیا تھا کہ وہ رہائی پائے گا، اس سے کہا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا، سو اس کو شیطان نے اپنے آقا کے سامنے ذکر کرنے سے غافل کر دیا۔ پھر چند برس تک یوسف قید خانے میں بند رہے۔

نَاجٍ: نجات پانے والا۔ رہائی پانے والا۔ نَجَاۃٌ سے اسم فاعل۔

لَبِثَ: وہ رہا۔ وہ ٹھہرا۔ لَبْثٌ سے ماضی۔

بِضْعَ: چند۔ کئی۔ یہ لفظ تین سے نو تک کے عددوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

سِنِیْنَ: سال۔ برس۔ واحد سَنَۃٌ۔

تشریح: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں ساتھی قیدیوں کو تبلیغ دین کے بعد ان کے خوابوں کی تعبیر واضح طور پر بتانے کی بجائے قدرے مبہم انداز میں بتائی تاکہ ان میں سے ایک رنجیدہ نہ ہو جائے اور موت سے پہلے اس پر موت کا بوجھ نہ پڑ جائے۔ چنانچہ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم دونوں میں سے ایک تو بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا۔ (یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے جس نے اپنے آپ کو انگور نچوڑ کر باشادہ کو پلاتے ہوئے دیکھا تھا) اور دوسرے کو سولی دے دی جائے گی یعنی جس نے اپنے سر پر روٹیاں دیکھی تھیں اس کو سولی دے دی جائے گی اور پرندے اس کا گوشت نوچ کر کھائیں گے۔ پھر فرمایا کہ اب یہ ہو کر ہی رہے گا کیونکہ جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ کی جائے وہ معلق رہتا ہے اور جب تعبیر ہو جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے۔

خواب کی تعبیر کے مطابق حضرت یوسف نے جس آدمی کو یہ سمجھا کہ وہ جیل سے آزاد ہونے والا ہے، اس کو اس کے ساتھی سے پوشیدہ طور پر فرمایا کہ بادشاہ کے سامنے ذرا میرا بھی ذکر کر دینا، لیکن شیطان نے اس کو وہ بات بھلا دی اور وہ بادشاہ کے سامنے اس کا ذکر کرنا بھول گیا۔ سو حضرت یوسف کو کئی سال تک قید خانہ ہی میں رہنا پڑا۔ (ابن کثیر ۴۷۹/ ۲)

بادشاہ کا خواب

۴۳، ۴۶۔ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ
عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ
اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ

أَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ۝ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَّعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

اور بادشاہ نے کہا کہ میں نے (خواب میں) دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیں ہیں اور سات خشک ۔ اے سردارو! اگر تمہیں (خواب کی) تعبیر دینی آتی ہے تو تم میرے خواب کے بارے میں مجھے بتاؤ ۔ انہوں نے کہا کہ (یہ تو) پریشان خیالات ہیں اور ہم ایسے خیالات کی تعبیر نہیں بتاتے اور وہ شخص جو ان (مذکورہ) دو قیدیوں میں سے بچ گیا تھا اور جس کو ایک مدت کے بعد (اپنا وعدہ) یاد آیا وہ کہنے لگا کہ میں تمہیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں پس تم مجھے ذرا (قید خانے تک) جانے دو ۔ (اس نے قید خانے میں جاکر کہا) اے سچے یوسف ہمیں اس کی تعبیر بتا کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیں ہیں اور سات خشک ۔ تاکہ میں لوگوں کے پاس لوٹ کر جاؤں کہ انہیں بھی (یہ تعبیر) معلوم ہو جائے ۔

سِمَانٍ : موٹی ۔ واحد سَمِیْنٌ ۔

عِجَافٌ : لاغر ۔ دبلی ۔ واحد اَعْجَفُ ۔

سُنْبُلٰتٍ : بالیں ۔ خوشے ۔ واحد سُنْبُلَۃٌ ۔

خُضْرٍ : سبز ۔ ہرا ۔ واحد اَخْضَرُ و خَضْرَاءُ ۔

یٰبِسٰتٍ : خشک ۔ سوکھی ہوئی ۔ واحد یَابِسَۃٌ ۔

اَضْغَاثٌ : پریشان ۔ پراگندہ ۔ واحد ضِغْثٌ ۔

اَحْلَامٍ : خواب ۔ خیالات ۔ واحد حِلْمٌ ۔

تشریح : جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے ۔ چنانچہ جب حضرت یوسف کو قید سے نجات دلانا منظور ہوا تو اللہ نے بادشاہ کو ایک خواب دکھایا جو ان کی رہائی کا سبب بنا ۔ بادشاہ نے ایک ایسا عجیب و غریب خواب دیکھا کہ کوئی بھی اس کی تعبیر نہ بتا

سکا۔

بادشاہ نے بتایا کہ اس نے خواب میں سات موٹی گائیں دیکھی ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور اس نے دیکھا کہ سات سرسبز بالیں ہیں اور ان کے علاوہ سات خشک بالیں ہیں جو ان سات سرسبز بالوں پر لپٹ کر ان کو خشک کر رہی ہیں۔ بادشاہ نے خواب بیان کرنے کے بعد اہل دربار سے اس کی تعبیر مانگی۔ اہل دربار نے کہا کہ اول تو یہ کوئی خواب ہی نہیں، محض پریشان خیالات اور دماغی بخارات ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ سلطنت کے امور سے تو واقف ہیں، مگر خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔ بادشاہ ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔

اس وقت وہ شخص جس نے دونوں قیدیوں میں سے رہائی پائی تھی مجلس میں موجود تھا۔ ایک طویل مدت کے بعد اس کو حضرت یوسف کی بات یاد آئی۔ اس نے بادشاہ اور اہلِ دربار سے کہا کہ مجھے قید خانے جانے کی اجازت دو تو میں تمہیں اس کی تعبیر سے آگاہ کر دوں گا۔ بادشاہ نے اس کو اجازت دے دی تو اس نے جیل میں جا کر کہا۔ اے یوسف! اے بڑے سچے! مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ جو بادشاہ نے دیکھا ہے تاکہ میں جا کر ان کو بتاؤں۔ پھر اس نے حضرت یوسفؑ کے سامنے بادشاہ کا خواب بیان کیا۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر

۴۷، ۴۹ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝

(حضرت) یوسف نے جواب دیا کہ تم سات برس تک متواتر (خوب محنت سے) کھیتی کرنا۔ پھر جو فصل کاٹو تو اس کو بالوں میں ہی رہنے دینا (تاکہ گھن نہ لگے) سوائے تھوڑی سی مقدار کے جو تمہارے کھانے میں آئے۔ پھر اس کے بعد سات سال سخت (قحط کے) آئیں گے۔ جو اس (ذخیرے) کو کھا جائیں گے۔ جو تم نے پہلے (جمع کر کے) رکھا ہو گا۔ ان (قحط کے سالوں) کے لئے سوائے اس

تھوڑے سے (غلہ کے) جو تم نے (بیج کے واسطے) روک لیا ہو گا۔ پھر اس (قحط کے سات برس) کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہوگی اور وہ اس میں خوب رس نچوڑیں گے۔

دَاَبًا: جم کر۔ متواتر محنت کرنا۔ مصدر ہے۔

حَصَدْتُّمْ: تم نے درانتی سے کاٹا۔ تم نے فصل کو کاٹا۔ حَصَادٌ سے ماضی۔

تُحْصِنُوْنَ: تم (بیج کے لئے) روکے رکھو۔ تم بچائے رکھو۔ اِحْصَانٌ سے مضارع۔

يُغَاثُ: خوب بارش ہوگی۔ غَيْثٌ سے مضارع مجہول۔

يَعْصِرُوْنَ: وہ نچوڑیں گے۔ عَصْرٌ سے مضارع۔

تشریح: خواب سن کر حضرت یوسف نے کہا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم لوگ اپنی عادت کے مطابق سات سال تک متواتر کھیتی باڑی کرو گے۔ ان میں خوب غلہ پیدا ہو گا۔ یہی سات سال سات موٹی گائیں اور سات ہری بالیں ہیں۔ اس کے بعد سات سال تک سخت قحط رہے گا۔ یہی سات دبلی گائیں اور سات خشک بالیں ہیں۔ ان قحط کے سالوں میں لوگ گزشتہ سات سال کی تمام پیداوار کھا جائیں گے۔ صرف تھوڑا سا غلہ بچے گا اس کو بیج کے لئے محفوظ کر لینا۔

پھر فرمایا کہ قحط سے پہلے کے سات سالوں میں جو کھیتی تم کاٹو اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق غلہ صاف کر لینا، باقی غلے کو ان کے پودوں سمیت بالوں ہی میں چھوڑ دینا تاکہ وہ کیڑے سے محفوظ رہے یعنی اس فصل کے پودوں کو بالوں سمیت ذخیرہ کر دینا تاکہ وہ آفتوں سے محفوظ رہے اور قحط کے دنوں میں ان کے پودوں کا بھوسہ جانوروں کی خوراک کے طور پر استعمال ہو سکے۔

پھر قحط کے سالوں کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں خوب بارش ہوگی اور پھل اور انگور کثرت سے پیدا ہوں گے اور لوگ ان کا شیرا نچوڑ کر پئیں گے۔

(مواہب الرحمن ۲۴۶، ۲۴۷ / ۱۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۵ / ۴)

حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی

۵۰۔ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ

اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ○

اور (تعبیر سننے کے بعد) بادشاہ نے کہا کہ اس (یوسف) کو میرے پاس لے آؤ۔ پھر جب (حضرت) یوسف کے پاس قاصد پہنچا تو انہوں نے قاصد سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس لوٹ جا پھر اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ بیشک میرا رب تو ان کے مکر سے خوب واقف ہے۔

تشریح: ساقی حضرت یوسفؑ سے بادشاہ کے خواب کی تعبیر معلوم کر کے بادشاہ کے پاس واپس پہنچا اور اس کو تعبیر سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ حضرت یوسف نے آنے والے قحط سے بچاؤ کی یہ تدبیر بتائی ہے تو بادشاہ سن کر حیران رہ گیا۔ اس حسنِ تعبیر اور حسنِ تدبیر سے بادشاہ کے دل پر حضرت یوسف کے علم و فضل، عقل و دانش اور حسنِ اخلاق کا سکہ بیٹھ گیا۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کی زیارت کروں اور اس کے مرتبے اور قابلیت کے موافق اس کا اعزاز و اکرام کروں۔ چنانچہ قاصد شاہی پیغام لے کر حضرت یوسفؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں جیل سے اس وقت تک نہیں نکلوں گا جب تک کہ لوگوں کے سامنے میری برأت اور بے گناہی ظاہر نہ ہو جائے اور لوگوں کو پتہ نہ چل جائے کہ مجھے بے قصور قید میں رکھا گیا ہے۔ پہلے ان عورتوں سے تحقیق کی جائے جنہوں نے زلیخا کی مجلس میں مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔

تحقیق کے بعد جب میری برأت ثابت ہو جائے گی تب میں یہاں سے نکلوں گا۔ بلاشبہ میرا پروردگار عورتوں کے مکر و فریب کو خوب جانتا ہے۔ اب تم بھی تحقیق کر لو تاکہ تمہیں بھی معلوم ہو جائے کہ خطاوار کون ہے۔ (مواہب الرحمن ۲۵۰، ۲۵۲ / ۱۲)

زُلیخا کا اقبالِ جرم

۵۱، ۵۲۔ قَالَ مَا خَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْئٰنَ

حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ○

(بادشاہ نے) پوچھا اس وقت تمہارا کیا حال تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس کے بارے میں پھسلانا چاہا تھا۔ انہوں نے جواب دیا حَاشَ لِلّٰہ۔ ہمیں اس میں کوئی برائی نہیں معلوم۔ عزیز کی بیوی کہنے لگی کہ اب تو حق بات (سب پر) ظاہر ہو ہی گئی۔ (بات یہ تھی کہ) میں نے ہی اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور بیشک وہی سچا ہے۔ (حضرت یوسف نے کہا کہ میں نے) یہ اس لئے کیا ہے تاکہ عزیز جان لے کہ اس کی عدم موجودگی میں، میں نے اس کی خیانت نہیں کی تھی۔ اور یہ کہ اللہ خیانت کرنے والوں کا فریب نہیں چلنے دیتا۔

خَطْبُكُنَّ: تمہارا حال۔ تمہاری حقیقت۔

حَصْحَصَ: وہ ظاہر ہو گیا۔ وہ کھل گیا۔ حَصْحَصَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: ایلچی نے واپس آکر حضرت یوسف کا منشا ظاہر کیا۔ بادشاہ نے زلیخا سمیت ان تمام عورتوں کو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے طلب کیا۔ جب سب حاضر ہو گئیں تو بادشاہ نے کہا کہ اے عورتو! اس وقت تمہارا کیا حال تھا جب تم نے حضرت یوسف کو ان کے نفس کے بارے میں پھسلایا تھا۔ کیا اس نے تمہاری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھا تھا۔ عورتوں نے فوراً کہا حَاشَ لِلّٰہ۔ ہمیں تو اس میں کوئی برائی معلوم نہیں۔ زلیخا بھی اس وقت وہاں موجود تھی۔ اس نے کہا کہ اب حق بات سب کے سامنے ظاہر ہو گئی ہے، لہٰذا اب اس کا چھپانا بے کار ہے۔ بے شک حق یہی ہے کہ میں نے ہی یوسف کو اس کے نفس کے بارے میں پھسلایا تھا، میں نے ہی اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ وہ تو مجھ سے بیزار ہو کر بھاگا جا رہا تھا۔ بلاشبہ وہ سچا ہے۔

پھر بادشاہ نے حضرت یوسف کو پیغام بھیجا کہ ان عورتوں نے اپنے گناہ کا اقرار کر لیا ہے چنانچہ حضرت یوسف نے آکر فرمایا کہ اس سارے اہتمام سے میری غرض صرف یہ تھی کہ عزیزِ مصر کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی عزت و ناموس میں کوئی خیانت نہیں کی۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے حیلے اور فریب کو چلنے نہیں دیتا۔

تحدیثِ نعمت

۵۳ - وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ج اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ط
اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

اور میں اپنے نفس کو (برائی سے) بری نہیں بتاتا۔ بیشک نفس تو برائی سکھاتا ہی رہتا ہے۔ (ہاں) مگر جس پر میرا رب ہی رحم کرے۔ بیشک میرا رب بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اَمَّارَةٌ: بڑا حکم دینے والا۔ اَمْرٌ سے مبالغہ ہے۔

تشریح: جب زلیخا نے حضرت یوسف کو بے قصور قرار دے کر اپنے جرم کو تسلیم کر لیا تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ اس اظہارِ برأت سے میرا مقصود خود ستائی اور اپنی تعریف نہیں بلکہ میری عصمت و عفت محض اللہ کے فضل، اس کی رحمت اور توفیق سے ہے۔ میں اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ مجھ سے گناہ اور برائی کا صدور ناممکن اور محال ہے اور نہ میری غرض یہ ہے کہ میں اپنے نفس کی پاکیزگی ظاہر کردوں کیونکہ نفس تو سب سے بڑھ کر بدی کی راہ دکھانے والا ہے، سوائے اس شخص کے جس پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل اور رحمت فرمادے۔ سو جس پر اللہ کا فضل اور مہربانی ہو جاتی ہے وہ نفس کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اسی جہادِ نفس کی وجہ سے اس کو فرشتوں پر برتری حاصل ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ میرا رب نفس کے ارادوں اور تصورات کو بخشنے والا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

مالیات کے سربراہ کی حیثیت سے تقرر

۵۴، ۵۵ - وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ج فَلَمَّا كَلَّمَهٗ
قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ○ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی
خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ج اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ○

اور بادشاہ نے کہا کہ اس (حضرت یوسف) کو میرے پاس لے آؤ تاکہ میں اس کو خالص اپنے (کام) کے لئے رکھوں۔ پھر جب بادشاہ نے اس سے بات چیت

کی (اور اس کو ان کی اہلیت کا اندازہ ہوا) تو بادشاہ نے ان سے کہا کہ آج سے تو ہمارے نزدیک بڑا معزز (اور) اعتبار والا ہے۔ (حضرت) یوسف نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے۔ بیشک میں حفاظت کرنے والا (اور ان کا صحیح مصرف) جاننے والا ہوں۔

لَدَيْنَا: ہمارے پاس۔

مَكِيْنٌ: عزت والا۔ مرتبہ والا۔ مَكَانَةٌ سے صفت شبہ۔

تشریح: بادشاہ پر جب حضرت یوسفؑ کی بے گناہی ظاہر ہو گئی اور آپ کے علم و امانت کا مرتبہ بھی اس کو معلوم ہو گیا تو کہنے لگا کہ اس شخص کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ۔ ایسے شخص کو تو میں خاص اپنے لئے مقرر کروں گا۔ عزیزِ مصر سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو گا۔ چنانچہ حضرت یوسف کو بادشاہ کے پاس لایا گیا اور بادشاہ نے ان سے بالمشافہ گفتگو کی تو وہ ان کی فہم و فراست دیکھ کر بالکل ہی گرویدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ آج سے تو ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والا اور امانت دار ہے پھر خواب کی تعبیر کا ذکر آیا تو بادشاہ نے کہا کہ اتنے بڑے قحط کا انتظام بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت یوسف نے بادشاہ کو اس کے انتظام و انصرام کا طریقہ بتایا تو بادشاہ نے کہا کہ اس کا کفیل و ذمہ دار کون ہو گا؟ یہ انتظام کس کے سپرد کیا جائے؟ میرا دل تو تمہاری طرف مائل ہے کیونکہ تم مجسم صدق امانت ہو اور تمہاری فہم و فراست تمہارے چہرے سے عیاں ہے۔

حضرت یوسفؑ نے کہا کہ اچھا تو پھر مجھے ملک کے خزانوں یعنی ملکی پیداوار اور اس کی آمد و خرچ پر مقرر کر دیجئے تاکہ یہ خزانے صحیح حقداروں کو پہنچا سکوں۔ بلاشبہ میں خداداد علم و فہم سے بڑا حفاظت کرنے والا اور بڑا واقف کار ہوں۔ اللہ نے میرے اندر انتظام کی صلاحیت رکھی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس بات کو منظور کر لیا اور حضرت یوسف کو اپنا وزیر بنا لیا۔

(مظہری ۱۷۱، ۱۷۲/ ۵)

حضرت یوسفؑ کی حکومت

۵۶، ۵۷۔ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ
يَشَآءُ ۚ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ

الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا
يَتَّقُوْنَ ۝

اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں جگہ (اور قدرت) دی کہ جہاں
چاہتے قیام کرتے۔ ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں اور ہم بھلائی
کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرت کا اجر ان لوگوں کے لئے اس
سے بہتر ہے، جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔

مَكَّنَّا: ہم نے فائز کیا۔ ہم نے قوت دی۔ تَمْكِيْنٌ سے ماضی۔

نُصِيْبُ: ہم پہنچاتے ہیں۔ ہم متوجہ کرتے ہیں۔ اِصَابَةٌ سے مضارع۔

تشریح: اس طرح طویل قید اور تکلیف کے بعد ہم نے حضرت یوسف کو مصر میں حکومت اور اقتدار و اختیار دیا۔ وہ مصر میں جہاں پہنچ جاتے اور جو چاہتے تصرف کرتے۔ ملک کا بادشاہ تو برائے نام بادشاہ تھا، حقیقت میں تو حضرت یوسف ہی بادشاہت کر رہے تھے اور عزیزِ مصر کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ یہ سب اللہ کی رحمت کا نتیجہ تھا، وہ جس کو چاہے اپنی رحمت سے نوازے کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ایک پرہیزگار اور ایماندار کے لئے آخرت کا اجر دنیا کے اجر سے کہیں بہتر ہے سو حضرت یوسف کو جو دنیاوی سلطنت ملی وہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے ورنہ آخرت میں جو اجر و ثواب ان کو ملے گا وہ وہم و گمان سے بڑھ کر ہے۔

بھائیوں کا غلے کے لئے آنا

۶۲،۵۸- وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ
مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ
لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ
الْمُنْزِلِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا
تَقْرَبُوْنِ ۝ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝ وَقَالَ
لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ

اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○

اور (جب کنعان میں بھی قحط پڑا تو حضرت) یوسف کے بھائی (مصر میں) اس کے پاس آئے۔ سو اس نے تو ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچان سکے اور جب (یوسف نے) ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا کہ (جب تم دوبارہ آؤ تو) اپنے سوتیلے بھائی کو بھی میرے پاس لانا (اس کا حصہ بھی دوں گا)۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پیمانہ پورا (بھر کر) دیتا ہوں اور میں بڑا مہمان نواز ہوں۔ اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو میرے پاس تمہارے لئے پیمانہ (غلہ) نہیں ہے اور تم میرے قریب بھی نہ آنا۔ وہ کہنے لگے کہ بہت جلد ہم اس کی طرف سے اس کے باپ کو پھسلائیں گے اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے۔ اور یوسف نے اپنے ملازموں سے کہہ دیا کہ ان کی پونجی (رقم) ان کے سامان میں (چھپا کر) رکھ دو تاکہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر جائیں تو اس کو پہچان لیں۔ (اس طرح) شاید وہ دوبارہ آئیں۔

جَهَّزَ: اس نے تیار کیا۔ تَجْهِيْزٌ سے ماضی

اَلْكَيْلَ: پیمانے سے غلہ وغیرہ ناپنا۔ پیمانہ۔

اَلْمُنْزِلِيْنَ: اتارنے والے۔ مہمان نواز۔ اِنْزَالٌ سے اسم فاعل۔

سَنُرَاوِدُ: بہت جلد ہم بہلائیں گے۔ بہت جلد ہم پھسلائیں گے۔ مُرَاوَدَةٌ سے مضارع۔

فِتْيٰنِهٖ: اس کے خادم۔ اس کے غلام۔ واحد فَتًى۔

بِضَاعَتَهُمْ: ان کا سرمایہ۔ ان کی پونجی۔

رِحَالِهِمْ: ان کا سامان۔ ان کے کجاوے۔ واحد رَحْلٌ۔

اِنْقَلَبُوْا: وہ لوٹ کر آئے۔ وہ پھر گئے۔ اِنْقِلَابٌ سے ماضی۔

تشریح: مصر کا وزیر بننے کے بعد حضرت یوسفؑ نے سات سال تک غلہ کو بہترین طریقے سے ذخیرہ کیا۔ پھر جب قحط سالی شروع ہوئی اور لوگ دانے دانے کو ترسنے لگے تو ضرورت مندوں میں غلہ تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ باہر سے آنے والے ہر شخص کو ایک اونٹ بھر غلہ دیتے تھے۔

قحط مصر سے باہر دوسرے علاقوں میں بھی پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ لوگ دور دور سے غلے کے

حصول کے لئے مصر آرہے تھے ۔ ان میں حضرت یوسفؑ کے بھائی بھی تھے جن کو ان کے والد حضرت یعقوبؑ نے غلہ لینے کے لئے بھیجا تھا ۔ حضرت یعقوب نے بنیامین کو، جو حضرت یوسف کے بھائی تھے، اپنے پاس روک لیا اور باقی دس بیٹوں کو غلہ لینے کے لئے مصر بھیج دیا تھا ۔ جب یہ لوگ حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو فوراً پہچان لیا لیکن بھائیوں میں سے کوئی بھی حضرت یوسف کو نہ پہچان سکا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف ان سے بچپن ہی میں جدا ہو گئے تھے اور انہی بھائیوں نے ان کو اہلِ قافلہ کے ہاتھوں بیچ دیا تھا ۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جس بچہ کو انہوں نے غلام کی حیثیت سے فروخت کیا تھا وہ آج عزیزِ مصر بنا بیٹھا تھا ۔

حضرت یوسف نے بھائیوں کو دیکھ کر ان سے عبرانی زبان میں گفتگو کی اور ان سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو اور یہاں کیا کرنے آئے ہو ۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ ملکِ شام کے چرواہے ہیں ۔ قحط کی تکلیف میں مبتلا ہو کر غلہ لینے آئے ہیں ۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ شاید تم لوگ یہاں جاسوسی کے لئے آئے ہو ۔ وہ کہنے لگے کہ واللہ! ہم جاسوس نہیں ہیں بلکہ ایک ایسے باپ کی اولاد ہیں جس کو اللہ کے پیغمبروں میں شمار کیا جاتا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ ہم بارہ بھائی تھے ۔ ہم میں جو سب سے چھوٹا تھا اور ہمارے باپ کی آنکھوں کا تارا تھا وہ تو ہلاک ہو گیا ۔ اسی کا ایک بھائی اور ہے جس کو باپ نے اپنے پاس روک لیا ہے ۔ اگر آپ اس کے حصہ کا غلہ بھی ہمیں دے دیں تو بڑی مہربانی ہو گی ۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ اس طرح غائب کا حصہ دینا خلافِ قاعدہ ہے ۔ جب دوبارہ آؤ تو اپنے بھائی کو ساتھ لانا تب ہی اس کا حصہ ملے گا ۔

اس کے بعد حضرت یوسف نے حکم دیا کہ ان لوگو کو سرکاری مہمان سمجھا جائے اور ان کی ہر طرح خاطر و مدارت کی جائے ۔ پھر ہر ایک کو ایک ایک اونٹ غلہ دے دیا اور سب کا سامان درست کرا دیا اور کہا کہ دیکھو آئندہ جب آؤ تو اپنے علاتی (باپ شریک) بھائی کو ساتھ لے کر آنا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو ۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں غلے کا ناپ پورا دیتا ہوں، کسی کو کم نہیں دیتا ۔ اور میں بہترین میزبان ہوں ۔ پھر تمہیں اپنے بھائی کو لانے میں کیا تردد ہے ۔ اگر تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو میں سمجھوں گا کہ تم جھوٹ بول کر اور دھوکہ دے کر ایک اونٹ غلہ زیادہ لینا چاہتے تھے اور میں تمہیں اناج کا ایک دانہ بھی نہ دوں گا بلکہ میں تمہیں اپنے نزدیک بھی نہ آنے دوں گا ۔

پھر انہوں نے وعدہ کیا کہ اگرچہ اس کو باپ سے جدا کرنا بہت مشکل ہے تاہم ہم کہہ سن

کر اور ہر طرح سے باپ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر آئیں اور بادشاہ کے سامنے جھوٹے نہ پڑیں۔ ادھر حضرت یوسفؑ نے اپنے غلہ ناپنے والے خادموں سے کہا کہ ان لوگوں نے غلہ کی قیمت میں جو کچھ مال و اسباب دیا ہے وہ بھی ان کے سامان میں اس خوبصورتی سے رکھ دو کہ ان کو معلوم تک نہ ہو۔ تاکہ گھر جاکر جب اپنی پونجی دیکھیں تو امید ہے کہ ہماری چیزیں ہمیں واپس کرنے ضرور آئیں گے۔

(ابن کثیر ۴۸۳ / ۲، مواہب الرحمٰن ۲۱، ۲۸ / ۱۲، عثمانی ۶۸۱، ۶۸۲ / ۱)

بھائیوں کا واپس جانا

۶۳، ۶۴۔ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ
مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ
اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪
وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس پہنچے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ! ہمارے لئے پیمانہ (غلہ) بند کر دیا گیا ہے۔ سو آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم پیمانہ (غلہ) بھر کر لے آئیں اور ہم اس کی ضرور حفاظت کریں گے (حضرت) یعقوب نے کہا کہ کیا میں اس بارے میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ ہی خوب حفاظت کرنے والا ہے۔ اور وہی سب سے زیادہ مہربان ہے۔

تشریح: پھر جب وہ لوٹ کر اپنے والد کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والد کو بتایا کہ جس شخص کے پاس ہم غلہ لینے گئے تھے اس نے ہماری خوب خاطر و مدارت کی اور وہ ہمارے ساتھ نہایت اعزاز و اکرام سے پیش آیا، لیکن اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ آئندہ تمہیں اس وقت تک غلہ نہیں ملے گا جب تک کہ تم اپنے بھائی کو ساتھ نہیں لاؤ گے۔ سو آئندہ آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بنیامین کو بھی بھیج دیں تاکہ ہمیں غلہ مل جائے۔ آپ بے فکر رہئے ہم اس کی پوری

حفاظت کریں گے ۔ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ تم اس کے ساتھ بھی وہی کرو گے جو اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف کے ساتھ کر چکے ہو ۔ سو اللہ ہی بہترین حافظ اور نگہبان ہے، وہی سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے ۔ امید ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا اور مجھ پر رحم فرمائے گا ۔ میرا رنج و غم دور کر دے گا اور مجھے اس کی ذات سے امید ہے کہ وہ یوسف کو مجھ سے پھر ملا دے گا

(ابن کثیر ۴۸۴ / ۲)

بیٹوں سے عہد و پیمان لینا

۶۵، ۶۶ ۔ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ط
قَالُوْا يٰاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ط هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ج وَنَمِيْرُ
اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ط ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ
○ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ
لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ج فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ
عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ○

اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو انہوں نے اس میں سے اپنی پونجی (رقم) پائی جو ان کو واپس کر دی گئی تھی ۔ وہ کہنے لگے کہ اے باپ ! ہمیں اور کیا چاہئے ۔ یہ ہے ہماری پونجی (رقم) جو ہمیں لوٹا دی گئی ہے اور ہم اپنے گھر والوں کے لئے (اور) غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لے آئیں گے ۔ یہ پیمانہ بھر دینا (بادشاہ کے لئے) آسان ہے ۔ (حضرت) یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ میں (یوسف کے بھائی کو) تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم مجھے اللہ کا پختہ عہد نہ دو گے کہ تم اس کو میرے پاس ضرور لاؤ گے ۔ بجز اس کے کہ تم سب گھیرے میں آجاؤ پھر جب انہوں نے اس کو پختہ عہد دے دیا تو (حضرت یعقوب نے) کہا کہ ہماری اس گفتگو پر اللہ نگہبان ہے ۔

نَمِيْرُ: ہم غلہ لائیں گے۔ ہم خوراک لائیں گے۔ مَیْرٌ سے مضارع۔
بَعِيْرٍ: اونٹ۔ شتر۔ اسم جنس ہے۔ واحد و جمع۔ مذکر و مؤنث سب پر بولا جاتا ہے۔
مَوْثِقًا: مضبوط عہد۔ وثوق سے مصدر میمی۔

تشریح: گھر پہنچ کر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے جب اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اس میں اپنا وہ تمام سرمایہ جو انہوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر عزیزِ مصر کو دیا تھا، موجود پایا جو ان کو لوٹا دیا گیا تھا۔ اپنی اداشدہ رقم کو اپنے سامان میں موجود پاکر وہ حضرت یعقوب سے کہنے لگے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا احسان ہوگا کہ شاہ مصر نے ہماری مہمان نوازی کی، خاطر مدارت کی، ہمیں اچھی طرح رکھا۔ پھر ہمارے ہاتھ غلہ فروخت کیا اور ہماری دی ہوئی قیمت بھی لوٹا دی۔ لہذا اب آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ ضرور بھیج دیں تاکہ ہم مزید غلہ لے کر آئیں۔ بھائی کی وجہ سے ہم سب کو بھی غلہ مل جائے گا اور بھائی کے نام سے ایک اونٹ کا بوجھ مزید ملے گا۔ کیونکہ عزیزِ مصر ہر شخص کو ایک اونٹ کا بوجھ دیتا ہے۔ اس وقت مزید غلہ کا حصول نہایت آسان ہے۔

بیٹوں کی گفتگو سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تمہارے بھائی کو ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک تم حلفیہ اقرار نہ کرو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس لے کر آؤ گے سوائے اس کے کہ تم سب ہی کہیں پھنس جاؤ۔ جب بیٹوں نے حلفیہ اقرار کر لیا تو حضرت یعقوب نے یہ فرمایا کہ ہماری اس گفتگو کا اللہ تعالیٰ وکیل ہے اور پھر اپنے پیارے بیٹے کو ان کے ساتھ کر دیا۔ اس لئے کہ قحط کے سبب غلہ کی ضرورت تھی اور بیٹے کو بھیجے بغیر چارہ نہ تھا۔

حضرت یعقوبؑ کی بیٹوں کو نصیحت

۶۷، ۶۸۔ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ
مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا
لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○
وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ
لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اور (چلتے وقت حضرت) یعقوب نے کہا کہ اے میرے بیٹو! تم سب (شہر میں) ایک دروازے سے مت داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تمہیں اللہ کی مشیت سے نہیں بچا سکتا۔ حکم تو بس اللہ ہی کا (چلتا) ہے میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور ہر بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور جب وہ (شہر میں) اس طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے ان کو حکم دیا تھا تو یہ تدبیر اللہ کے حکم کو ذرا بھی ٹال نہیں سکتی تھی مگر یہ یعقوب کے دل کی ایک خواہش تھی جس کو انہوں نے پورا کیا اور بلاشبہ وہ تو صاحبِ علم تھے کیونکہ ہم نے انہیں علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ (یہ بات) نہیں جانتے۔

تشریح: حضرت یعقوبؑ کے بیٹے نہایت حسین و جمیل، سرو قامت اور تنومند تھے۔ اس لئے ان کو خیال ہوا کہ کہیں اجتماعی طور پر شہر میں داخل ہوتے دیکھ کر ان کو کسی کی نظر نہ لگ جائے کیونکہ نظر کا لگ جانا حق ہے۔ یہ گھوڑے سوار کو گرا دیتی ہے۔ لہٰذا انہوں نے بیٹوں کو رخصت کرتے وقت نصیحت کی کہ تم لوگ شہر کے ایک ہی دروازے سے ایک ساتھ شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ ایک ایک، دو دو، کر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ میں جانتا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ خدا کی قضا کو کوئی شخص کسی تدبیر سے بدل نہیں سکتا۔ خدا کا چاہا پورا ہو کر رہتا ہے، اسی کا حکم چلتا ہے، کوئی نہیں جو اس کے ارادے کو بدل سکے، اس کے فرمان کو ٹال سکے اور اس کی قضاء کو لوٹا سکے۔ میں تو اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور میں ہی کیا ہر توکل کرنے والے کو اسی پر توکل کرنا چاہئے۔

حضرت یوسفؑ کے بھائی مصر پہنچ کر اپنے والد کی نصیحت کے مطابق مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوئے۔ مگر یہ تدبیر بھی اس چیز کو دفع نہ کر سکی جو اللہ کی طرف سے ہونے والی تھی۔ لیکن یہ حضرت یعقوب کے دل کی خواہش تھی، جس کو انہوں نے اولاد کو نصیحت کر کے پورا کر لیا بلاشبہ حضرت یعقوب اس چیز کو خوب جانتے تھے جو ہم نے ان کو سکھائی تھی۔ لیکن اکثر لوگ اس سے واقف نہیں کہ تدبیر تقدیر کو دفع نہیں کر سکتی۔ (مظہری ۱۷۹، ۱۸۰ / ۵، ابن کثیر ۴۸۴ / ۲)

بنیامین سے خصوصی معاملہ

۶۹۔ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ
فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی (اور تنہائی میں اس سے) کہا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں ۔ سو جو کچھ یہ (تیرے ساتھ) کرتے رہے اس پر غم نہ کر۔

تَبْتَئِسْ: تو غمگین ہوتا ہے ۔ تو ناامید ہوتا ہے ۔ اِبْتِئَاسٌ سے مضارع ۔

تشریح: بنیامین حضرت یوسفؑ کے سگے بھائی تھے ۔ جب وہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف نے سب کو سرکاری مہمان خانے میں ٹھہرایا اور ان کو بڑی عزت و اکرام کے ساتھ رکھا ۔ پھر اپنے بھائی بنیامین کو تنہائی میں بتادیا کہ میں تیرا حقیقی بھائی یوسف ہوں ۔ اللہ نے ہم پر انعام فرمایا ہے ۔ ان لوگوں نے ہمارے اوپر جو مظالم کئے کہ مجھے باپ سے جدا کر کے کنوئیں میں ڈالا ، مجھے غلام بنا کر بیچا اور ہمارے باپ بھائی کو جدائی کے صدمے میں مبتلا کیا ، ان سب باتوں پر تمہیں رنج کرنے کی ضرورت نہیں ۔ یہ وقت نہ رنج و غم کا ہے اور نہ شکوہ و شکایت کا بلکہ اللہ تعالیٰ کے شکر کا وقت ہے ۔ یہ بات ان کو نہ بتانا ۔ میں کوشش کروں گا کہ کسی طرح تمہیں اپنے پاس روک لوں ۔ (عثمانی ۱/۶۸۴)

بھائیوں پر چوری کا الزام

۷۰،۷۵۔ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ
اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا
عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ○ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ
جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ○ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ
مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ○ قَالُوْا فَمَا
جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ○ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ

رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَاؤُهٗ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے اسباب میں پینے کا پیالہ رکھ دیا ۔ پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو! تم یقیناً چور ہو ۔ (یوسف کے بھائی) ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے ۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں بادشاہ کا پیالہ نہیں ملتا اور جو شخص اس کو لے کر آئے گا اس کو ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ انعام کے طور پر) ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں ۔ (یوسف کے بھائی) کہنے لگے کہ واللہ تم خوب جان چکے ہو کہ ہم ملک میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم کبھی چور تھے ۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلو تو اس (چور) کی کیا سزا ہے ۔ (یوسف کے بھائیوں نے) جواب دیا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان سے وہ (پیالہ) نکلے وہی (شخص) اس کا بدلہ ہو گا ۔ ہم ظالموں (چوروں) کو یہی سزا دیا کرتے ہیں ۔

اَلسِّقَايَةَ: پینے کا برتن ۔ پانی پلانے کی جگہ ۔ پانی پلانا ۔

تَفْقِدُوْنَ: تم کھوتے ہو ۔ تم گم کرتے ہو ۔ فَقْدٌ سے مضارع ۔

صُوَاعَ: پیالہ ۔ بادشاہی پیمانہ ۔ جمع صِيْعَانٌ ۔

زَعِيْمٌ: ذمہ دار ۔ ضامن ۔ کہنے والا ۔ زَعْمٌ و زَعَامَةٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: حضرت یوسف نے حسب عادت اپنے بھائیوں کو ایک ایک اونٹ غلہ دے دیا اور ان کا سامان روانگی کے لئے تیار ہونے لگا تو چپکے سے اپنا پانی پینے اور غلہ ناپنے کا پیالہ اپنے بھائی بنیامین کے سامان میں رکھوا دیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ پیالہ چاندی کا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سونے کا تھا ۔ اس میں پانی پیا جاتا تھا اور اسی سے غلہ بھر کر دیا جاتا تھا ۔

سب بھائی غلہ لے کر خوش و خرم روانہ ہو گئے ۔ جب شہر سے باہر نکلے تو ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو! ہمارے گمان میں تم چور معلوم ہوتے ہو ۔ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قیام خاص مہمان خانے میں تھا جہاں شاہی پیمانہ رکھا ہوا تھا، اس لئے قافلے کی روانگی کے بعد شاہی ملازمین نے سامان کی پڑتال کے دوران شاہی پیمانہ گم پایا ۔ جب تلاش کے باوجود نہ ملا تو ان کو خیال ہوا کہ مہمان خانے میں اس قافلے کے سوا کوئی نہ تھا اس لئے منادی کرنے والے نے جا کر آواز دی ۔

حضرت یوسفؑ کے بھائی منادی کی آواز سن کر گھبرا گئے اور ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تمہاری کیا چیز کھو گئی۔ تلاش کرنے والوں نے بتایا کہ شاہی پیمانہ جس سے اناج ناپا تھا گم ہو گیا ہے۔ جو اس کو تلاش کر کے دے گا اس کو ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ انعام میں ملے گا اور میں اس وعدے کا ضامن ہوں۔ حضرت یوسف کے بھائیوں نے جواب دیا کہ تم ہماری عادات اور خصلتوں سے واقف ہو چکے ہو۔ ہم نہ تو فساد پھیلانے آئے ہیں اور نہ ہم چور ہیں۔ ان کی بات سن کر منادی کرنے والوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلے اور تم میں سے کسی کے سامان میں سے شاہی پیالہ برآمد ہوا تو اس کی کیا سزا ہو گی۔ وہ کہنے لگے کہ ہماری شریعت میں اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں سے تمہارا مال برآمد ہو اس کو ایک سال کے لئے اپنا غلام بنا لینا۔ ہم ظالموں یعنی چوری کرنے والوں کو یہی سزا دیتے ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱، ۵۳ / ۴، ابن کثیر ۴۸۵ / ۲)

بھائیوں کے سامان کی تلاشی

۷۶، ۷۷۔ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاۤءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاۤءِ
اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ
دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَاۤءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۤءُ ؕ
وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ
لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ
اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝

سو یوسف نے اپنے (حقیقی) بھائی کے اسباب سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی لینی شروع کی۔ پھر اس نے اپنے بھائی کے سامان میں سے اس کو برآمد کر لیا۔ یوں ہم نے یوسف کو تدبیر بتائی (ورنہ مصر کے) بادشاہ کے قانون کی رو سے وہ اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے۔ مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں اور تمام علم والوں سے بڑھ کر ایک بڑا علم والا ہے۔ (یوسف کے بھائی) کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی تو اس سے پہلے اس کا بھائی

بھی چوری کر چکا ہے ۔ پس یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور اس کو ان کے سامنے ظاہر نہیں کیا (اور اپنے دل میں) کہا کہ تم بڑے بد اطوار ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کہہ رہے ہو ۔

اَوْعِیَتِھِمْ : ان کی خرجیں ۔ ان کے برتن ۔ ان کی محفوظ رکھنے والی چیزیں ۔ واحد وِعَاءٌ ۔

یُبْدِھَا : اس نے اس کو ظاہر کیا ۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع ۔

تَصِفُوْنَ : تم بیان کرتے ہو ۔ تم بتاتے ہو ۔ وَصْفٌ سے مضارع ۔

تشریح: چور کی سزا طے پانے کے بعد حضرت یوسفؑ نے حکم دیا کہ ان کے سامان کی تلاشی لی جائے ۔ چنانچہ پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی گئی تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو ۔ آخر میں بنیامین کے سامان کی تلاشی شروع ہوئی ۔ چونکہ پیالہ اسی کے سامان میں رکھوایا گیا تھا، اس لئے وہ اسی کے سامان سے برآمد ہوا ۔ پیالہ برآمد ہوتے ہی حضرت یوسف نے حکم دیا کہ بنیامین کو روک لیا جائے ۔ یہ تھی وہ ترکیب جو بنیامین کو روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سکھائی تھی ۔ شاہ مصر کے قانون کے مطابق چوری ثابت ہونے کے باوجود حضرت یوسف بنیامین کو اپنے پاس نہیں روک سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے ۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے علم و حکمت دے کر اس کے درجے بلند کر دیتا ہے ۔ کسی عالم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے علم پر ناز کرے ۔ علم کے اعتبار سے ایک سے ایک بڑھ کر ہے، یہاں تک کہ اس کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہے ۔

بنیامین کے سامان سے پیالہ برآمد ہونے پر حضرت یوسف کے بھائی شرمندہ ہوئے اور غصے میں آکر کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے ۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا ۔ بالآخر یہ بھی اپنے بھائی کی طرح نکلا ۔ ایسی سخت بات سن کر بھی حضرت یوسف بے قابو نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اس بات کو اپنے دل میں رکھا، پھر ان کو مخاطب کر کے کہا کہ تم بہت ہی گھٹیا درجے کے ہو ۔ ابھی تو کہہ رہے تھے کہ ہم چوروں میں سے نہیں ۔ جب ایک بھائی کے سامان میں سے مال برآمد ہو گیا تو اس کے ساتھ دوسرے غیر حاضر بھائی کو بھی ملوث کرنے لگے ۔ گویا تم چوری کے عادی ہو ۔

(عثمانی ۶۸۶، ۶۸۷ / ۱)

بھائیوں کی درخواست

۷۸، ۷۹۔ قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا
مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ
نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝

وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیں۔ بیشک ہم آپ کو بہت احسان کرنے والا پاتے ہیں۔ (حضرت) یوسف نے کہا اللہ کی پناہ (اس بات سے) کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے شخص کو پکڑ کر رکھیں۔ تب تو ہم بڑے بے انصاف ٹھہریں گے۔

تشریح: جب بنیامین کے سامان سے شاہی پیالہ برآمد ہو گیا اور وہ ان کے اپنے اقرار کے مطابق شاہی قیدی قرار پائے تو انہیں بہت فکر ہوئی کہ اب باپ کو جا کر کیا جواب دیں گے۔ وہ عزیزِ مصر کی منت خوشامد کرنے لگے۔ کہنے لگے کہ اس کے والد بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں۔ ان کا ایک بھائی پہلے ہی گم ہو چکا ہے جس کا انہیں بہت صدمہ ہے۔ سو اس کے بوڑھے باپ کا خیال کر کے اس کے بدلے آپ ہم میں سے کسی کو اپنے پاس رکھ لیں۔ بیشک آپ بڑے محسن ہیں۔ ہم آپ سے احسان کی امید رکھتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے جواب دیا کہ اللہ کی پناہ، اللہ تعالیٰ بے انصافی سے بچائے۔ بھلا یہ ظلم و بے انصافی کیسے ہو سکتی ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ اگر میں ایسا کروں تو اللہ کے نزدیک ظالم ٹھہروں گا۔

بھائیوں کا باہم مشورہ کرنا

۸۰، ۸۲۔ فَلَمَّا اسْتَیْـٴَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ قَالَ كَبِیْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا
اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ
مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى یَاْذَنَ لِیْۤ اَبِیْۤ
اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى

اَبِيكُمْ فَقُولُوا يَآبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

پھر جب وہ اس (یوسف) سے نا امید ہو گئے تو علیحدہ ہو کر مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سے بڑے نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا پختہ عہد لیا ہے اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں بھی قصور کر چکے ہو سو میں تو اس زمین سے نہیں ٹلوں گا۔ جب تک کہ میرا باپ مجھے اجازت نہ دے یا اللہ تعالیٰ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ کر دے اور وہ بہتر فیصلہ دینے والا ہے۔ تم اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ اے ہمارے باپ! بیشک آپ کے بیٹے نے چوری کر لی اور ہم نے تو وہی کہا جو ہمیں معلوم تھا اور ہمیں غیب کی خبر نہ تھی (کہ وہ چوری کرے گا) اور آپ اس بستی والوں سے بھی پوچھ لیجئے جہاں ہم تھے اور اس قافلے والوں سے بھی پوچھ لیجئے جن کے ساتھ ہم (یہاں) آئے ہیں اور بیشک ہم سچے ہیں۔

اِسْتَيْئَسُوْا: وہ مایوس ہو گئے۔ وہ نا امید ہو گئے۔ اِسْتِيْئَاسٌ سے ماضی۔

فَرَّطْتُّمْ: تم نے کوتاہی کی۔ تم نے قصور کیا۔ تَفْرِيْطٌ سے ماضی۔

اَبْرَحُ: میں ٹلوں گا۔ میں چھوڑوں گا۔ بَرْحٌ سے مضارع۔

تشریح: جب حضرت یوسف کا جواب سن کر ان کے بھائی، بنیامین کی رہائی کے بارے میں بالکل نا امید ہو گئے اور سمجھ گئے کہ اب وہ بنیامین کو ان کے حوالے نہیں کریں گے تو وہ ایک طرف کو ہٹ کر تنہائی میں باہم مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سے اکثر کی رائے یہ تھی کہ وطن واپس جانا چاہئے لیکن بڑے بھائی نے کہا کہ باپ کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤ گے۔ جو عہد تم ان سے کر کے آئے ہو اس کا کیا جواب دو گے۔ ایک قصور تو تم پہلے ہی یوسف کے بارے میں کر چکے ہو جس کا اثر آج تک موجود ہے۔ میں تو اب کسی صورت یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ یہاں تک کہ میرا باپ مجھے یہاں سے چلے جانے کی اجازت دے یا اللہ میرے لئے کوئی حکم اور فیصلہ فرما دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ سو تم مجھے تو یہاں چھوڑ دو اور واپس جا کر باپ سے کہہ دو کہ تمہارے بیٹے بنیامین نے چوری کی اس لئے اس کو وہاں روک لیا گیا۔ ہم آپ سے وہی بیان کر رہے

ہیں جو ہمیں معلوم ہے۔ ہمیں غیب کی خبر نہیں۔ اگر آپ کو ہماری بات کا یقین نہ آئے تو آپ کسی معتبر آدمی کو بھیج کر بستی والوں سے تحقیق کرالیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ نیز اہلِ قافلہ سے دریافت کرلیں جو ہمارے ساتھ واپس آئے ہیں۔ بلاشبہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں۔

حضرت یعقوبؑ کا صبر و استقامت

۸۳، ۸۶ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللّٰهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

(حضرت) یعقوب نے کہا (نہیں) بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات گھڑلی ہے سو اب صبر ہی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا۔ بیشک وہی جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور (حضرت) یعقوب نے ان کی طرف سے رخ پھیر لیا اور کہنے لگے، ہائے افسوس یوسف پر! ان کی آنکھیں غم سے سفید (بے نور) ہو گئیں، پس وہ سخت غمگین ہو گئے۔ بیٹے کہنے لگے خدا کی قسم تم تو سدا یوسف کو یاد کرتے رہو گے یہاں تک کہ مضمحل ہو جاؤ یا ہلاک ہی ہو جاؤ گے۔ (حضرت) یعقوب نے جواب دیا کہ میں تو اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ ہی سے کرتا ہوں اور میں اللہ ہی کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

سَوَّلَتْ : اس نے چکمہ دیا۔ اس نے فریب دیا۔ تَسْوِیْلٌ سے ماضی۔

اِبْیَضَّتْ : وہ سفید ہو گئیں۔ وہ بے نور ہو گئیں۔ اِبْیِضَاضٌ سے ماضی۔

کَظِیْم : سخت غمگین۔ کَظْمٌ و کُظُوْمٌ سے صفت مشبہ۔

تَفْتَؤُا : تو ہمیشہ رہے گا۔ فعل ناقص ہے۔

حَرَضًا: مضمحل ۔ بیمار ۔ مصدر بھی ہے اسم بھی ۔

بَثِّیْ: میری بے قراری ۔

تشریح: حضرت یعقوبؑ نے پہلے کی طرح بیٹوں کی بات کا اعتبار نہ کیا بلکہ تمام حال سن کر فرمایا کہ بنیامین چوری میں نہیں پکڑا گیا بلکہ یہ تو تم نے اپنی طرف سے کوئی بات بنائی ہے ۔ خیر جو ہوا سو ہوا، میں تو اب صبری کروں گا اور کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاؤں گا ۔ میں اپنے خدا سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ اس صبر کرنے میں میری مدد فرمائے ۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھ سے ملادے گا ۔ بیشک وہ علیم ہے میری حالت کو خوب جانتا ہے وہ حکیم ہے اس کی قضاء و قدر اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا ۔

اس واقعہ سے حضرت یوسفؑ کا غم پھر سے تازہ ہو گیا اور حضرت یعقوبؑ شدتِ غم کے باعث بیٹوں کی طرف سے منہ موڑ کر کہنے لگے ہائے افسوس یوسف! حضرت یوسف کی جدائی کے غم میں روتے روتے ان کی آنکھیں بے رونق یا بے نور ہو گئیں ۔ جس قدر بصارت گھٹتی جاتی تھی بصیرت بڑھتی جاتی تھی وہ کسی سے اپنے صدمے کی شکایت نہیں کرتے تھے ۔

پھر بیٹوں نے باپ کا حال دیکھ کر انہیں سمجھانا شروع کیا، اگر آپ کا یہی حال رہا تو کہیں زندگی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں ۔ حضرت یعقوبؑ نے ان کو جواب دیا کہ میں تو اپنی پریشانی اور رنج کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں، تم سے کچھ نہیں کہتا ۔ مجھے یقین ہے کہ یوسف ابھی زندہ ہے کیونکہ اس کا خواب ابھی پورا نہیں ہوا ۔ بہت جلد وہ مجھ سے آملے گا اور جو خواب اللہ نے اس کو دکھایا ہے وہ حرف بحرف پورا ہو گا اور مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ مضطر کی دعاء قبول کرتا ہے ۔

(ابن کثیر، ۴۸۷ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۹،۵۸ / ۴)

بیٹوں کو حضرت یوسفؑ کی تلاش کا حکم

۸۷، ۸۸ یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْــٴَـسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا یَایْــٴَـسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَتَصَدَّقْ

عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ۝

اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ بیشک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔ پھر جب وہ اس (یوسف) کے پاس پہنچے تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر (قحط کی وجہ سے) بڑی مصیبت پڑی ہے اور ہم ناقص پونجی لے کر آئے ہیں سو ہمیں پورا پیمانہ بھر دیجئے اور ہم پر صدقہ کر دیجئے بیشک اللہ صدقہ دینے والوں کو (جزائے خیر) دیتا ہے۔

رَوْح: آرام۔ رحمت۔ فیض۔ مصدر ہے۔

مُزْجٰةٍ: تھوڑی۔ ناقص۔ حقیر۔ اِزْجَاءٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں سے فرمایا کہ اے میرے بیٹو! میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ ظاہری تدبیر کو ترک نہ کرو۔ لہذا تم بھی ایک بار پھر مصر جاؤ۔ حضرت یوسف اور بنیامین کو تلاش کرو۔ اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ صرف وہی لوگ اس کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں جن کے دلوں میں کفر ہوتا ہے۔ تم بھی تلاش جاری رکھو اور اللہ سے اچھی امید رکھو۔

چنانچہ یہ لوگ وہاں سے چل کر پھر حضرت یوسفؑ کے پاس مصر پہنچ گئے اور ان سے کہا کہ قحط کی وجہ سے ہمارے گھر والوں کو سخت تکلیف پہنچی ہے، ہم مصیبت میں مبتلا ہیں اور غلہ خریدنے کے لئے ہمارے پاس پوری قیمت نہیں اس لئے ناقص اور ناقابل قبول پونجی لے کر آئے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمیں اسی طرح پورا غلہ دے دیجئے جس طرح اس سے پہلے پوری قیمت پر ہمیں غلہ دیتے رہے اور ہم پر صدقہ کیجئے اور ہمارے بھائی کو رہا کر دیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کا اپنے آپ کو ظاہر کرنا

۸۹، ۹۱ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ
۝ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۖ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۫

قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۖ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝

(حضرت) یوسف نے کہا کیا تم جانتے ہو جو کچھ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ (برتاؤ) کیا تھا جب تمہیں سمجھ نہیں تھی۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تم واقعی یوسف ہو؟ اس نے کہا کہ میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ بیشک جو شخص گناہوں سے بچتا اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم! بیشک اللہ نے تمہیں ہم پر فضیلت عطا فرمائی اور بیشک ہم ہی خطاوار تھے۔

مَنَّ: اس نے احسان کیا۔ اس نے مہربانی کی۔ مَنٌّ سے ماضی۔

اٰثَرَکَ: اس نے تجھ کو ترجیح دی۔ اس نے تجھ کو پسند کیا۔ اِیْثَارٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت یوسف نے جب اپنے بھائیوں کی عاجزی اور بے بسی دیکھی اور ان سے اپنے گھر والوں کی مصیبتیں سنیں تو ان کا دل بھر آیا اور کہا کہ کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے اپنے زمانہ جہالت میں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا۔ اس وقت تمہیں برے بھلے کی خبر نہ تھی۔ حضرت یوسف کی بات سن کر بھائی چونک پڑے اور انہیں خیال آیا کہ کہیں یہ وہی یوسف تو نہیں جس کو ہم نے مصری قافلے کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے فوراً سوال کیا کہ کیا تو ہی یوسف ہے۔ حضرت یوسف نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و کرم کیا کہ بچھڑنے کے بعد ملا دیا اور ہماری مصیبت کو راحت میں بدل دیا۔ بلاشبہ جو شخص گناہوں سے پرہیز کرتا اور مصائب پر صبر کرتا ہے تو اللہ ایسے نیک لوگوں کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔ حضرت یوسف کے بھائی کہنے لگے واللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر جو فضیلت عطا کی ہے وہ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ بے شک ہم خطاوار ہیں۔

حضرت یوسف ؑ کا عفو و درگزر

۹۲، ۹۳۔ قَالَ لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ ز وَھُوَ اَرْحَمُ
الرّٰحِمِیْنَ ○ اِذْھَبُوْا بِقَمِیْصِیْ ھٰذَا فَاَلْقُوْہُ عَلٰی وَجْہِ اَبِیْ
یَاْتِ بَصِیْرًا ج وَاْتُوْنِیْ بِاَھْلِکُمْ اَجْمَعِیْنَ ○

(حضرت) یوسف نے کہا کہ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ تم میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دو۔ (اس سے) وہ بینا ہو جائے گا اور تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

تَثْرِیْبُ: الزام۔ ملامت۔ سزا۔ مصدر ہے۔
اَلْقُوْہُ: تم اس کو ڈال دو۔ اِلْقَاءٌ سے امر۔

تشریح: جب بھائیوں نے اپنا عذر پیش کیا تو حضرت یوسفؑ نے اسے قبول فرما لیا اور کہا کہ یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ تمہاری سب خطائیں اور قصور معاف ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرمائے۔ وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔ پھر حضرت یوسف نے اپنے باپ کا حال معلوم کیا۔ انہوں نے کہا کہ روتے روتے ان کی بینائی جاتی رہی۔ یہ سن کر حضرت یوسف نے ان کو اپنا کرتہ دیا اور کہا کہ یہ کرتہ لے جا کر میرے باپ کی آنکھوں پر ڈال دو۔ اس سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ پھر انہیں اور گھر کے تمام لوگوں کے لے کر میرے پاس آجاؤ۔

حضرت یوسف ؑ کی خوشبو

۹۴، ۹۵۔ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْھُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ
اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ○ قَالُوْا تَاللّٰہِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ ○

اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے (شام میں اپنے گھر والوں سے) کہا کہ اگر تم مجھے (بڑھاپے کی وجہ سے) بہکا ہوا نہ سمجھو تو مجھے یوسف کی بو

آرہی ہے۔ وہ (گھر والے) کہنے لگے کہ واللہ تم (اب تک) اپنے پرانے خیال میں مبتلا ہو۔

رِیْحَ: ہوا۔ بو۔ جمع اَرْوَاحٌ و رِیَاحٌ۔
تُفَنِّدُوْنَ: تم مجھے بہکا ہوا سمجھتے ہو۔ تم مجھے مخبوط الحواس سمجھتے ہو۔ تَفْنِیْدٌ سے مضارع۔
تشریح: ادھر حضرت یوسفؑ کے بھائی کرتہ لے کر مصر سے کنعان کے لئے نکلے ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی خوشبو پہنچادی اور انہوں نے اپنے گھر والوں سے جو اس وقت ان کے پاس تھے کہا کہ بیشک میں یوسف کی خوشبو محسوس کرتا ہوں اگر تم مجھے کم عقل اور مخبوط الحواس نہ کہو۔ گھر والوں نے جواب دیا کہ آپ تو اب تک اسی پرانے خیال اور غلطی میں مبتلا ہیں کہ یوسف ابھی زندہ ہے اور آپ سے آملے گا۔ اسی خیال کے غلبہ سے آپ کو خوشبو کا وہم ہو گیا ہے ورنہ حقیقت میں کوئی خوشبو نہیں۔

بینائی کی بحالی

۹۶، ۹۸۔ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ○ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○

پھر جب خوش خبری دینے والے نے آکر قمیص اس (یعقوب) کے منہ پر ڈالی تو وہ بینا ہو گیا اور کہنے لگا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ وہ (یوسف کے بھائی) کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ! (اللہ سے) ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کر۔ بیشک ہم خطاوار تھے۔ (حضرت) یعقوب نے کہا کہ میں بہت جلد اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت طلب کروں گا۔ بیشک وہ غفور رحیم ہے۔

تشریح: جب بشارت دینے والے نے مصر سے آکر یہ خوشخبری سنائی کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ اور صحیح و سالم ہیں اور انہوں نے یہ کرتہ دے کر مجھے بھیجا ہے اور اس نے وہ کرتہ

حضرت یعقوب کے منہ پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی بحال ہو گئی ۔ حضرت یعقوب نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۔ مجھے پہلے ہی روز سے یقین تھا کہ یوسف زندہ ہے اور ایک روز مجھے ضرور ملے گا ۔ باپ کی گفتگو سن کر بیٹے کہنے لگے کہ ہمارے لئے مغفرت کی دعاء کیجئے ۔ بیشک ہم خطاوار ہیں ۔ ہم نے یوسف کے معاملے میں آپ کو جو تکلیف پہنچائی اس پر نادم ہیں ۔ حضرت یعقوب نے جواب میں فرمایا کہ میں بہت جلد اپنے رب سے تمہاری مغفرت کی دعاء کروں گا ۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت یعقوب نے دعاء مغفرت کو صبح تک مؤخر رکھا کیونکہ رات کے آخری حصہ میں دعاء قبول ہوتی ہے ۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر خصوصی تجلی فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ ہے کوئی جو مجھے پکارے اور میں اس کی دعاء کو قبول کروں، ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں، ہے کوئی جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کروں ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے جمعہ کی رات تک دعاء کو مؤخر کیا ۔ (روح المعانی ۵۵ / ۱۳، مظہری ۲۰۰ / ۵)

باپ بیٹوں کا سجدہء تعظیمی

۹۹، ۱۰۰۔ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ○ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ز قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ۖ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِکُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ۚ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○

پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی

اور کہا کہ مصر میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ نے چاہا تو امن سے رہو گے۔ اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور وہ سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے اور یوسف نے کہا کہ اے میرے باپ! یہ ہے میرے پہلے خواب کی تعبیر بیشک میرے رب نے اس کو سچا کر دکھایا ہے اور بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا جبکہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور تم سب کو باہر سے (گاؤں سے یہاں) لے آیا۔ (اور مجھ سے ملا دیا یہ سب کچھ) اس کے بعد ہوا کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا۔ بیشک میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے بڑی مہربانی فرما دیتا ہے۔ (اس کا کام بنا دیتا ہے) بلاشبہ وہ بڑے علم و حکمت والا ہے۔

خَرُّوْا: وہ گر پڑے۔ خَرٌّ خُرُوْرٌ سے ماضی۔

الْبَدْوِ: جنگل۔ صحرا۔

نَزَغَ: اس نے وسوسہ ڈال دیا۔ اس نے فساد ڈال دیا۔ نَزْغٌ سے ماضی۔

تشریح: پھر حضرت یعقوبؑ اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ کنعان سے مصر کے لئے روانہ ہو گئے اور حضرت یوسف نے ان کی خبر سن کر شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور اپنے ماں باپ کو اپنے قریب جگہ دی۔ حضرت یوسف کی والدہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ پہلے ہی وفات پا چکی تھیں، یہاں خالہ کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ والدہ حیات تھیں اور حضرت یعقوب کے ساتھ مصر آئی تھیں۔ واللہ اعلم۔

پھر حضرت یوسفؑ نے اپنے والد سے فرمایا کہ اب شہر میں چلو۔ انشاء اللہ وہاں قحط وغیرہ کی مصیبتوں سے محفوظ ہو کر بالکل راحت و اطمینان سے رہو گے۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد حضرت یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس ایک اونچے تخت پر بٹھایا۔ اس وقت ماں باپ اور گیارہ بھائی آپ کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔ حضرت یوسف نے کہا کہ یہ میرے گزشتہ خواب کی تعبیر ہے، جس کو میرے رب نے سچ کر دکھایا۔ یہ سب اس کا فضل ہے۔ اس میں میرا کچھ دخل نہیں اور یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید سے رہائی دی اور مجھے اس مرتبہ پر پہنچایا اور تم سب کو صحرا سے یہاں لا کر مجھ سے ملا دیا حالانکہ شیطان نے تو میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا۔ بے شک میرا رب جس کام کا ارادہ کرتا ہے، اس کے ویسے ہی اسباب

مہیا کر دیتا ہے اور وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔

(عثمانی ۶۹۳ / ۱، ابن کثیر ۴۹۰ - ۴۹۲ / ۲)

حضرت یوسفؑ کی دعاء

۱۰۱۔ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝

اے رب تو نے مجھے سلطنت میں بھی ایک حصہ دیا اور خواب کی تعبیر دینے کا علم بھی سکھایا۔ (اے) آسمانوں اور زمین کے بنانے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھے فرماں برداری کی حالت میں موت دے اور مجھے صالحین میں شامل کر دے۔

تشریح: جب نبوت و سلطنت مل چکی، ماں باپ اور بھائی سب سے ملاقات ہو گئی اور سب رنج و غم دور ہو گئے تو حضرت یوسفؑ نے اللہ سے دعاء کی: اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ جس طرح تو نے دنیا میں مجھ پر انعام فرمائے ہیں اسی طرح تو میری آخرت کو بھی درست فرما دے۔ مجھے اسلام کی حالت میں موت دے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل

۱۰۲، ۱۰۴۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی

کرتے ہیں اور آپ وہاں موجود نہیں تھے، جبکہ (یوسف کے بھائیوں نے) اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا (کہ ان کو کنوئیں میں ڈال دیں) اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور آپ کتنا ہی چاہیں (لیکن) اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور آپ اس پر ان سے کچھ معاوضہ بھی تو نہیں مانگتے۔ یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لئے صرف ایک نصیحت ہے۔

لَدَيْهِمْ: ان کے پاس۔

حَرَصْتَ: تو نے حرص کی۔ تو نے لالچ کیا۔ حِرْصٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت یوسف کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ حضرت یوسف کا یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم نے وحی کے ذریعہ آپ کو بتایا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں، آپ کے مخالفین کی آنکھیں کھل جائیں اور ان پر ہماری حجت قائم ہو جائے، کیونکہ حضرت یعقوب کی اولاد میں سے نہ تو کسی سے آپ کی ملاقات ہوئی کہ آپ نے ان کی زبانی سن لیا ہو، نہ آپ خود وہاں موجود تھے۔ جب وہ حضرت یوسف کے ساتھ کھلا مکر و فریب کر رہے تھے اور انہیں کنوئیں میں ڈالنے کے لئے مستعد ہو گئے تھے اور نہ آپ کی قوم والوں کو یہ قصہ معلوم تھا کہ کسی سے پوچھ کر آپ نے بیان کر دیا ہو۔ یہ واقعات نصیحت و عبرت اور حکمت و موعظت سے پر ہیں۔ ان سے لوگوں کی دین و دنیا سنور سکتی ہے۔ اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ گو آپ ان کے مومن ہونے کی کتنی ہی خواہش کریں اور کتنے ہی معجزات ظاہر کریں، چونکہ اللہ نے ان کے کافر رہنے کا فیصلہ کر دیا ہے اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ مخلوقِ خدا کو راہِ راست دکھانے کے لئے جو کچھ بھی مشقت برداشت کر رہے ہیں اس میں آپ کا اپنا دنیوی نفع نہیں اور نہ آپ ان سے کوئی اجرت اور بدلہ چاہتے ہیں بلکہ آپ کی تمامتر محنت اللہ کی رضا اور مخلوق کے نفع کے لئے ہے اور یہ قرآن تو تمام دنیا کے لئے نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ (مظہری ۲۰۵ / ۵، ابن کثیر ۴۹۳ / ۲)

وحدانیت کی نشانیاں

۱۰۵، ۱۰۷۔ وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ

عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○

اور آسمان اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر ان (مشرکین) کا گزر ہوتا رہتا ہے اور ان پر دھیان نہیں کرتے اور ان میں سے اکثر لوگ جو اللہ کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ کیا وہ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کو عذابِ الٰہی آڈھانکے یا یکایک ان پر قیامت آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

كَاَيِّنْ: بہت۔ کتنی۔ اسم تکثیر ہے۔

غَاشِيَةٌ: ڈھانک لینے والی۔ (قیامت)۔ چھا جانے والی۔ غَشْیٌ سے اسم فاعل۔

بَغْتَةً: یکایک۔ ایک دم۔ اچانک۔

تشریح: آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ پھر بھی اکثر لوگ نہایت بے پرواہ اور غافل ہیں کہ ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔ کیا یہ اتنا وسیع آسمان جو بغیر ستونوں کے قائم ہے۔ کیا یہ اس قدر پھیلی ہوئی زمین، کیا یہ روشن ستارے، کیا یہ سورج و چاند، یہ درخت اور پہاڑ، یہ کھیتیاں اور سبزیاں، یہ طلاطم برپا کرنے والے سمندر، یہ تند و تیز ہوائیں، یہ مختلف قسم کے رنگا رنگ میوے یہ الگ الگ غلے، یہ سب قدرت کی نشانیاں ایک عقل مند کے لئے کافی نہیں کہ وہ ان سے اپنے خدا کو پہچان سکے جو واحد و یکتا اور لاشریک لہ ہے، جو قادر و قیوم ہے اور جو باقی و کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ ان نشانیوں میں غور و فکر کرنے کی بجائے ان سے منہ موڑ کر گزر جاتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کو مانتے بھی ہیں تو وہ اس طرح مانتے ہیں کہ دوسروں کو بھی اللہ کے ساتھ شریک گردانتے ہیں۔ (ابن کثیر ۴۹۴ / ۲)

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی دوسرے نام کی قسم کھائی وہ مشرک ہو گیا۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھاڑ پھونک، ڈورے، دھاگے اور جھوٹے تعوید شرک ہیں۔

اللہ تعالیٰ توکل کے باعث اپنے بندوں کو سختیوں سے دور کر دیتا ہے۔

(مسند احمد ۶۲۹ / ۱، ابو داؤد کتاب الطب)

پھر فرمایا کہ کیا توحید و رسالت کے ان منکروں کو اس بات کا خوف نہیں کہ اللہ کے عذاب کی کوئی آفت ان پر آپڑے جو لحاف کی طرح ہر طرف سے ان کو ڈھانپ لے یا اچانک ان پر قیامت کی گھڑی آجائے۔ جس کی ان کو پہلے سے خبر بھی نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمی (خریدنے اور بیچنے والا) کپڑا پھیلائے ہوئے (سودا کرنے میں مشغول) ہوں گے کہ قیامت آجائے گی۔ نہ خرید و فروخت کر سکیں گے اور نہ کپڑے کو لپیٹ سکیں گے۔ (مظہری ۲۰۶،۲۰۵ / ۵)

خالص توحید کا راستہ

۱۰۸۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭوَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؀

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں (لوگوں کو توحید) خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی (حق و صداقت کی پوری) بصیرت پر ہوں اور میری اتباع کرنے والے بھی اور اللہ (شرک سے) پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ دین اسلام اور توحید ہی میرا راستہ ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ہر عیب سے پاک ہے۔ میں تو تمام اہلِ دنیا کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ سب خیالات و اوہام کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف آئیں۔ اس کی صفات و کمالات اور اس کے احکام وغیرہ کی صحیح معرفت صحیح راستے سے حاصل کریں۔ میں اور میرے ساتھی اس سیدھے راستے پر دلیل و حجت اور بصیرت کی روشنی میں چل رہے ہیں۔ اللہ نے مجھے ایک نور دیا ہے جس سے میرے سب ساتھیوں کے دماغ روشن ہو گئے ہیں۔ میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں کہ لوگوں کو اپنا بندہ بناؤں۔ اللہ تعالیٰ

شرک سے پاک ہے، نہ اس کی نظیر ہے اور نہ اس کا کوئی مشیر، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ اس کی بیوی، وہ ان تمام باتوں سے پاک اور بلند و بالا ہے۔ کائنات کی ساری مخلوق اس کی حمد و تسبیح کرتی ہے۔ (عثمانی ۶۹۵ / ۱، ابن کثیر ۴۹۶ / ۲)

تمام انبیاء کا انسان ہونا

۱۰۹، ۱۱۰۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○

اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پہلے بھی، ہم نے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی (نبی بنا کر) بھیجے تھے، جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور البتہ آخرت کا گھر تو ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پرہیزگاری کرتے ہیں۔ کیا تم اب بھی نہیں سمجھتے۔ (منکروں کو ہم نے) یہاں تک (ڈھیل دی تھی) کہ رسول بھی ناامید ہو چکے تھے اور گمان کرنے لگے تھے کہ ان سے (نصرت کے بارے میں) جھوٹ کہا گیا تھا۔ (تب) ان کو فوراً ہماری مدد آپہنچی۔ پھر (اس عذاب سے) ہم نے جس کو چاہا بچا لیا اور ہمارا عذاب نافرمان لوگوں سے ہٹایا نہیں جاتا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے پہلے جتنے نبی اور رسول ہم نے دنیا میں بھیجے وہ سب کے سب انسان تھے۔ ان میں سے کوئی بھی فرشتہ نہیں تھا اور نہ کوئی عورت نبی بنا کر بھیجی گئی۔ ہم ان انبیاء کی طرف وحی بھیجتے تھے۔ وہ سب انبیاء بستیوں ہی میں رہتے تھے۔ اور سب صاحبِ علم و فہم اور حلم والے تھے۔ سو تم زمین میں گھوم پھر کر دیکھ لو کہ انبیاء کو

جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ جب انہوں نے ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے ان سب کو عذاب سے ہلاک کر دیا۔ لہٰذا کافروں کو چاہئے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور گناہوں سے بچتے رہے ان کے لئے آخرت کا گھر بہتر ہے۔

جب مہلت کی مدت طویل ہو گئی اور جس عذاب کا وعدہ کیا گیا تھا اس کے آنے میں دیر ہوئی تو پیغمبر مایوس ہونے لگے اور گمان کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہماری نصرت اور ہمارے دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ کیا تھا شاید وہ ہماری زندگی میں نہ آئے۔ رسولوں کی ناامیدی اور پریشانی اس حد تک پہنچ جانے پر یکایک ان کو ہماری مدد پہنچ گئی کہ کافر عذاب میں گرفتار ہوئے اور پیغمبروں کا سچ ظاہر ہو گیا۔ جب ہمارا عذاب آتا ہے تو ٹلتا نہیں بلکہ وہ واقع ہو کر رہتا ہے۔

اہلِ عقل کے لئے عبرت

۱۱۱۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

البتہ ان لوگوں کے حالات میں عقل والوں کے لئے (بڑی) عبرت ہے۔ یہ قرآن کوئی (انسان کی اپنی) بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں ہو چکی ہیں یہ ان کی تصدیق کرنے والا اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے۔

تشریح: انبیاء علیہم السلام کے واقعات، مسلمانوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت کے قصے، یہ سب تاریخی حقائق ہیں اور سمجھ بوجھ اور عقل و دانش والوں کے لئے بڑی عبرت و نصیحت کے حامل ہیں۔ جس طرح حضرت یوسفؑ کے بھائی ان کے مقابلے میں ناکام و نامراد رہے اسی طرح قریش بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ناکام رہیں گے۔ یہ قرآن کسی کا اپنی طرف سے گھڑا ہوا کلام نہیں۔ یہ تو ساری آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ یہ ہر ضروری چیز کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ مبداء و معاد، حلال و حرام اور محبوب و مکروہ کو صاف صاف بیان کرتا ہے۔ واجبات و مکروہات و محرمات کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ گزشتہ

واقعات کو حکمت کے تحت کہیں تفصیل اور کہیں اجمال کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ سو یہ قرآن مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے کیونکہ ان کے دل اس کے ذریعہ گمراہی سے ہدایت، جھوٹ سے سچ اور برائی سے بھلائی کی راہ پاتے ہیں۔

چار ملعون افراد

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! چار افراد پر اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر لعنت کرتے ہیں اور اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔

۱۔ وہ شخص جو اپنے آپ کو عورتوں سے بچاتا ہے اور نکاح نہیں کرتا تاکہ اس کی اولاد ہو۔

۲۔ وہ شخص جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے حالانکہ اللہ نے اسے مرد پیدا کیا تھا۔

۳۔ وہ عورت جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عورت بنایا ہے۔

۴۔ مسکینوں کو گمراہ کرنے والا۔

خالد بن زبرقان (حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو مساکین کا مزاق اڑاتا ہے یعنی انہیں کہتا ہے کہ میرے پاس آؤ میں تمہیں کچھ دوں گا اور جب وہ اس کے پاس آتے ہیں تو کہتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ (رواہ طبرانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ رعد

وجہ تسمیہ: اس سورت میں رعد (بادل کی گرج) کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ سورۃ رعد کے نام سے موسوم و مشہور ہو گئی۔

تعارف: اس میں ۶ رکوع، تینتالیس آیتیں، ۸۶۳ کلمات اور ۳۶۱۴ حروف ہیں۔

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن عباس اور علی بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ سعید بن جبیر، حسن بصری، عکرمہ و عطاء و جابر تابعی اور عبد الرحمن بن زید رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے۔

ابن الزبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عطاءؒ سے روایت ہے کہ یہ مدنی ہے۔ ابو الشیخ نے بھی قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ سورت مدنی ہے۔ سوائے آیت **وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ** کے جو مکی ہے۔

(روح المعانی ۸۴ / ۱۳، مواہب الرحمن ۱۵۱ / ۱۳)

اس میں قرآن کریم کی حقانیت، توحید و رسالت اور عجائباتِ قدرت کا بیان ہے۔ پھر اثباتِ معاد اور منکرینِ نبوت کے چند شبہات کے جوابات مذکور ہیں۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم کی حقانیت اور توحید کے دلائل کا بیان ہے۔ پھر بعث بعد الموت کے منکروں کا انجام اور منکرین کا معجزے طلب کرنا مذکور ہے۔ مثلاً صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دینا یا مکہ کے پہاڑ وہاں سے ہٹ جائیں۔

رکوع ۲: اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کا بے حد و حساب ہونا اور اس کی قدرت کی نشانیاں بیان

کی گئی ہیں ۔ اس کے بعد باطل معبودوں سے مانگنے اور حق و باطل کے فرق کی مثالوں کا بیان ہے ۔

رکوع ۳: اہلِ عقل کی صفات اور کافروں کی بد اعمالیوں کا انجام بیان کیا گیا ہے ۔

رکوع ۴: منکرین کا معجزات طلب کرنا اور ان کی فطرت بتائی گئی ہے ۔

رکوع ۵: مشرکین کی فرمائش اور ان کے باطل عقائد کا بیان ہے ۔ اس کے بعد پرہیز گاروں سے جس جنت کا وعدہ ہے اس کا حال بیان کیا گیا ہے ۔

رکوع ۶: اللہ تعالیٰ کا مالک و مختار ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اللہ کی گواہی کا بیان ہے ۔

قرآن کی حقانیت

۱۔ الٓمّٓرٰ ۔

تشریح: یہ حروف مقطعات ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ان کی مراد معلوم نہیں ۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہی قول راجح اور مختار ہے ۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ متشابہات ہیں ۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا مرتبہ ایسا نہیں کہ وہ ان اسرار کو سمجھ سکے ۔

تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ ؕ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آیتیں ایک خاص کتاب (قرآن) کی ہیں اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا وہی حق ہے اور لیکن بہت سے لوگ (اس پر) ایمان نہیں لاتے ۔

تشریح: جو کچھ اس سورت میں پڑھا جانے والا ہے وہ ایک عظیم الشان کتاب (قرآن مجید) کی آیتیں ہیں جو کچھ قرآن آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ بالکل سچ اور حق ہے لیکن چونکہ اکثر لوگ اس میں غور و فکر نہیں کرتے اس لئے وہ قرآن کی حقانیت کا انکار کرتے ہیں ۔

توحید کے دلائل

۲۔ اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝

اللہ تو وہی ہے جس نے آسمان کو ستونوں کے بغیر بلند کیا (جیسا کہ) تم دیکھتے ہو۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا (زمین و آسمان میں احکام جاری کرنے لگا) اور سورج اور چاند کو (اپنے اپنے) کام پر لگا دیا۔ ہر ایک اپنے وقتِ مقرر پر چلتا رہتا ہے۔ وہ (اللہ) ہر کام کا انتظام (تدبیر) کرتا ہے۔ دلائل کو تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کر لو۔

عَمَدٍ: ستون۔ کھمبے۔ واحد عُمُوْدٌ۔

اِسْتَوٰى: اس نے قصد کیا۔ وہ متوجہ ہوا۔ وہ سیدھا ہوا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

لِقَآءِ: ملاقات کرنا۔ ملنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے کمالِ قدرت اور حکم سے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر بلند و بالا اور قائم کر رکھا ہے۔ کوئی انسان ایک ذرے کو بھی اس طرح معلق نہیں رکھ سکتا۔ یہ سب کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ پھر وہ عرشِ عظیم پر متمکن ہو گیا جو سب مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے اور سرخ یاقوت سے بنا ہوا ہے۔ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ جسم اور اس کے تمام صفات و خصوصیات سے بالا و برتر ہے۔ نہ اس کا وجود ہے اور نہ اس کے لئے کوئی سمت ہے۔ نہ اس کا کسی مکان میں اس طرح کا قیام ہے جس طرح دنیا کی چیزوں کا قیام اپنی اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔ اس کا عرش پر قیام فرمانا کس طرح اور کس کیفیت میں ہے اس کا علم کسی کو نہیں۔ یہ ان متشابہات میں سے ہے جن کو عقل نہیں پا سکتی ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس نے اپنے حکم سے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ وہ دونوں اس کے حکم سے ایک خاص مقدار اور انداز کے مطابق رواں دواں ہیں، جس سے دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ دونوں قیامت تک اسی طرح چلتے رہیں گے۔ ہر کام کی تدبیر و انتظام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اور وہی

زندگی اور موت دیتا ہے، وہی تمام عالم کا رب ہے۔ وہ اپنی وحدانیت کی دلیلوں کو اسی طرح کھول کھول کر اور صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تمہیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ مرنے کے بعد جزا و سزا کے لئے ایک روز ضرور تمہیں اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔

(روح المعانی ۸۶، ۹۰ / ۱۳، مواہب الرحمن ۱۵۳، ۱۵۷ / ۱۳)

اللہ کی قدرتِ کاملہ

۳، ۴۔ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ○ وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ○

اور (اللہ) وہی تو ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس (زمین) میں پہاڑ اور نہریں بنا دیں اور اس میں ہر پھل کے دو دو قسم کے جوڑے پیدا کئے۔ وہ چھپا دیتا ہے، رات (کی تاریکی) سے دن (کی روشنی) کو۔ بیشک سوچنے والوں کے لئے ان امور میں (توحید کے) دلائل ہیں اور زمین میں ایک دوسرے سے نزدیک (متصل) مختلف قطعے ہیں اور انگور کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، ایک کی جڑیں دوسرے سے ملی ہوئی (اور تنے علیحدہ علیحدہ جھنڈ کے جھنڈ) اور بعض درخت بغیر ملے ہوئے (علیحدہ علیحدہ)۔ سب کو ایک ہی طرح کا پانی دیا جاتا ہے اور ہم ان میں سے بعض کو بعض پر (ذائقے، بو، شکل اور مقدار وغیرہ میں) فوقیت دیتے ہیں۔ بیشک ان امور میں سمجھدار لوگوں کے لئے (توحید کے) دلائل ہیں۔

مَدَّ: اس نے کھینچا۔ اس نے دراز کیا۔ اس نے پھیلایا۔ مَدٌّ سے ماضی۔

رَوَاسِیَ: پہاڑ۔ بوجھ۔ واحد رَاسِیَۃٌ۔

مُتَجٰوِرٰتٌ: ایک دوسرے کے نزدیک ۔ برابر برابر ۔ تَجَاوُرٌ سے اسم فاعل ۔

صِنْوَانٌ: ایک جڑ والے ۔ ایک جڑ سے نکلی ہوئی دو یا زیادہ شاخیں ۔ واحد صِنْوٌ ۔

اُکُلٍ: **پھل** ۔ جو کھایا جائے ۔ جمع اُکَالٌ ۔ صحاح میں ہے کہ اکل کھجور کے پھل اور درخت دونوں کو کہتے ہیں اور جو چیز بھی کھائی جائے وہ اکل ہے ۔ (لسان العرب ۲۲ / ۱۱)

اکل کاف کے ضمہ اور سکون دونوں کے ساتھ آتا ہے ۔ یہاں اس سے پھل اور دانے (کھجور و انگور وغیرہ کے) مراد ہیں ۔ (روح المعانی ۱۰۲، ۱۰۳ / ۱۳)

تشریح: اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے زمین کو اس طرح پھیلا اور بچھا دیا کہ انسان اور دوسری مخلوقات اس پر آسانی سے چل پھر سکیں ۔ اسی نے اس زمین میں مضبوط پہاڑ بنائے اور اس میں نہریں اور چشمے جاری کئے اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں کی دو دو قسمیں بنائیں ۔ مثلاً سرخ اور زرد، شیریں اور ترش اور خشک اور تر وغیرہ ۔ وہی رات کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیتا ہے ۔ بیشک ان تمام امور میں سوچنے سمجھنے والوں کے لئے توحید کے بے شمار دلائل موجود ہیں ۔ کیونکہ یہ سب امور کسی خالق کے بغیر انجام نہیں پا سکتے ۔

اس کی توحید کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ زمین کے مختلف قطعے پاس پاس اور ملے ہوئے ہیں ۔ کسی قطعے میں تو نہایت عمدہ پیداوار ہوتی ہے اور اسی سے متصل دوسرے ٹکڑے میں برائے نام پیداوار ہے اور کوئی ٹکڑا بالکل ناقابلِ زراعت اور بنجر ہے، حالانکہ سب کو ایک ہی ہوا اور ایک ہی پانی مل رہا ہے اور سب پر ایک ہی سورج کی شعاعیں پڑ رہی ہیں ۔ پھر اسی زمین میں کہیں انگور کے باغ ہیں اور کہیں کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں ۔ ان میں سے کچھ تو ایک تنے والے ہیں اور کچھ ایک سے زیادہ تنوں والے ہیں ۔ پھر ہم نے بعض پھلوں کو مزے، بو، شکل اور مقدار وغیرہ کے اعتبار سے بعض پر فضیلت دی ہے ۔ کوئی ان میں سے شیریں ہے، کوئی ترش اور کوئی پھیکا، کوئی سرخ ہے، کوئی زرد، کوئی سبز ہے تو کوئی سفید وغیرہ ۔ بلاشبہ ان سب امور میں عقل والوں کے لئے توحید کے بہت سے دلائل موجود ہیں ۔

(مواہب الرحمٰن ۱۵۷، ۱۶۵ / ۱۳، روح المعانی ۹۰، ۱۰۳ / ۱۳)

بعث بعد الموت کے منکروں کا انجام

۵،۶۔ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ
جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ
فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ
○ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى
ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کو (ان کافروں کے انکار پر) تعجب ہے تو (واقعی) ان کا یہ کہنا عجیب ہے کہ جب ہم مٹی ہو گئے تو کیا ہم (قیامت کے روز) نئے سرے سے پیدا ہوں گے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب سے منکر ہو گئے اور انہی کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی اہلِ دوزخ ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ عافیت سے پہلے ہی مصیبت (کے نزول) کی جلدی کر رہے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے (منکرین پر) بہت سے (عبرتناک) عذاب گزر چکے ہیں اور بیشک آپ کا رب تو لوگوں کو ان کے گناہ پر بھی معاف کرنے والا ہے اور یقیناً آپ کے رب کا عذاب بھی سخت ہے۔

اَغْلٰلٌ: طوق۔ ہتھکڑیاں۔ واحد غُلٌّ۔
اَعْنَاقِهِمْ: ان کی گردنیں۔ واحد عُنُقٌ۔
اَلْمَثُلٰتُ: عبرتناک سزائیں۔ کہاوتیں۔ واحد مَثُلَةٌ۔
اَلْعِقَابُ: عقوبت۔ عذاب۔ سزا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کافروں کی تکذیب پر کوئی تعجب نہ کریں۔ یہ تو اللہ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے کے باوجود قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ کیا اس سے زیادہ عجیب بھی کوئی بات ہو سکتی کہ جس نے پہلے ایک چیز کو بنایا وہ دوبارہ بنانے پر قادر نہ ہو (العیاذ باللہ)، حالانکہ ہر عقل مند آدمی جان سکتا ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے کی

نسبت بہت آسان ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰىٓ اَنْ يُّحْىِۦَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ (الاحقاف ۔ آیت ۳۳)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بغیر تھکے پیدا کر دیا تو کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے بلکہ ہر چیز اس کی قدرت میں ہے۔

پس یہ کافر ہی ہیں جو بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ قیامت کے دن دوزخ کے اندر ایسے لوگوں کی گردنوں میں آگ کے طوق ہوں گے اور یہی اہل دوزخ ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔

یہ منکرین قیامت، بھلائی اور عافیت کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی عذاب کے نازل ہونے کا تقاضا کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ اپنے نبوت و رسالت کے دعوے میں سچے ہیں تو وہ عذاب جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں، ہم پر جلد کیوں نہیں لے آتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ○

(ص ۔ آیت ۱۶)

اور وہ کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! قیامت سے پہلے ہی ہمارا معاملہ نمٹا دے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

(انفال ۔ آیت ۳۲)

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور المناک عذاب نازل فرما۔

حقیقت یہ ہے کہ ان سے پہلے سابقہ امتوں پر ان کے کفر و تکذیب کی بنا پر طرح طرح کے عذاب نازل ہو چکے ہیں۔ ان کو ان سے عبرت پکڑنی چاہیئے اور اللہ سے ڈرنا چاہیئے کہ کہیں ایسا نہ ہو

کہ ان پر بھی ان کے کفر و عناد کی بنا پر سابقہ امتوں جیسا عذاب نازل ہو جائے ۔ کسی کو اس خیال میں نہیں رہنا چاہئے کہ وہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لے آئے گا ۔ اول تو عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا اللہ کے ہاں معتبر نہیں ۔ دوسرے یہ کہ جب عذاب کی گھڑی آجائے گی تو اس وقت ایمان لانے یا توبہ کرنے یا نیک عمل کرنے کی فرصت و مہلت نہیں ملے گی ۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا محض فضل و کرم ہے کہ وہ دن رات بندوں کو گناہوں میں مبتلا دیکھتا ہے اور فوراً سزا (عذاب) نہیں دیتا بلکہ درگزر فرماتا ہے ۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ عذاب پر قدرت نہیں رکھتا ۔ اس کا عذاب بہت سخت تکلیف دہ ہوتا ہے ۔ جب اس کا عذاب آجاتا ہے تو کوئی نہیں اس کو ٹال سکتا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے گناہوں پر معاف بھی کرتا ہے اور اگر مجرم حد سے گزر جائے تو پھر اس کو سخت عذاب بھی دیتا ہے ۔ (ابن کثیر ۵۰۱ / ۲)

منکرین کا معجزہ طلب کرنا

۷۔ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ○

اور کافر کہتے ہیں کہ اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی (ان کی مطلوبہ) نشانی کیوں نہ نازل کی گئی ۔ بیشک آپ کا کام تو خبردار کر دینا ہے اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا ہے ۔

تشریح: کافر لوگ اعتراض کے طور پر یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح گزشتہ پیغمبر معجزے اور نشانیاں لے کر آئے اسی طرح یہ پیغمبر ایسی نشانیاں اور معجزے لے کر کیوں نہیں آئے ۔ جن سے ہمیں تسلی اور اطمینان ہوتا ۔ مثلاً صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیتے یا مکہ کے پہاڑ یہاں سے ہٹ جاتے اور یہ جگہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ۔ ان کے جواب میں فرمایا جیسا کہ دوسرا جگہ ارشاد ہے:

وَمَا مَنَعَنَا أَن نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَن كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ○

(الاسراء آیت ۔ ۵۹)

ہم یہ معجزے بھی ان کو دکھا دیتے مگر اگلے لوگوں کی طرح ان معجزوں کو جھٹلانے پر اگلے لوگوں جیسے ہی عذاب ان پر آجاتے ۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ان کی باتوں پر مغموم اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ معجزوں کے مالک و مختار نہیں، آپ کا کام تو صرف تبلیغ دین اور ان لوگوں کو عذاب الہٰی سے خبردار کرنا ہے۔ پہلے ہی بہت سے معجزے آپ سے ظاہر ہو چکے ہیں یہ بدبخت تو شق القمر جیسے معجزے کا بھی انکار کر چکے ہیں۔ اب مزید معجزے دکھانے سے کیا فائدہ۔ پھر فرمایا کہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے۔ آپ بھی اپنے زمانے کے لوگوں کے لئے ہادی بنا کر بھیجے گئے ہیں، اس لئے آپ کا کام تو بس لوگوں کی راہنمائی کرنا اور ان کو اللہ کی نافرمانی کے انجام سے ڈرانا ہے۔

(ابن کثیر ۵۰۱ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۷ / ۴)

اللہ تعالیٰ کا علمِ کامل

۸-۱۱۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ○ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ○ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ○ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○

اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہر مونث (اپنے پیٹ میں) اٹھاتی ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر چیز اس کے ہاں ایک اندازے سے ہے۔ وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے۔ سب سے بڑا اور بلند مرتبہ ہے۔ خواہ تم میں سے کوئی چپکے سے (کوئی بات) کہے یا پکار کر کہے، خواہ کوئی رات (کی تاریکی) میں چھپنے والا ہو یا دن (کی روشنی) میں چلنے پھرنے والا ہو (اس کے علم کے اعتبار سے) سب برابر ہے۔ ہر شخص کے لئے اس کے آگے اور پیچھے اللہ کے مقرر کئے ہوئے پہرے دار ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بیشک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا، جب تک کہ وہ لوگ

خود اپنی حالت کو نہ بگاڑ لیں ۔ اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ (مصیبت) ٹل نہیں سکتی اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ۔

تَغِیْضُ : وہ کمی کرتے ہیں ۔ ان میں کمی بیشی ہوتی ہے ۔ غَیْضٌ سے مضارع ۔

اَرْحَامُ : بچہ دانیاں ۔ رشتہ داری ۔ قرابت ۔ واحد رَحِمٌ ۔ و رِحْمٌ ۔

مُتَعَالِ : بلند ۔ عالی شان ۔ بہت غالب ۔ تَعَالِیٌ سے اسم فاعل ۔

جَھَرَ : اس نے ظاہر کیا ۔ اس نے زور سے کہا ۔ جُھْرٌ سے ماضی ۔

مُسْتَخْفٍ : چھپنے والا ۔ اِسْتِخْفَاءٌ سے اسم فاعل ۔

سَارِبٌ : گلیوں میں پھرنے والا ۔ راہ میں چلنے والا ۔ ظاہر ہونے والا ۔ سُرُوْبٌ سے اسم فاعل ۔

مُعَقِّبٰتٌ : چوکیدار ۔ دن اور رات میں باری باری آنے والے فرشتے ۔ تَعْقِیْبٌ ۔ سے اسم فاعل ۔

وَالٍ : والی ۔ مددگار ۔ کارساز ۔ وِلَایَۃٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کی کوئی حد نہیں ۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ۔ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تمام مادائیں (مؤنث) اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوئے ہیں، خواہ وہ مادائیں انسان ہوں یا حیوان ۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے پیٹ میں کیا ہے، مذکر یا مؤنث، اچھا ہے یا برا، نیک ہے یا بد، عمر والا ہے یا بے عمر کا، ایک ہے یا دو یا اس سے زیادہ، ناقص ہے یا کامل ۔ رحموں کے گھٹنے بڑھنے کو بھی وہ خوب جانتا ہے کہ رحم میں کتنے بچے ہیں یا بچہ کتنے دنوں میں پیدا ہو گا ۔ اللہ کے علم میں ہر چیز کی ایک حد معین ہے ۔ اس مقررہ حد سے کوئی چیز نہ گھٹ سکتی ہے اور نہ بڑھ سکتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے خواہ وہ بندوں سے پوشیدہ ہو یا بندوں پر ظاہر ہو، وہ سب سے بڑا اور ہر ایک سے بلند ہے ۔ اس کے مقابلے میں ہر شئے حقیر و صغیر ہے ۔ کسی خیال و قیاس کی بھی اس تک رسائی نہیں ۔ اگر کوئی شخص چھپا کر اپنے دل میں کوئی بات کہے یا بلند آواز سے کہے اور جو اپنے گھر کے تہہ خانے میں رات کے اندھیرے میں چھپا ہوا ہو اور جو دن کے وقت آباد راستوں میں چلا جا رہا ہو وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر اور یکساں ہیں کیونکہ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے ۔ وہ تمام عالم کا محافظ و نگہبان ہے ۔ اس کے فرشتے بندوں کے ارد گرد مقرر ہیں جو اللہ کے

حکم سے انہیں آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ فرشتے یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہتے ہیں۔

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے فضل، مہربانیوں اور نعمتوں سے کسی قوم کو اس وقت تک محروم نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنی روش بدل کر کفرانِ نعمت اور غفلت میں نہ پڑ جائے۔ پھر جب کوئی قوم غفلت میں پڑ جاتی ہے، شکر کی بجائے کفرانِ نعمت اور اطاعت کی بجائے معصیت کرنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اپنے فضل اور عنایت کو اٹھالیتا ہے اور ان کو مصیبت و آفت میں مبتلا کر دیتا ہے جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی۔ ایسے وقت میں اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوتا جو اس مصیبت کو دور کر سکے۔

(ابن کثیر ۲/۵۰۴،۵۰۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۹۲،۹۰/۴)

قدرتِ الٰہی کی نشانیاں

۱۲، ۱۳۔ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝

(اللہ) وہی تو ہے جو تمہیں خوف و امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بادل اٹھاتا ہے اور گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کے ڈر سے (تسبیح و تحمید کرتے ہیں) اور وہ گرنے والی بجلیاں بھیجتا ہے۔ سو وہ جس پر چاہتا ہے ان (بجلیوں) کو گرا دیتا ہے اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ بڑی شدید قوت والا ہے۔

يُنْشِئُ : وہ اٹھائے گا۔ وہ پیدا کرے گا۔ اِنْشَاءٌ سے مضارع۔

اَلرَّعْدُ : گرج۔ (بادل کی) اسم بھی ہے مصدر بھی۔

اَلصَّوَاعِقُ : کڑک۔ بجلیاں۔ واحد صَاعِقَةٌ۔

اَلْمِحَالِ : حیلہ کرنا۔ گرفت کرنا۔ عذاب دینا۔ مصدر ہے۔

تشریح: خالق و مالکِ حقیقی وہی اللہ تو ہے جو تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے۔ جب بجلی چمکتی ہے تو لوگ اس سے بارش کی امید کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی بجلی گرنے سے ڈرتے بھی ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ سفر میں ہوتے ہیں وہ بارش کے ضرر کا خوف کرتے ہیں، بعض لوگوں کو کھیتی تباہ ہونے کا خوف ہوتا ہے اور بعض مکانوں کے گرنے سے ڈرتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگ اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ بارش آنے سے گرمی اور موسم کی شدت دور ہو جائے گی۔ کھیتی اور پھلوں کو فائدہ پہنچے گا۔ گویا ایک ہی شئے ایک ہی وقت میں نعمت بھی ہے اور عذاب و مصیبت بھی اور یہ اس کی قدرت کے کمال کی دلیل ہے۔

پھر فرمایا کہ وہی اللہ اپنی قدرتِ کاملہ سے بھاری بھاری بادلوں کو پیدا کرتا ہے جو لاکھوں کروڑوں من پانی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ بادل اللہ کے حکم کے بغیر کہیں نہیں برستے۔ یہ صرف ایسی جگہ اور اتنی ہی مقدار میں برستے ہیں جس مقام اور مقدار کے لئے اللہ کی طرف سے ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ ان بادلوں میں سے اپنی ضرورت کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی لے سکے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بادل کی گرج حمد و ثنا کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ غرض یہ رعد و برق اس کے قہر کی نشانیاں ہیں جن سے وہ بندوں کو ڈراتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ ٹوٹ کر گرنے والی بجلیاں بھیج کر جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعہ جلا کر ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ منکرین حق اللہ کے قہر کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ وہ اس کی توحید، قدرت کاملہ، علمِ محیط، لوگوں کو دوبارہ پیدا کرنے اور جزاو سزا دیئے جانے کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ (اللہ) بڑی سخت قوت و قدرت والا ہے۔ یہ منکرین و معاندین اس کے قبضہ، قدرت سے نہیں نکل سکتے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب تیز ہوا چلتی یا کڑک کی آواز سنتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرۂ انور کا رنگ بدل جاتا پھر آپ رعد (بادل کی گرج) کے لئے فرماتے:

سُبْحَانَ مَنْ سَبَّحَتْ لَهُ۔ پاک ہے وہ ذات جس کی تسبیح کی گئی۔

اور ریح کے لئے فرماتے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا

اے اللہ اس کو باعثِ رحمت بنا اور اس کو باعثِ عذاب نہ بنا۔

بخاری، ترمذی، نسائی، احمد وغیرہ نے ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صواعق اور رعد کی آواز سنتے تو فرماتے:

اَللّٰھُمَّ لَاتَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ۔

اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے قتل نہ کرنا اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ کرنا اور اس سے پہلے ہی ہمیں عافیت دینا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رعد سنتے تو فرماتے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

ابن مردویہ اور ابن جریر نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رعد کی آواز سنتے تو کہتے:

سُبْحَانَ مَنْ یُّسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ۔

(مظہری ۲۲۳، ۲۲۵ / ۵، روح المعانی ۱۲۰ / ۱۳)

باطل معبودوں سے دعاء کی مثال

۱۴، ۱۵۔ **لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ۝ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝**

اسی کو پکارنا حق ہے اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آتے مگر جیسے کوئی اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے کہ وہ اس کے منہ میں آجائے حالانکہ وہ اس کے منہ تک (از خود کبھی) نہیں پہنچتا اور

کافروں کا (باطل معبودوں کو پکارنا) محض گمراہی ہے اور جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ چار و ناچار اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح و شام (سجدہ کرتے ہیں)

بَاسِطِ: کھولنے والا۔ پھیلانے والا۔ فراخ کرنے والا۔ بَسْطٌ سے اسم فاعل۔

کَفَّیْهِ: اس کا ہاتھ ملنا۔ اس کی ہتھیلیاں۔ واحد کَفٌّ۔ جمع اکف۔

فَاهُ: اس کا منہ۔

طَوْعًا: اطاعت کرنا۔ فرماں برداری کرنا۔ مصدر ہے۔

اٰصَال: شام کو۔ واحد اُصِیْلٌ۔

تشریح: حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہئے جو ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک ہے۔ کسی عاجز و بے بس مخلوق کو پکارنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو اپنی مدد کے لئے پکارنا ایسا ہے جیسا کوئی پیاسا کنوئیں کی من پر کھڑا ہو کر اس امید کے ساتھ پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے کہ وہ پانی خود بخود اس کے منہ تک آجائے۔ ظاہر ہے کہ وہ پانی قیامت تک از خود اس کے منہ تک نہیں آئے گا۔ یہی نہیں بلکہ اگر پانی اس کی چلو میں ہو تب بھی وہ خود بخود منہ میں نہیں جا سکتا تاوقتیکہ وہ اپنی چلو کو منہ تک نہ لے جائے کیونکہ پانی تو بے جان اور بے شعور چیز ہے۔ اس کو تو معلوم ہی نہیں کہ کون اس کو پکار رہا ہے۔ کافروں کے معبودوں کا بھی یہی حال ہے۔ کافر اپنے بتوں کو پکارتے ہیں مگر ان بتوں کو ان کی پکار کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔ چونکہ وہ بے شعور و بے جان ہیں اس لئے وہ ان کی دعاء قبول نہیں کر سکتے۔

ہر چیز اللہ کے سامنے پست ہے اس لئے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے سامنے سر تسلیم ختم کرتے ہیں، خواہ خوشی سے کریں جیسے فرشتے اور اللہ کے مومن بندے یا مجبوری سے کریں جیسے منافق اور کافر جو مصائب کی شدت یا کسی اور مجبوری سے سر جھکاتے ہیں اگرچہ وہ اس کو پسند نہیں کرتے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ تمام مخلوق صبح و شام اللہ کے سامنے دائیں بائیں جھک کر اللہ کو سجدہ کرتی ہے، اور اپنی عاجزی کا اظہار کرتی ہے۔

(عثمانی ۷۰۲ / ۱، مظہری ۲۲۸،۲۲۷ / ۵)

مشرکین و منکرین سے سوالات

۱۶۔ قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلۡ اَفَاتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ۙ اَمۡ هَلۡ تَسۡتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوۡرُ ۚ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوۡا كَخَلۡقِهٖ فَتَشَابَهَ الۡخَلۡقُ عَلَيۡهِمۡ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ○

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ (ان مشرکین سے) پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے۔ آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ ہے۔ (پھر) آپ ان سے کہئے کہ کیا پھر بھی تم نے اللہ کے سوا دوسرے مددگار قرار دے رکھے ہیں جو خود اپنے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ آپ ان سے (یہ بھی) پوچھئے کہ کیا نابینا اور بینا برابر ہیں یا کہیں تاریکی اور نور برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا جن کو انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے انہوں نے بھی (کسی چیز کو) پیدا کیا ہے، جیسے اللہ تعالی پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کی نظر میں پیدائش مشتبہ ہو گئی۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ ہی ہے۔ وہی واحد ہے (اور) زبردست ہے۔

تشریح: اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ یہ مشرکین بھی اسی کے قائل ہیں کہ زمین و آسمان کا رب اور مدبر اللہ ہی ہے۔ اس کے باوجود یہ غیر اللہ کو پوجتے ہیں جو ان کے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے اور ہر طرح سے عاجز و بے بس ہیں۔ وہ ان کافروں کو تو کیا نفع پہنچائیں گے، وہ اپنے نفع و نقصان کا بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

اللہ تعالی نے مشرکین و منکرین سے درج ذیل چار سوال کئے ہیں:

۱۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکوں سے پوچھئے کہ آسمان اور زمین کا مالک و رب کون ہے، جس نے ان کو بنایا اور قائم رکھا ہوا ہے۔ اگر یہ لوگ آپ کو کوئی جواب نہ دیں تو ان کی طرف سے آپ ہی جواب دے دیجئے کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا خالق و

مالک اور رب ہے ۔ کیونکہ یہ بھی اسی کے قائل ہیں ۔ اگر یہ جواب دیں گے تو ان کا جواب بھی یہی ہو گا۔

۲۔ پھر فرمایا کہ آپ ان سے پوچھئے کہ تم اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنے کے بعد دوسروں کو اپنا کارساز و مددگار کیوں بناتے ہو ۔ ان کو تو اپنے لئے بھی کوئی نفع حاصل کرنے کی قدرت نہیں اور نہ وہ اپنے آپ کو کسی نقصان سے بچا سکتے ہیں ۔ پھر وہ تمہارے کیا کام آئیں گے

۳۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ کیا نابینا (مشرک) اور بینا (مومن) برابر ہیں یا تاریکیاں (کفر) اور روشنی (ایمان) برابر ہو سکتے ہیں ۔ پس جس طرح نابینا اور بینا ۔ اندھیرا اور اجالا برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح مومن و کافر اور ایمان و کفر بھی برابر نہیں ہو سکتے ۔ مومن بینا ہے جو راہِ حق کو دیکھتا ہے اور کافر اندھا ہے جو راہِ حق کی طرف التفات نہیں کرتا ۔

۴۔ کیا ان مشرکوں نے جن بتوں کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہوا ہے انہوں نے بھی کسی چیز کو پیدا کیا ہے ، جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین ، چاند و سورج ، پہاڑ و سمندر ، انسان و حیوان اور دیگر مخلوقات وغیرہ کو پیدا کیا ہے ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے ۔ اس جیسا اس کے برابر کا یا اس کے مثل کوئی نہیں ۔ وہ وزیر و مشیر اور اولاد و بیوی سے پاک ہے ۔ اس کی ذات ان سب سے بلند و بالا ہے ۔ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ، وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے ، وہی اپنی ذات و صفات میں واحد و یکتا ہے اور ہر چیز پر غالب و قادر ہے ۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب مغلوب ہے اور جو مغلوب ہو وہ خدا اور معبود نہیں ہو سکتا ۔

(روح المعانی ۱۲۷، ۱۲۸ / ۱۳، ابن کثیر ۵۰۷، ۵۰۸ / ۲)

حق و باطل کا فرق

۱۷، ۱۸۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاۗءَ

حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۬ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

اسی (اللہ) نے آسمان سے پانی اتارا پھر (اس سے) ندی نالے اپنی اپنی مقدار کے موافق بہنے لگے ۔ پھر پانی کے ریلے نے پھولا ہوا جھاگ اٹھالیا اور جس چیز کو زیور یا کوئی سامان بنانے کے لئے آگ میں تپاتے (پگھلاتے) ہیں (اس میں بھی) ویسا ہی جھاگ (میل کچیل) اوپر آجاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے ۔ سو وہ جھاگ تو سوکھ کر جاتا رہتا ہے اور وہ (پانی) جو لوگوں کو نفع دیتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح (حق و باطل کی) مثالیں بیان کرتا ہے ۔ جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا ان کے لئے نیکی (فلاح دارین) ہے اور جن لوگوں نے اس کا حکم نہ مانا ان کے پاس اگر وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اس کے ساتھ اور ہو تو (قیامت کے روز نجات حاصل کرنے کے لئے) سب کچھ اپنے فدیہ میں دے دیں (مگر وہ قبول نہ ہو گا) اور انہیں کا حساب برا ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ (بہت ہی) برا ٹھکانا ہے ۔

سَالَتْ وہ جاری ہوئی ۔ وہ بہی ۔ سَیَلَانٌ سے ماضی ۔

اَوْدِيَةٌ نالے ۔ وادیاں ۔ واحد وَادِیٌ ۔

زَبَدًا: جھاگ ۔ میل کچیل ۔ جمع اَزْبَادٌ ۔

رَّابِيًا: چڑھنے والا ۔ بلند ہونے والا ۔ بڑھنے والا ۔ رَبْوٌ سے اسم فاعل ۔

يُوْقِدُوْنَ وہ گرم کرتے ہیں ۔ وہ دھونکتے ہیں ۔ اِیْقَادٌ سے مضارع ۔

حِلْيَةٍ: زیور ۔ گہنے ۔ آرائش ۔ جمع حُلِیٌّ ۔

جُفَاءً: کوڑا کرکٹ ۔ بے کار چیز ۔ باطل اسم ہے ۔

یَمْکُثُ: وہ ٹھہرتا ہے ۔ وہ باقی رہتا ہے ۔ مَکْثٌ سے مضارع ۔

اَلْمِهَادُ: ٹھکانا ۔ فرش، بچھونا

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں حق و باطل کے فرق، حق کی پائداری اور باطل کی بے ثباتی کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ بادلوں سے مینہ برساتا ہے ۔ پھر یہ بارش کا پانی دریاؤں اور ندی نالوں میں ان کی وسعت اور گہرائی کے مطابق بہنے لگتا ہے، کسی میں کم کسی میں زیادہ ۔ جب یہ ندی نالوں کا پانی زمین پر بہتا ہے تو اس میں مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے پہلے تو یہ پانی گدلا ہو جاتا ہے پھر میل کچیل اور جھاگ پھول کر پانی کی سطح پر آجاتا ہے اور خالص پانی جس پر زندگی کا دارومدار ہے نیچے دبا اور چھپا رہتا ہے ۔

اسی طرح زیورات، برتن اور ہتھیار وغیرہ بنانے کے لئے جب تیز آگ میں سونا، چاندی، تانبا، لوہا اور دوسری معدنیات پگھلائی جاتی ہیں تو ان میں بھی جھاگ اٹھتا ہے اور اصل دھات نیچے رہ جاتی ہے ۔ پھر وہ جھاگ کچھ دیر بعد خشک ہو جاتا ہے یا ادھر ادھر پھیل کر ختم ہو جاتا ہے اور وہ چیز جو لوگوں کو نفع پہنچانے والی ہوتی ہے جیسے صاف پانی اور خالص دھات وغیرہ، وہ باقی رہ جاتی ہے ۔

یہی مثال حق و باطل کی ہے ۔ جب وحی آسمانی دین حق کو لے کر نازل ہوتی ہے تو بنی آدم کے قلوب اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے موافق فیض حاصل کرتے ہیں ۔ پھر کبھی کبھی حق و باطل باہم مل جاتے ہیں اور بظاہر باطل، جھاگ کی طرح حق پر چھا جاتا ہے، لیکن اس کا یہ غلبہ عارضی اور بے بنیاد ہوتا ہے جو بہت جلد ختم ہو جاتا ہے اور حق نتھر آتا ہے جیسے جھاگ بیٹھ جانے کے بعد پانی نتھر کر صاف و شفاف ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ عجیب عجیب مثالوں کے ذریعہ لوگوں کو مؤثر انداز میں سمجھاتا ہے ۔

اسی طرح جب کسی کے دل میں حق اتر جائے اور پھر کسی وقت اوہام و وساوس غلبہ پانے کی کوشش کریں تو اس کو گھبرانا نہیں چاہئے کیونکہ کچھ دیر بعد یہ اوہام و وساوس خود ہی ختم ہو جائیں گے ۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت کو اچھی طرح قبول کر لیا اور اس کے احکام کی تعمیل کی تو ان کے لئے اچھا بدلہ ہے اور جن لوگوں نے دعوتِ الٰہیہ کو قبول نہیں کیا، ان کو اگر

دنیا بھر کی دولت مل جائے اور اتنی ہی اور بھی مل جائے، پھر وہ یہ تمام دولت دوزخ سے اپنی رہائی کے فدیہ میں دے دیں تب بھی ان کو دوزخ سے رہائی نہیں ملے گی۔ قیامت کے روز ایسے لوگوں کا حساب و کتاب نہایت سختی کے ساتھ ہوگا اور ان کا کوئی گناہ معاف نہیں کیا جائے گا اور ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ (عثمانی ۷۰۳، ۷۰۴/ ۱، مظہری ۲۲۹، ۲۳۰/ ۵)

اہلِ عقل کی صفات

۱۹، ۲۴۔ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ط
اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا
يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ
يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝
وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا
وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ
فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝

جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ سب حق ہے، کیا ایسا شخص اس کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھا ہے۔ بیشک نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ وہ سمجھدار لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وہ عہد کو توڑتے نہیں اور وہ ایسے ہیں کہ اللہ نے جن تعلقات کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے وہ ان کو قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے خوف کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کی رضا کے لئے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ طور پر بھی خرچ کرتے ہیں اور ظاہر کر کے بھی اور

برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں ۔ انہی لوگوں کے لئے آخرت کا گھر ہے ۔ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ خود بھی رہیں گے اور ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں سے وہ لوگ بھی (رہیں گے) جو نیک ہوں گے اور فرشتے ہر (سمت کے) دروازے سے داخل ہو کر ان سے کہیں گے کہ تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے تم پر سلامتی ہو ۔ سو کیا ہی اچھا ہے آخرت کا گھر (جو تمہیں ملا ہے) ۔

یَدْرَءُونَ: وہ دفع کرتے ہیں ۔ وہ ٹالتے ہیں ۔ دَرْءٌ سے مضارع ۔

عُقْبٰی: عاقبت ۔ آخرت ۔ بدلہ ۔

عَدْنٍ: ہمیشہ رہنا ۔ بسنا ۔ کسی جگہ مقیم ہونا ۔ مصدر ہے ۔

نِعْمَ: اچھا ہے ۔ خوب ہے ۔ کلمہ مدح ہے ۔

تشریح: کیا ان مشرکین کو ہدایت و گمراہی کا فرق نظر نہیں آتا؟ کیا ایسا شخص جو اس بات پر یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ سراسر حق ہے اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھا اور بے بصیرت ہو اور جو حق و باطل میں تمیز نہ کر سکتا ہو ۔ بیشک نصیحت تو سمجھدار لوگ ہی قبول کرتے ہیں ۔

سمجھدار لوگ وہ ہیں جنہوں نے یوم میثاق میں اللہ کی ربوبیت کا جو اقرار کیا تھا اور "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کے جواب میں "بَلٰی" کہا تھا ۔ وہ اپنے اس عہد کو پورا کرتے ہیں اور وہی لوگ اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد اور بندوں کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو نہیں توڑتے ۔

یہی وہ لوگ ہیں جو تمام انبیاء اور ساری آسمانی کتابوں پر کسی تفریق کے بغیر ایمان رکھتے ہیں اور تمام مومنوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور عزیز و اقارب سے حسن سلوک کرتے ہیں ۔ اکثر علماء کے نزدیک یہاں "مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ" سے مراد صرف صلہ رحم ہے ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ اس کے رزق میں وسعت اور عمر میں درازی عطا کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ قرابت داروں کو جوڑے رکھے ۔ متفق علیہ ۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رشتہ ۔ قرابت کو جوڑنے والا وہ نہیں جو برابر کا بدلہ

دے بلکہ قرابت کو جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر رشتہ قرابت (کسی عزیز کی طرف سے) ٹوٹ گیا تو وہ اس کو جوڑ دے، یعنی جو شخص تجھ سے عزیز داری اور قرابت ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہو یا ختم کر چکا ہو تو، تو اس سے قرابت پیدا کر اور رشتہ کو جوڑ۔

پھر فرمایا کہ وہ عقل مند لوگ اپنے رب کی وعید سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے روز حساب کی سختی سے ڈرتے ہیں۔ یہی لوگ محض اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لئے خواہشات کی مخالفت پر قائم اور جمے رہے اور نماز قائم کی اور اللہ کے عطا کئے ہوئے مال میں سے کبھی ظاہر کر کے اور کبھی چھپا کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور یہی لوگ بدی کو نیکی کے ذریعہ ختم کرتے ہیں، یعنی نیک کام کر کے برے کاموں کی تلافی کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (سورۃ ھود۔ آیت ۱۱۴)

بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔

مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تجھ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے پیچھے نیکی بھی کر۔ یہ اس کو مٹا دے گی۔

(مسند احمد ۶/۲۱۳)

پھر فرمایا کہ ایسے ہی عقل مند لوگوں کے لئے آخرت کا گھر ہے جہاں ان کے قیام اور رہنے کے لئے باغ ہیں۔ یہی لوگ ان باغوں میں داخل ہوں گے اور ان کے نیک آباؤ اجداد اور ان کی نیک بیویاں اور نیک اولاد بھی ان میں داخل ہو گی اور ان کو مبارک باد دینے کے لئے جنت کے ہر دروازے سے فرشتے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے کہ تمہارے صبر و استقامت کے بدلے تم پر سلامتی ہو۔ پس کیا ہی اچھا ہے آخرت کا گھر جو تمام آفاتِ ظاہری و باطنی سے محفوظ و مامون ہے۔

(مظہری ۵/۲۳۴،۲۳۰، روح المعانی ۱۳/۱۴۵،۱۳۹)

کافروں کی بداعمالیوں کا نتیجہ

۲۶،۲۵۔ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ

اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝

اور جو لوگ مضبوط کرنے کے بعد اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اور اس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے لعنت ہے اور انہی کے لئے برا گھر (دوزخ) ہے اللہ جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے اور یہ (کافر) دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہیں اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی ایک متاع حقیر کے سوا کچھ نہیں۔

تشریح: جو لوگ نادان اور عقل سے کورے ہیں وہ اللہ کے ساتھ اس کی وحدانیت اور عبادت کا پختہ عہد کرنے کے بعد اس کو توڑ دیتے ہیں اور جن رشتوں کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، یہ لوگ ان کو بھی توڑ دیتے ہیں اور کفر و شرک، لوٹ مار اور قتل و غارت کے ذریعہ دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں۔ ایسے ہی بدبختوں اور بدعقلوں پر اللہ کی لعنت ہے اور آخرت میں ان کے لئے برا گھر ہے جو دائمی ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے وسعت کے ساتھ رزق دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو تنگ کر دیتا ہے۔ رزق میں تنگی اور کشادگی اس کی حکمتِ بالغہ کے تحت ہے نہ کہ کسی کی اپنی ہوشیاری اور لیاقت و اہلیت کے سبب۔ یہ اہلِ مکہ اس دنیاوی زندگی پر فریفتہ ہیں۔ اللہ نے ان کے رزق میں جو کشادگی فرمادی ہے یہ اس پر مغرور ہیں اور اتراتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے حالانکہ دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و عشرت پر ان کا اترانا بالکل بے معنی ہے اس لئے کہ دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلے میں صرف ایک حقیر سی متاع ہے جو دنیا کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔ (مظہری ۵/۲۳۵)

مسند احمد میں مستورد بن شدادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسی ہی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے اور دیکھے کہ کیا لائی۔ (مسند احمد ۵/۲۷۰)

منکرین کا معجزے طلب کرنا

۲۷، ۲۹۔ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝

اور کافر کہتے ہیں کہ ان کے رب کی طرف سے ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو (حقیقی) اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لئے خوشحالی (خوبی) اور اچھا ٹھکانا ہے۔

اَنَابَ : وہ متوجہ ہوا۔ وہ رجوع ہوا۔ اَنَابَۃٌ سے ماضی۔

طُوْبٰی : خوشحالی۔ جنت کا ایک درخت۔

مَاٰب : واپس ہونے کی جگہ۔ لوٹنے کی جگہ۔ اَوْبٌ سے اسم ظرف مکان۔

تشریح: مشرکینِ مکہ سیکڑوں معجزے دیکھنے کے بعد بھی مرغے کی ایک ٹانگ پکڑے ہوئے تھے کہ جو ہم طلب کریں وہ معجزہ دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے سرکا کر کھیتی باڑی کے لئے زمین وسیع کر دو یا زمین کو پھاڑ کر چشمے اور نہریں نکال دو یا ہمارے پرانے بزرگوں کو دوبارہ زندہ کر کے ہم سے بات چیت کرا دو۔ غرض کوئی ایسا معجزہ دکھاؤ جو ہمیں ایمان لانے پر مجبور کر دے۔ اس قسم کے مطالبات مشرکین مکہ نے متعدد مواقع پر کئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنے مطلوبہ معجزات دیکھنے کے بعد بھی ٹس سے مس نہ ہوئے تو پھر ان کو تہس نہس کر دیا جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی کہ

ان کی خواہش کے مطابق میں صفا پہاڑ کو سونے کا کر دیتا ہوں۔ عرب کی زمین میں میٹھے پانی کی ریل پیل کر دیتا ہوں، پہاڑی زمین کو زرعی زمین سے بدل دیتا ہوں، اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو انہیں وہ سزا دوں گا جو کسی کو نہ دی ہوگی۔ اگر چاہو تو یہ کر دوں اور اگر چاہو تو ان کے لئے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رہنے دوں۔ تو آپ نے دوسری صورت پسند فرمائی۔ چنانچہ انہیں مشرکین میں سے بعد میں بہت سے لوگ ایمان لائے۔

پھر فرمایا کہ اللہ نے نشانیاں تو بہت اتاری ہیں مگر گمراہی کے سبب تمہیں نظر نہیں آتیں۔ جو شخص ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی راہِ راست پر نہ آئے تو سمجھ لو کہ اللہ کی مشیت یہی ہے کہ وہ راہِ راست پر نہ آئے۔ اللہ کی ہدایت و توفیق تو اسی کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرے اور حق کا طالب ہو۔ ایسا شخص تو معجزہ دیکھے بغیر ہی ایمان لے آتا ہے۔

اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تو وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کی یاد سے ان کے دلوں کو اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر کی یہی خاصیت ہے کہ اس سے دلوں کو اطمینان و سکون حاصل ہو۔ سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک صالح اعمال کئے تو ان کے لئے پاکیزہ زندگی اور اچھا ٹھکانا ہے۔ اطمینانِ قلب دنیاوی مال و دولت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتا ہے۔

(عثمانی ۷۰۷، ۷۰۸ / ۱، ابن کثیر ۵۱۲، ۵۱۴ / ۲)

منکرین کی فطرت

۳۰۔ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟
عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ
قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح ہم نے آپ کو ایک ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے کہ جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ ان کو وہ (کتاب) پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور یہ لوگ رحمن سے منکر ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب تو وہ ہے جس کے سوا اور کوئی

معبود نہیں۔ میں نے تو اسی پر بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف مجھے رجوع کرنا ہے۔

قَدْ: ہے۔ کافی۔ تحقیق۔ کبھی، اسم بھی ہے، حرف بھی۔ ماضی اور مضارع دونوں پر آتا ہے۔

خَلَتْ: وہ گزر گئی۔ خُلُوٌّ سے ماضی۔

مَتَابِ: توبہ کرنا۔ رجوع کرنا۔ تَوْبٌ سے مصدر میمی بھی ہے اور اسم ظرف بھی۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی نبوت و رسالت کوئی انوکھی چیز نہیں۔ جس طرح آپ سے پہلے دوسرے پیغمبروں کو، ہم نے ان کی امتوں کی طرف بھیجا تھا اسی طرح، ہم نے آپ کو بھی ایک امت میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں جن کی طرف دوسرے پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ آپ ان کو وہ قرآن پڑھ کر سنا دیں جو، ہم نے آپ کو وحی کے ذریعہ دیا ہے۔ یہ قرآن آپ کی نبوت و رسالت کی سب سے بڑی نشانی اور اللہ کی عظیم رحمت اور نعمت ہے۔

ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کی ناشکری کرتے ہیں اور قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس رحمن کا تم انکار کرتے ہو وہی میرا خالق اور کارساز ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے، وہی تمہارے مقابلے میں میری مدد کرے گا۔ اسی کی طرف میری تمام تر توجہ اور رجوع ہے۔ (مظہری ۵/۲۳۹)

مشرکین کی فرمائش

۳۱، ۳۲۔ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَاْيْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ وَلَقَدِ

اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ۔ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ۰

اور اگر کوئی ایسا قرآن (نازل) ہوتا جس سے پہاڑ ٹل جاتے یا زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی یا اس کے ذریعہ مردے بولنے لگتے (تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) بلکہ سب کام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ کیا پھر بھی ایمان والوں کو اس پر خاطر جمعی نہیں ہوئی کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو ہدایت دے دے اور کافروں کو تو ان کی بد اعمالی کے سبب ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا وہ بلا ان کے گھر کے دروازے پر آترے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو جائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اور البتہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کے ساتھ استہزاء ہو چکا ہے۔ سو ہم نے منکروں کو مہلت دی پھر ان کو پکڑ لیا۔ سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا (سخت) تھا۔

يَايْئَسِ : وہ مایوس ہوتا ہے۔ وہ ناامید ہوتا ہے۔ يَأْسٌ سے مضارع۔

قَارِعَةٌ : کھڑ کھڑا دینے والی قیامت۔ سخت مصیبت قَرْعٌ سے اسم فاعل۔

تَحُلُّ : وہ نازل ہوگی۔ وہ اترے گی۔ حُلُوْلٌ سے مضارع

أَمْلَيْتُ : میں نے ڈھیل دی۔ میں نے مہلت دی۔ إِمْلَاءٌ سے ماضی۔

عِقَابِ : عقوبت، عذاب، سزا۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر وہ صحیح ہے تو آپ ہمارے مردہ اسلاف کو ہم سے ملا دیں تاکہ ہم ان کو دیکھیں اور ان سے باتیں کریں (اور وہ آپ کی تصدیق کریں) اور مکہ کے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے ہٹا کر) پھیلا دیں اور اس زمین کو کشادہ کر دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۵/۲۳۹)

ابو نعیم نے دلائل النبوہ میں زبیر بن العوام کی حدیث سے بیان کیا کہ جب آیت وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی قبیس پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا: اے آل عبد مناف! بیشک میں خبردار کرنے والا ہوں۔ پھر جب قریش کے لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو (آخرت کے بارے میں) ڈرایا اور ان کو خبردار کیا۔ پس

انہوں نے کہا کہ آپ کا گمان ہے کہ آپ نبی ہیں، آپ پر وحی کی جاتی ہے اور یہ کہ (حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا گیا تھا۔ اور (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے لئے سمندروں کو مطیع کر دیا گیا تھا اور یہ کہ (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ سو آپ بھی اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو چلا کر ہمارے پاس سے دور لیجائے۔ اور زمین کو پھاڑ کر ہمارے لئے نہریں جاری کر دے تاکہ ہم کھیتی باڑی کر کے خوراک حاصل کریں اور یا یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں کہ وہ ہمارے مردوں کو زندہ کر دے تاکہ ہم ان سے باتیں کریں اور وہ ہم سے باتیں کریں اور یا یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں کہ وہ اس پہاڑ کو جو آپ کے نیچے ہے (جبل ابی قبیس) سونے کا بنادے تاکہ ہم اس کو کھود (کر نفع حاصل کر) لیں اور ہم سردی و گرمی کے سفروں سے بے نیاز ہو جائیں۔ کیونکہ آپ کا گمان ہے کہ آپ بھی انہیں (پیغمبروں) کی مانند (پیغمبر) ہیں۔ اسی کے بارے میں وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ ..... تین آیات تک اور آیت وَلَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا سُيِّرَتۡ بِهِ الۡجِبَالُ نازل ہوئیں۔ (روح المعانی ۱۵۸ / ۱۳)

تشریح: یہاں قرآن سے مراد عام کتاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی کتاب اتاری جاتی جس سے تمہارے یہ فرمائشی معجزے پورے ہو جاتے تو اس قرآن کے سوا اور کون سی کتاب ہو سکتی تھی۔ یہی قرآن ہے جس نے پہاڑوں کی طرح جمے ہوئے لوگوں کو روحانی طور پر ان کی جگہ سے ہٹا دیا، بنی آدم کے قلوب کی زمینوں کو پھاڑ کر معرفتِ الٰہی کے چشمے جاری کر دیئے۔ اللہ تک پہنچنے کے راستے برسوں کی جگہ منٹوں میں طے کرا دیئے، مردہ قوموں اور دلوں میں ابدی زندگی کی روح پھونک دی۔ جب ایسے قرآن سے تمہیں ہدایت و شفاء نصیب نہ ہوئی تو اگر تمہارے طلب کردہ معجزے مادی طور پر بھی تمہیں دکھا دیئے جاتے تب بھی کیا امید تھی کہ تم ایمان لے آتے اور نئی کج بحثیاں شروع نہ کر دیتے۔ تم تو ضدی اور سرکش واقع ہوئے ہو۔ تم کسی معجزے کو دیکھ کر ایمان لانے والے نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہدایت اسی کو حاصل ہوتی ہے جو قبول حق کی خواہش و تڑپ رکھتا ہو۔

بعض مسلمانوں کو ازراہِ شفقت یہ خیال ہوا کہ کاش کوئی بڑی نشانی ظاہر ہو جاتی تو شاید یہ لوگ ایمان لے آتے۔ اس لئے ان کی تسلی و اطمینان کے لئے فرمایا کہ تم اطمینان رکھو، اگر اللہ چاہے تو کوئی معجزہ دکھائے بغیر ہی سب کو راہِ راست پر لے آئے۔ لیکن یہ اس کی عادت و حکمت

کے خلاف ہے ۔ ان کافروں کو ان کے کرتوتوں کی سزا میں ایک نہ ایک مصیبت ہمیشہ پہنچتی رہے گی یا ان کے گھروں کے قریب، ان کے آپس پاس والوں پر کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہوتی رہے گی جسے دیکھ کر یہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے اور مکہ فتح ہو جائے اور جزیرۃ العرب شرک کی نجاست سے پاک و صاف ہو جائے اور اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے جس کا اس نے وعدہ کر رکھا ہے ۔ بیشک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ۔

جس طرح یہ کافر آپ سے استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں اسی طرح آپ سے پہلے پیغمبروں سے بھی استہزاء کیا جاتا تھا ۔ سو آپ اس پر رنجیدہ نہ ہوں ۔ پس میں نے ان مسخروں کو فوراً نہیں پکڑا بلکہ میں نے ان کو مہلت دے رکھی تھی، تاکہ وہ دل کھول کر انبیاء کا مذاق اڑالیں ۔ پھر جب وہ حد سے بڑھ گئے تو میں نے ان کو اچانک عذاب میں پکڑ لیا ۔ سو دیکھو میرا عذاب کیسا بر محل واقع ہوتا ہے ۔ جو لوگ آپ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں میں ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کروں گا ۔

(عثمانی ۷۰۸، ۷۰۹/ ۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۰۴/ ۴)

مشرکین کے باطل عقائد

۳۳، ۳۴۔ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝

بھلا کیا وہ ذات جو ہر ایک کے عمل سے باخبر ہے (بتوں کے برابر ہے) اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں ۔ آپ ان سے کہئے کہ تم ان (بتوں) کے نام تو لو یا تم اللہ کو ایسی بات بتاتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتا یا تم یونہی باتیں بناتے ہو بلکہ ان کافروں کو اپنی فریب کی باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور (اسی وجہ سے) یہ لوگ راہ (راست) سے محروم رہ گئے اور جس کو اللہ گمراہ کر

دے پھر اس کو ہدایت دینے والا کون ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور کوئی نہیں ان کو اللہ سے بچانے والا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہر انسان کا حافظ و نگہبان ہے اور ہر ایک کے اچھے اور برے اعمال سے باخبر ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ کوئی کام اس کی بے خبری میں نہیں ہوتا۔ ہر جاندار کی روزی اس کے ذمہ ہے، ہر ایک کے ٹھکانے کا اسے علم ہے۔ ہر بات اس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے وہ ہر کھلی اور چھپی بات کو جانتا ہے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ ہے اور اس کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ کیا ایسی صفات والا خدا تمہارے باطل معبودوں جیسا ہو سکتا ہے جو محض عاجز و بے خبر ہیں۔ نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ وہ اپنے لئے کسی چیز کے مالک ہیں نہ کسی اور کے نفع و نقصان کا انہیں اختیار ہے۔

ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرا رکھا ہے اور وہ ان عاجز و بے بس معبودوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ذرا ان معبودوں کے نام تو بتاؤ اور ان کے حالات تو بیان کرو تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ وہ کیسے عاجز و بے حقیقت ہیں۔ کیا ان میں اللہ تعالیٰ کی مذکورہ صفات میں سے کوئی صفت پائی جاتی ہے۔ کیا تم اللہ کو ایسی باتیں بتاتے ہو جن کا وجود ہی نہیں۔ بفرض محال اگر زمین میں اس کا کوئی شریک ہوتا تو وہ اللہ کے علم میں ضرور ہوتا کیونکہ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں یا تم صرف اٹکل پچو باتیں بنا رہے ہو اور گپ مار رہے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کافروں کو ان کا مکر و فریب بھلا دکھائی دے رہا ہے، وہ اپنے کفر و شرک پر نازاں ہیں۔ دن رات اسی میں مگن ہیں اور دوسروں کو بھی اسی طرف بلا رہے ہیں۔ ان کے مکر و فریب کی وجہ سے ان لوگوں کو سیدھے راستے سے روک دیا گیا ہے۔ سو جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کون راہِ راست پر لا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی عذاب ہے جیسے مومنوں کے ہاتھوں قتل و غارت ہونا اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے کیونکہ وہ شدید ہونے کے ساتھ ساتھ دائمی بھی ہے۔ کوئی نہیں جو ان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

(ابن کثیر ۲/۵۱۶)

پرہیزگاری کا بدلہ

۳۵،۳۶ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ، تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ، اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ، تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا
وَّعُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ○ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ،
قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ، اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَاِلَیْهِ
مَاٰبِ ○ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِیًّا ، وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ
اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ
وَّلَا وَاقٍ ○

جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا حال (یہ ہے) کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہے۔ یہ تو پرہیزگاروں کا انجام ہے اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگا اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اس (کتاب) سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور ان جماعتوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں۔
آپ کہہ دیجئے کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں۔ میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے جانا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا اور اگر آپ اپنے پاس علم آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں پر چلیں گے تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی آپ کا مددگار ہوگا اور نہ بچانے والا۔

تشریح: پرہیزگاروں سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کی ایک صفت تو یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف نہریں جاری ہیں جن کا پانی خراب نہیں ہوتا۔ پھر دودھ کی نہریں ہیں جن کے دودھ کا مزہ کبھی نہیں بگڑتا۔ شراب کی نہریں ہیں، جس میں صرف لذت ہی لذت ہے۔ اس میں نہ بدمزگی ہے اور نہ بیہودہ نشہ۔ اور اس میں صاف شہد کی نہریں ہیں اور ہر قسم کے پھل ہیں، جو ہمیشہ رہیں گے۔ اس کی کھانے پینے کی چیزیں کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ

ارشاد ہے:

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ

(سورۃ واقعہ - آیت ۳۳)

وہاں بکثرت میوے ہوں گے، نہ کبھی کٹیں گے اور ٹوٹیں گے اور نہ کبھی ختم ہوں گے۔

قرآن کریم میں جنت اور دوزخ کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے تاکہ لوگوں کو جنت کا شوق ہو اور دوزخ کا خوف۔ یہاں بھی جنت اور اس کی چند نعمتوں کے ذکر کے بعد فرمایا کہ یہ پرہیزگاروں کا انجام ہے اور کافروں کا انجام دوزخ ہے۔

پھر فرمایا جن لوگوں کو اس سے پہلے آسمانی کتاب (توریت و انجیل وغیرہ) دی گئی تھی اور وہ اس پر عمل بھی کرتے رہے، جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور حبش کے عیسائی مسلمان وغیرہ، تو ایسے لوگ اس کتاب سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی کیونکہ آپ کی بشارت و صداقت ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ البتہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس قرآن کی بعض باتوں کو نہیں مانتے جو ان کی دنیوی اغراض و منافع میں رکاوٹ بنتی ہیں یا ان کی شریعتوں کے موافق نہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہیں اپنا اختیار ہے کہ تم اپنے احمقانہ عقائد پر قائم رہو۔ مجھے تو اللہ کی طرف سے یہی حکم ہے کہ میں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں۔ میں لوگوں کو بھی اسی خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں اور اسی خدا کی طرف مجھے واپس جانا ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جس طرح ہم نے آپ سے پہلے نبی بھیجے، ان پر انہیں کی زبانوں میں کتابیں نازل فرمائیں ہیں، اسی طرح ہم نے اس قرآن کو آپ پر نازل فرمایا۔ یہ قرآن محکم و مضبوط ہے اور عربی زبان میں ہے جو آپ کی اور آپ کی قوم کی زبان ہے تاکہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے اس کا سمجھنا اور سمجھانا آسان ہو۔ یہ آپ پر اللہ کا خاص احسان و انعام ہے۔ اگر بفرض محال آپ نے اس خدائی علم اور وحیِ الٰہی کے آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو آپ کو اللہ کے عذاب و گرفت سے بچانے والا اور آپ کی مدد کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۰۶، ۱۰۹ / ۴، ابن کثیر ۵۱۷، ۵۱۸ / ۲)

اللہ تعالیٰ کا مالک و مختار ہونا

۳۸،۴۱۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ سے پہلے بھی ہم (بہت سے) رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان کو بیویاں اور اولاد دی تھی اور کسی بھی رسول کے اختیار میں نہ تھا کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لاتا۔ ہر مدت کے لئے ایک تحریر ہے۔ (اس میں سے) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے۔ اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خواہ ہم آپ کو (آپ کی زندگی میں) ان وعدوں میں سے بعض وعدے دکھا دیں جو ہم نے ان سے کئے ہیں یا (اس سے پہلے) ہم آپ کو وفات دے دیں۔ بہرحال آپ کے ذمہ تو صرف (پیغامِ حق) پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں اور اللہ (جو چاہتا ہے) حکم کرتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اَجَلٍ: کسی چیز کی مدت۔ وقت۔ موت کا وقت۔ مہلت۔ جمع اٰجَالٌ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ہر ایک وقت کا ایک حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی حکمت کے مطابق فرض کیا ہے۔ (تفسیر نسفی ۲۵۲ / ۲)

اُمُّ الْكِتٰبِ: ہر کتاب کی اصل۔ اس سے لوحِ محفوظ مراد ہے کیونکہ ہر بات جو ہونے والی ہے وہ اس میں تحریر ہے۔ (تفسیر نسفی ۲۵۲ / ۲)

اس سے مراد سورۂ فاتحہ بھی ہے ۔ حدیث میں آتا ہے کہ بلاشبہ ام
الکتب سورۂ فاتحہ ہے کیونکہ وہ تمام نمازوں میں ہر سورت سے پہلے پڑھی جاتی
ہے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اُمُّ الْكِتٰبِ سے مراد
شروع سے آخر تک پورا قرآن کریم ہے ۔ (لسان العرب ۱۲ / ۳۱)

يَمْحُوْا: وہ محو کرتا ہے ۔ وہ مٹاتا ہے ۔ مَحْوٌ سے مضارع ۔

مُعَقِّبَ: ہٹانے والا ۔ رد کرنے والا ۔ تَعْقِيْبٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: حقیقت یہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی، ہم نے بہت سے پیغمبر بھیجے ۔ جس طرح آپ انسان ہونے کے باوجود اللہ کے رسول ہیں اسی طرح وہ بھی فرشتے نہیں تھے بلکہ عام انسانوں کی طرح انسان تھے ۔ آپ بھی کھاتے پیتے ہیں، بیوی بچوں والے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں، اسی طرح وہ بھی کھاتے پیتے تھے اور بیوی بچوں والے تھے ۔

پھر فرمایا کہ نبی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے ایسا معجزہ ظاہر کر دے جو اس سے طلب کیا جائے کیونکہ سب پیغمبر بندے ہیں، رب نہیں ۔ معجزے کا ظاہر ہونا صرف اللہ کے ارادے اور مشیت اور اس کی حکمت و مصلحت پر موقوف ہے ۔ وہ جب چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے ہر چیز کا مقررہ وقت اللہ نے تحریر کر دیا ہے ۔ اس تحریر میں ہر چیز کی ابتداء اور انتہاء لکھی ہوئی ہے ۔ مثلاً اللہ نے ازل میں لکھ دیا ہے کہ زید فلاں وقت پیدا ہو گا اور اتنی مدت تک زندہ رہے گا ۔ کافر ہو گا یا مومن وغیرہ وغیرہ ۔ اسی طرح اللہ نے ہر معجزے کے ظہور کا وقت بھی لکھ دیا ہے کہ فلاں معجزہ فلاں وقت ظاہر ہو گا ۔ لوگ اس کی طلب میں خواہ کتنی ہی عجلت کریں، وہ مقررہ وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہو سکتا ۔

اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے ۔ اس نے اپنی حکمت، ارادہ اور مشیت سے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے مگر وہ اس پر لازم نہیں ۔ وہ اس میں جس طرح چاہتا ہے تغیر و تبدل کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اپنی قدرت و حکمت سے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت و برقرار رکھتا ہے ۔ اسی کے پاس ام الکتب ہے ۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ اس سے مراد اللہ کا علم ہے ۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کی زندگی ہی میں ان پر کوئی عذاب نازل ہو جائے اور کافروں کی ذلت و خواری آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یا ہم ان وعدوں کے واقع ہونے سے پہلے آپ کو وفات دے دیں اور آپ کی زندگی میں ان کو کامل شکست نہ ہو تو آپ اس کی فکر نہ کریں ۔

آپ کے ذمہ تو ہمارا پیغام پہنچادینا ہے ۔ ان سے حساب لینا اور ان کو سزا دینا ہمارے ذمہ ہے ۔ قیامت کے روز جب یہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کو ان کے اعمال کے مطابق سزا دیں گے ۔

کیا مکہ کے کافر یہ نہیں دیکھتے کہ مسلمان کافروں کے علاقے فتح کرتے چلے جا رہے ہیں ۔ کیا ان کی عبرت کے لئے یہ مشاہدہ کافی نہیں ۔ بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک زمین کی کمی سے مراد ویرانی اور تباہی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ کیا ان کافروں کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم ان کی آبادیوں کو اجاڑ رہے ہیں اور ان آبادیوں میں رہنے والوں کو ہلاک کر رہے ہیں ۔ اللہ اپنی مخلوق کے معاملات میں جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے ۔ کوئی اس کے حکم کو ٹالنے اور توڑنے والا نہیں ۔ وہ بہت جلد ان سے حساب لینے والا ہے ۔

(مظہری ۲۴۵، ۲۴۸ / ۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۹ ... ۱۱۵ / ۴)

آپؐ کی صداقت پر اللہ کی گواہی

۴۲، ۴۳ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۔ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۔ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ○ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۔ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ○

اور ان سے پہلے لوگ (کافر) بھی تدبیریں کر چکے ہیں ۔ سو سب تدبیریں اللہ کے ہاتھ میں ہیں ۔ جو شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اللہ کو سب خبر رہتی ہے ۔ کافروں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کا گھر کس کے لئے ہے ۔ اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری نبوت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے اور اس شخص کی گواہی کافی ہے جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے ۔

تشریح: جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ گزشتہ اقوام میں سے جو کافر تھے انہوں نے بھی اپنے اپنے انبیاء اور مومنوں سے مکر و فریب کئے تھے لیکن ان کے سب مکر و فریب بے کار گئے ۔ اللہ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا کیونکہ سب مکر

و فریب اللہ کے قبضہ ٔ قدرت میں ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ہر عمل سے باخبر ہے ۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا ۔ کافروں کو بہت معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انجام اچھا ہوا ان کافروں کا یا مومنوں کا ۔

مشرکینِ مکہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور آپ کی رسالت کا انکار کر رہے ہیں ۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارے جھٹلانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کیونکہ اس نے میری رسالت کی صداقت ایسے دلائل سے واضح کر دی ہے جن کے بعد کسی اور شاہد کی ضرورت نہیں ۔ وہ قیامت کے روز اس کا فیصلہ کر دے گا ۔ اس وقت ان منکروں کے پاس کوئی عذر نہ ہو گا ۔ نیز جس کے پاس کتابِ الہیٰ کا صحیح علم ہے وہ بھی میری نبوت و رسالت کا کافی گواہ ہے یعنی اہلِ کتاب میں سے معتبر لوگ آپؐ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی نبوت کی شہادت دیں گے ۔ (مظہری ۲۴۹ / ۵)

جنت کی ضمانت

حضرت انس رضی اللہ عنہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا! تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو' میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

۱۔ جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے۔

۲۔ جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف نہ کرے۔

۳۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کرے۔

۴۔ اپنی نگاہ نیچی رکھو۔

۵۔ اپنے ہاتھوں کو (ظلم کرنے سے) روک لو۔

۶۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ (رواہ ابو یعلی)

مقالاتِ زواریہ

ترتیب: سید فضل الرحمٰن

- فقیہ العصر حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریباً ۱۴۰ نشری تقاریر اور علمی مقالات کا ضخیم مجموعہ۔
- طلباء، علماء، مقررین اور واعظین کے لئے ایک بیش بہا تحفہ، اور عوام و خواص کے لئے یکساں مفید۔
- تمام تقاریر اور مضامین کی زبان نہایت سادہ، اندازِ بیاں عام فہم اور قرآنی آیات واحادیث کی دلنشیں تشریح ہے۔
- تمام قرآنی آیات کی اصل عربی عبارت اور اسکا مکمل حوالہ دیا گیا ہے۔
- بعض ایسے جدید مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہے جو اہلِ علم کے ہاں اختلافی رہے ہیں۔
- روزمرہ پیش آنے والے مسائل و مشکلات پر تبصرہ اور سماجی و معاشرتی برائیوں کے انسداد و سدباب کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں تجاویز پیش کی گئی ہیں۔
- اس مجموعہ کو درج ذیل سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) قرآنی تعلیمات، (۲) ایمان و دعوتِ اسلام، (۳) احکامِ دین،
(۴) تجارت و معیشت، (۵) اخلاق و حقوق، (۶) تصوف و سلوک،
(۷) سیرت و سوانح

- خوبصورت اور دلکش رنگین سرِورق، اعلیٰ کمپیوٹر کمپوزنگ، نہایت نفیس آفسٹ طباعت اور مضبوط جلد بندی کی اضافی خوبیوں کے ساتھ۔ اہلِ علم کے لئے ایک گرانقدر تحفہ،

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کی اہم اور مفید مطبوعات

۱۔ احسن البیان فی تفسیر القرآن: قرآن کریم کی عام فہم تفسیر جو عوام الناس کے لئے بے حد مفید ہے' از سید فضل الرحمٰن' جلد اول سورۃ فاتحہ و بقرہ صفحات ۴۴۸' جلد دوم سورہ آل عمران و نساء صفحات ۴۰۸' جلد سوم سورہ مائدہ' انعام' اعراف صفحات ۴۶۴ جلد چہارم سورہ انفال تا سورہ رعد صفحات ۴۶۴۔

۲۔ استحکام پاکستان' سیرت طیبہ کی روشنی میں' سیرت ایوارڈ یافتہ مقالہ' سید عزیز الرحمٰن صفحات ۶۰

۳۔ افکار زواریہ' حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ کے افکار و معارف کا گرانقدر مجموعہ ترتیب سید فضل الرحمٰن صفحات ۲۸۰۔

۴۔ تاریخ خط و خطاطین۔ خط اور خطاطی کی پوری تاریخ' اردو میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب' از پروفیسر سید محمد سلیم۔

۵۔ تحریک پاکستان کے فکری محرکات' سیرت ایوارڈ یافتہ مقالہ' از سید فضل الرحمٰن' صفحات ۹۶

۶۔ تحفہ ابراہیمہ' سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ حضرت مولانا دوست محمد قندھاری رحمہ اللہ کے مکاتیب۔

۷۔ تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت' سیرت ایوارڈ یافتہ مقالہ' از سید عزیز الرحمٰن' صفحات ۶۰

۸۔ خطبہ حجۃ الوداع' اردو ترجمے کے ساتھ' از سید فضل الرحمٰن' صفحات ۴۴۔

۹۔ خطوط ہادی اعظم' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستیاب شدہ ۶ مکتوبات کا عکس مع متعلقہ تفصیل' از سید فضل الرحمٰن' صفحات ۲۷

۱۰۔ رہبر حج' حج و عمرے کے احکام کی مکمل تفصیل' از سید فضل الرحمٰن جیبی سائز' صفحات ۱۹۲

۱۱۔ عمدۃ السلوک' (جدید نظرثانی شدہ ایڈیشن) تصوف و سلوک پر مشہور و مقبول کتاب جس کے دسیوں ایڈیشن نکل چکے ہیں' از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ

۱۲۔ مقالات زواریہ' حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ کی نشری تقاریر اور علمی مقالات کا ضخیم مجموعہ۔ جسمیں آپؒ کے ۱۳۹ مضامین اور تقاریر شامل ہیں۔

۱۳۔ موسیقی کی حقیقت' قرآن کریم اور فقہا کے اقوال کی روشنی میں موسیقی کا حکم مع چہل احادیث صفحات ۴۰

۱۴۔ ہادی اعظم' سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع اور مستند ترین مجموعہ' صفحات ۹۱۲ از سید فضل الرحمٰن'

۱۵۔ ہادی اعظم کا شجرہ طیبہ' (چارٹ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل سلسلہ نسب تحقیق اور حوالوں کے ساتھ' چار رنگوں کے خوبصورت و دیدہ زیب آرٹ پیپر پر۔